تاشقند کے اصلی راز

اور قادیانیوں کی سازشیں

میجر (ریٹائرڈ) امیر افضل خان

فہرست مضامین

****

انتساب

سیدنا ابوذر غفاریؓ اور اسلام کے

کلمۂ حق کا

اعلان کرنے والوں کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پہلا باب

ابتدائیہ

عاجزی

اے رب العالمین یہ گنہ گار عاجزی کے ساتھ آپ کے دربار میں سربسجود ہوتا ہے کہ تیری بڑی مہربانی کہ تو نے مجھے اپنے حبیبؐ کی اُمّت میں پیدا کیا۔ اور گزارش ہے کہ روزِ قیامت بھی اپنے حبیبؐ کی اُمّت میں اُٹھانا۔ میرے گناہوں کو نظر انداز کرنا اور اپنی رحمت سے میری بخشش کر دینا۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھ سے جو پہلی کتاب لکھوائی وہ تیرے حبیبؐ کے جلال پر تھی۔ پھر اُنؐ کے رفقائے عظیمؓ کے جلال کے پہلو پر کتابیں لکھوائیں۔ اور آج قوم کے سامنے وہ حقائق پیش کرنے کی توفیق عطا فرما رہے ہو جن کے بارے میں قوم بے خبر ہے۔

درود وسلام

اِس کے بعد تیرے حبیبؐ پر لاکھ درود وسلام بھیجتا ہوں کہ تو خود اور تیرے فرشتے اِن ذاتِ پاکؐ پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور تیری کتنی مہربانی ہے کہ تو نے اپنی مشیّت سے مجھے حضور پاکؐ کے سپاہی کے نام سے موسوم کر دیا۔ ورنہ خود ایسا نام اپنانے سے بے ادبی کا ڈر لگتا ہے۔ پس ایک عرض ہے کہ روزِ قیامت مجھے اسی نام سے پُکارنا۔ اور اگر کوئی حساب کتاب لینا چاہو تو بقول علامہ اقبالؒ اُنؐ کی نگاہوں سے پوشیدگی میں ایسا کرنا۔ یہ بھی حساب کتاب سے بچنے کا ایک بہانہ ہے ورنہ وہ کونسی جگہ ہے جو سرکارِ دو عالمؐ کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوگی۔

در حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

غلامانِ محمدؐ

اے ربّ العالمین! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تُو نے حضور پاکؐ کے ہزاروں غلاموں
یعنی صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، اماموں، فقراء، عالموں اور اسلام کے عظیم المرتبت
سپاہیوں کے ساتھ اس گنہ گار کا جو تعلق پیدا کر دیا، اور اس قافلہ کے تصوّر سے جو مجھ گنہگار
کے لئے اس فانی زندگی اور قید خانہ میں بھی جو سرور پیدا کر دیا، اُس نے میرے لئے زندگی
کو سہل بنا دیا کہ ان بزرگوں کے تصوّر سے میرے اِرد گرد کے ماحول کو پاکیزہ کر دیا اور
مجھے کلمۂ حق کہنے کی توفیق عطا فرمادی کہ اسلامی فلسفۂ حیات کو میرے سامنے کھول کر رکھ دیا۔
اے میرے رَبّ مجھے اِس صراطِ مستقیم پر قائم رکھنا۔

تیرے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہہ دے (اقبالؒ)

کتاب کا نام

اس تمہید کے بعد یہ گنہ گار جسارت کرتا ہے کہ اپنے ان مشاہدات، تاثرات اور جائزوں
کو "تاشقند کے اصلی راز" کا نام دے کر شائع کرائے۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے توفیق دی کہ پاکستان بننے
کے بعد میں نے اکثر مواقع پر اربابِ اقتدار اور سربراہانِ مملکت کو کھُلے طور پر کلمۂ حق سُنایا۔ یا
سفارشات اور تاثرات لکھ کر اُوپر والوں کو بھیجتا رہا۔ اور جب ۱۹۷۹ء میں فوج سے ریٹائر
ہُوا تو روزنامہ نوائے وقت میں اس سلسلے میں کئی مضامین بھی لکھے۔ اس کے بعد ۱۹۸۴ء کی
آخری سہ ماہی میں "تاشقند کے اصلی راز" کے طور پر کئی اور مضمون لکھے۔ لیکن پورے
حقائق کے بیان کے لئے ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ اور اس کتاب کی اشاعت میں یہی مقصد
اُتم طور پر کار فرما ہے۔

نامکمّل بیانات

البتّہ یہ پڑھ کر قارئین بھی حیران ہوں گے کہ یہ کتاب بھی کافی حد تک نامکمل ہے۔ اس
کتاب میں کچھ اُن ایسے حقائق سے پردہ ضرور اُٹھایا گیا ہے۔ جو قوم کی نظر سے پوشیدہ ہیں
اور آزادی کے بعد کیا ہُوا؟ کِس کِس نے کیا کیا؟ یا کیوں کیا۔ ایسی چیزوں کو ضرور بیان کیا گیا ہے

لیکن تحریکِ پاکستان کی مختصر تواریخ کو اس کتاب کا حصّہ نہیں بنایا گیا، اور اس سلسلہ میں قوم سے اوجھل واقعات کی ملک میں کسی غیر متعصّب مبصرؔ کی کتاب ناپید ہے۔ اور جب تک سان عوامل کی تہہ میں نہ جایا جائے۔ تو آزادی کے بعد کے واقعات کے تاریخ کے ساتھ تانے بانے نہیں ملتے۔ اسی طرح یہ پہلو کہ اب علاج کیا ہے کہ جن مقاصد کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا وہ کیسے حاصل کئے جائیں۔ وہ بھی ایک الگ کتاب کا مضمون ہے۔ ان سب کو اگر اس کتاب کا حصّہ بنایا جائے تو یہ کتاب بڑی ضخیم ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں دو اور کتابوں کے مسوّدے تیار ہیں۔ پہلی تحریکِ پاکستان کی کتاب ہے۔ جس کا نام پاکستان کی کہانی ایک سپاہی کی زبانی ہے اور دوسری اسلامی نظامِ حکومت، اسلامی فلسفۂ حیات، اسلامی سیاسی فلسفہ اور اسلامی فلسفۂ دفاع وغیرہ کے سلسلہ میں بھرپور طریقِ کار کی کتاب ہے۔ ان دونوں کتابوں کو بعد میں شائع کیا جائے گا۔ فی الحال اس کتاب میں ان دونوں سلسلوں کے مختصر اور سرسری اشارے موجود ہیں جو حال کے تانے بانے ماضی اور مستقبل کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔

تاشقند کے راز

تاشقند کے راز کی تلمیحات کا استعمال سب سے پہلے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک سیاسی نعرہ کے طور پر کیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس کو شوشہ سمجھا اور کچھ نے مداری کی شعبدہ بازی۔ بہرحال مسٹر بھٹو نے اس سلسلہ میں کوئی راز افشا نہ کیا لیکن مسٹر بھٹو کے ذہن میں ایک فکر تھی جو اُس کو کھائے جا رہی تھی۔ اُس کو معلوم تھا کہ اُس نے قوم، فوج اور خاص کر ایوب خان اور اس کے حواری محمد موسیٰ کے ساتھ شعبدہ بازی کی تھی۔ اس کو ڈر تھا کہ اگر اُس کی کارکردگی کُھل کر سامنے آ گئی تو اُس کی سزا پھانسی ہوگی۔ اِس لئے اُس نے تاشقند کے معاہدہ کی آڑ لے کر اپنی غلط کاریوں کی ساری ذمّہ داری ایوب خان پر ڈال دی۔ ایوب خان خاموش اس لئے تھا کہ اُس کی اپنی غلط کاریاں بھٹو کے برابر تھیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پنڈورا بکس کُھل جائے۔ جس سے ثابت ہو جاتا کہ ایوب خان بھی اہلِ مغرب کی ڈگڈگی پر ناچتا رہا۔ لیکن اس میں ایوب خان اکیلا نہیں۔ لیاقت علی، سکندر مرزا، غلام محمد، محمد علی بوگرہ، اصغر خان، مجیب الرحمٰن، محمد موسیٰ، اعظم ملک وغیرہ لاتعداد مہرے ہیں، جو ان ڈگڈگیوں پر ناچتے رہے بلکہ ہم ساری قوم، کچھ

جاننے اور کچھ بن جانے ان غیروں کی سازش میں شریک ہے۔ اور راقم از خود بھی قصور وار ہے کہ بعض باتوں کی سمجھ دیر بعد آئی کہ ان "بڑوں" کے ساتھ ٹکر لی جاتی۔ پھر عہدہ اور رتبہ اتنا چھوٹا تھا کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا۔

کتاب کی ترتیب

کتاب کی ترتیب فہرست مضامین سے ظاہر ہے۔ زیادہ تر مواد ذاتی مشاہدات کی وجہ سے ہے۔ لیکن جہاں سُنی سُنائی بات لکھی ہے وہاں پر جائزوں کے ذریعے ٹھوس شہادتیں پیش کر دی گئی ہیں۔ راقم کو بڑا فائدہ یہ تھا کہ راقم "بن دیکھا مبصر" تھا۔ چھوٹے عہدے کی وجہ سے "بڑے لوگوں" نے میری "موجودگی" کو نہ سمجھا کہ اس کے بھی کان اور آنکھیں ہیں۔ اس لئے کئی راز میں نے سن لئے اور یاد رکھے۔ البتہ اُن زمانوں میں اکثر باتیں سمجھ نہ آسکیں اور یہ خیال نہ تھا کہ ہم اتنی گئی گزری قوم ہیں کہ غیروں کے اشاروں پر اس طرح ناچتے رہیں گے اور نہ ہی یہ خیال تھا کہ ہم اتنی نالائق قوم ہیں۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ نے کافی پردے چاک کئے اور اس کے بعد میں نے کھل کر کلمۂ حق کہنا شروع کر دیا۔ آگے سے پتہ چلا کہ یہ "بڑے لوگ" بے چارے بہت "چھوٹے" ہیں اور اپنے گرد جو قلعے تعمیر کئے پھرتے ہیں اُن کی بنیاد ریت پر ہے۔ رہی سہی کسر دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ نے نکال دی اور اب کھل کر قوم کے سامنے ان تلخ حقائق سے پردہ اٹھا رہا ہوں۔

ماحصل

اس کتاب میں کن کن تلخ حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے وہ سب کچھ پوری کتاب پڑھنے سے معلوم ہوگا۔ لیکن چند باتوں کا مختصر ذکر یہاں ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہیں:-

۱۔ راقم تحریکِ پاکستان کا آدمی ہے۔ اپنے علاقہ میں اپنے ہم جماعت میاں نذیر عالم مرحوم سے مل کر اُن کے بزرگ والد میاں رکن الدین مرحوم کو مسلم لیگ میں لے آئے۔ میاں صاحب خلافت کی تحریک میں قید ہوئے تھے اور انگریز دشمنی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ لیکن مسلم لیگ کو ٹوڈیوں کی جماعت کہتے تھے۔ ۱۹۴۴ء میں خضر حیات ٹوانہ کو جب مسلم لیگ سے نکالا گیا تو تب ہماری کوشش سے میاں رکن الدین مسلم لیگ میں آئے۔ اور ہم نے مل کر اپنے علاقہ میں خضر حیات ٹوانہ کے ساتھ ٹکر لی۔ اس زمانے میں ہم خیالی کی وجہ سے سب مسلم لیگی حضرات

کو نیک مسلمان سمجھتے تھے اور راقم نے اپنی فوجی زندگی میں برٹش انڈین آرمی کے مسلمان فوجیوں کی متعدد یونٹوں میں پاکستان کا پیغام پہنچایا، جو از خود کئی مضمونوں کا بیان ہے۔ بہرحال قائدِ اعظم اور چند ذات کو چھوڑ کر متعدد مسلم لیگی، بے دین، ٹوڈی، ابن الوقت، قادیانی اور قادیانیوں کے حواری تھے۔ اور ان لوگوں نے اب تک پاکستان میں اسلام نافذ نہیں ہونے دیا۔

۲۔ متعدد مذہبی لوگوں اور مذہبی جماعتوں مثلاً احرار، خاکسار، جمعیت علمائے ہند اور جماعتِ اسلامی وغیرہ کو کچھ اُن کی اپنی غلطی کی وجہ اور کچھ انگریز کی سازش کی وجہ سے مسلم لیگ سے دُور رکھا گیا۔ ویسے ایک لحاظ سے یہ لوگ ٹھیک بھی تھے کہ لیاقت علی اور دولتانہ کی قسم کے لوگ جنہوں نے کوڑیوں کے بھاؤ قادیانیوں کو زمین دے کر۔ اللہ اور رسول ؐ کے نام پر بنائے ہوئے مُلک میں جھوٹے نبی کا مرکز بنوایا۔ ان سے کیا توقع ہو سکتی تھی کہ یہ لوگ پاکستان میں اسلام نافذ کریں گے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے اسلام پر بھی شک کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ کس مجبوری یا مصلحت کے تحت قائدِ اعظم نے ظفر اللہ کو باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنا وکیل بنایا؟ اور بعد میں وزیر خارجہ بھی؟ قادیان کو کیوں نہ پاکستان میں شامل کیا گیا؟۔ لیکن قادیانیوں کو پاکستان میں اتنی مراعات دی گئیں کہ وہ پاکستان پر چھا گئے۔ ایسے سوالوں کے جوابات بھرپور تبصرہ کے ساتھ کتاب میں شامل ہیں۔

۴۔ جس دن ۱۹۴۷ء میں سرحد کے مجاہدین نے مظفر آباد والے راستے سری نگر وغیرہ کی طرف حملہ کیا اسی دن پنجاب کے مجاہدین نے سیالکوٹ کے محاذ سے جموں وغیرہ کی طرف حملہ کرنا تھا۔ اس حملہ کو کیوں روک دیا گیا اور سیالکوٹ کے قادیانی ڈپٹی کمشنر ایم احمد (غلام کذاب کا پوتا) نے اس سلسلہ میں کیا کیا رکاوٹیں پیدا کیں۔

۵۔ انگریز کمانڈر انچیف نے قائدِ اعظم کا وہ حکم کیوں نہ مانا کہ جموں کٹھوعہ سڑک کاٹ دی جائے اور بھارتی فوج کو کشمیر نہ آنے دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو قادیان کا علاقہ میدانِ جنگ بن جاتا اور سازش یہ ہے کہ قادیان کو تب پاکستان میں شامل کیا جائے جب چھوٹا سا "قادیانی پاکستان" باقی رہ جائے۔

۶۔ کیا اسی سازش کے تحت پاکستان بننے کے بعد سیالکوٹ میں ایسے انگریز پرست افسر تعینات کیے گئے

جنھوں نے سیالکوٹ سے مجاہدین کو جموں وکٹھوعہ سڑک کی طرف نہ جانے دیا کہ قادیان کو کوئی خطرہ نہ بنے۔

۷۔ راقم ۱۹۷۹ء میں 'نوائے وقت' میں مضمونوں کے ایک سلسلہ میں ثابت کر چکا ہے کہ لیاقت علی، ظفر اللہ، سکندر مرزا، عزیز احمد اور اُس کا بھائی جی احمد اور انگریز جنرل کارتھورن پاکستان بننے کے بعد کس طرح پاکستان کے کرتا دھرتا بن کر انگریزوں کے ہاتھ میں کھیلتے رہے اور پاکستان کو مضبوط نہ ہونے دیا۔ البتہ برٹش خفیہ سروس کی جگہ ۱۹۵۶ء سے سی آئی اے (CIA) نے لے لی ہے۔ اور انگریز جنرل کاتھورن جو بعد میں آسٹریلیا کا شہری بن گیا۔ اِس کو پاکستان میں آسٹریلیا کا ہائی کمشنر بنا کر واپس لایا گیا۔ وہ اپنا زیادہ وقت سکندر مرزا اور امریکن سفارت کاروں کے ساتھ گزارتا تھا۔ اکتوبر ۵۸ء میں جب سکندر مرزا معزول ہوا تو قارئین یاد کریں کہ واحد آدمی جس کے ساتھ سکندر مرزا کو ملنے کی اجازت دی گئی وہ جنرل کاتھورن تھا کتاب میں پاکستان دشمن ان رازوں سے بھی پردہ اُٹھایا گیا۔

۸۔ قادیان اور قادیانیوں کی حفاظت کا اتنا خیال ہے کہ ۱۹۴۷ء میں تین بڑی بڑی کانوائے جس میں ہر ایک میں سو سے زیادہ ٹرک تھے قادیان بھیجے گئے اور جھوٹے نبی کے مرکز کو فوجی گارڈوں کی حفاظت میں پہلے لاہور لایا گیا اور پھر ربوہ میں جھوٹے نبی کا مرکز بنایا گیا جو آج تک قائم ہے۔

۹۔ لیاقت علی اور اس کے حواریوں نے کس طرح قائداعظمؒ کو مُلکی معاملات سے دُور رکھا اور اُس کے احکام اور دفاعی پالیسیوں کو چلنے نہ دیا۔ اور سیالکوٹ میں ایسے لوگوں کو متعین کیا گیا جو جموں اور کٹھوعہ روڈ کی طرف کوئی فوجی حرکت نہ ہونے دیتے تھے۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھی سیالکوٹ کے محاذ پر پسپائی اختیار کی گئی۔ یہ سب کچھ کون کرواتا رہا۔ کتاب میں ان رازوں سے پردہ اُٹھتا ہے۔

۱۰۔ پُونچھ محاذ پر لیاقت علی اور گریسی کی سازش اور ظفر اللہ خان اور بریگیڈیئر حیاالدین قادیانی کے ذریعہ ایک تجرباتی فائر بندی کی گئی اور مجاہدین کو پُونچھ شہر پر قبضہ نہ کرنے دیا گیا۔

۱۱۔ اپنے آخری ایام میں قائدِاعظم کی حیثیت ایک "قیدی" کی طرح تھی اور شاید لیاقت علی نے جب اُن کو اس سے "آگاہ" کیا تو بقول مس فاطمہ جناح، قائدِاعظم پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ وہ اس کے بعد مزید زندہ رہنا نہ چاہتے تھے۔ بعد میں وہ صرف چند دن زندہ رہے کہ بھارتی فوجیں حیدر آباد پر قبضہ

کرنے کے لئے تیار کھڑی تھیں ۔ کیا ان سب سے لیاقت علی کو بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے ؟ ۔

۱۲ ۔ بھارت کے حیدر آباد پر حملے کے بعد، ہمارے کشمیر پر حملہ کی تجویز ۔ کو لیاقت اور گریسی نے کیوں ختم کر دیا ۔ تین ماہ بعد جب بھارتیوں نے راجوری، اور مینڈھر کے علاقے بھی ہم سے لے لئے تو تب ایک غلط جگہ پر فوجوں کا اجتماع کیوں کیا گیا ؟ کیا یہ فائر بندی کے لئے ڈرامہ تھا ؟ ۔

۱۳ ۔ قائداعظم کی وفات کے بعد لیاقت نے ہمیں کیسے مغرب کی جھولی میں ڈال دیا ۔ ایوب خان کیسے اور کیوں کمانڈر انچیف بنے ؟ ۔

۱۴ ۔ لیاقت علی کے قتل کے بعد سیاسی افراتفری کیوں مچائی گئی اور ۱۹۵۴ء میں نوری السعید، راولپنڈی میں ایوب خان کو "دیکھنے" کے لئے کیوں آیا ؟ ۔

۱۵ ۔ فوج کس طرح سیاست میں ملوّث ہوتی گئی ۔ اور فوجی حکمتِ عملی یا تدبیرات میں ہم نے مغرب کی نقالی کی حد کیوں کر دی ؟ ۔

۱۶ ۔ اصغر خان کو کیوں اور کیسے کمانڈر انچیف بنایا گیا ۔ ایوب خان، سہروردی اور جنرل ڈیگر نے خانگی کے مقام پر اس سلسلہ میں کیا رول ادا کیا ؟

۱۷ ۔ مارشل لا ر کیوں لگایا گیا ؟ اُس کے اصل مقاصد قادیانیوں کی حفاظت کرنا تھے ۔ ایوب خان اور اس کے حواریوں کے ذریعہ سے ملک میں بے دین حالات کو قائم رکھنا تھا ۔ ہماری تعلیم اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں لادینیت کس طرح ہر پہلو کا اوڑھنا بچھونا ہے ۔

۱۸ ۔ ۱۹۶۲ء میں ہم لوگ بھارت کی چین سے ہزیمت کا فائدہ کیوں نہ اُٹھا سکے بلکہ اُلٹا لینے کے دینے پڑ گئے ۔ اُس کے بعد سی آئی اے (C I A) نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا پروگرام بنا لیا ۔

۱۹ ۔ کیا ستمبر ۶۵ء کی جنگ اسی سلسلہ کی ایک سازش نہ تھی کہ ۱۹۶۴ء میں ذوالفقار علی بھٹو، ایم ایم احمد اور جنرل اختر ملک راولپنڈی میں ایک مسٹر سبحان کے گھر باقاعدگی سے ملتے تھے جہاں تمام تجاویز تیار ہوئیں ۔

۲۰ ۔ کیا اُس زمانے میں ایک دفعہ جنرل اختر ملک کو گرفتار کرنے کے احکام صادر ہوئے جن پر عملدر آمد روک لیا گیا ؟ ۔ اس سلسلہ میں بریگیڈیر گل حسن اور C I A نے ایک اہم کردار ادا کیا ۔

۲۱ - کیا رن آف کچھ کا ڈرامہ رچایا گیا کہ کشمیر میں بھی کچھ کیا گیا تو بھارتی اسی طرح خاموش رہیں گے جس طرح رن آف کچھ کے وقت خاموش رہے تھے۔

۲۲ - کیا جنرل موسیٰ نے رن آف کچھ کے بعد لوگوں کو چھٹی نہ بھیج دیا اور سرحد سے تمام رکاوٹیں دُور کرا دی گئیں کہ بھارتی حملہ آور "آسانی" سے لاہور اور سیالکوٹ پر قبضہ کر لیں؟۔

۲۳ - کیا اپنی فائربندی لائن سے جوانوں کو اُٹھا کر کشمیر میں بھیجنے کی غلط کارروائی کر کے اپنے دفاع کو کمزور کر دیا گیا کہ بھارتی حاجی پیر پر قبضہ کرنے والے ہو گئے۔ اور ہمارے ردِّعمل بھی غلط جگہ یعنی سیالکوٹ کی بجائے چھمب جوڑیاں پر تھا؟

۲۴ - کیا چھمب جوڑیاں کی غیر متوقع کامیابی سے بھی کوئی فائدہ نہ اُٹھایا گیا؟۔

۲۵ - کیا چھمب جوڑیاں کی کارروائی نے پنجاب کے باقی محاذ سے پیدل دستوں کو اپنی طرف کھینچ نہ لیا کہ آگے جنگ میں ہم لوگ کوئی جارحانہ کارروائی نہ کر سکے؟۔

۲۶ - کیا چھمب محاذ پر بکتر بند دستوں کو بھیج کر سیالکوٹ محاذ کے دفاع کو کمزور نہ کر دیا؟۔

۲۷ - کیا لاہور کے بڑے بڑے افسر ۶/۵ ستمبر کی رات کو ایک پارٹی میں مدعو نہ تھے اور صبح سویرے نو بجے تک سوتے نہ رہے بلکہ بعض یونٹیں ۶ ستمبر کی صبح کو پی ٹی نہیں کر رہی تھیں اس سلسلہ میں بھٹو اور عزیز احمد کی کیا کارکردگی تھی۔ موسیٰ، یحییٰ اور اُس کا بھائی محمد علی، سرفراز کو راستے سے ہٹانا چاہتے تھے اور سرفراز کے اپنے ہیڈکوارٹر میں یحییٰ کے آدمی تھے؟۔

۲۸ - کیا کھیم کرن محاذ پر بکتر بند دستوں کی مدد کے لئے کوئی پیدل فوج نہ تھی؟۔

۲۹ - کیا سیالکوٹ محاذ پر جنگ کے آخری دنوں میں بھرپور کارروائی کر کے جنگ کا پانسہ تبدیل نہ کیا جا سکتا تھا؟ یہ رکاوٹ کس نے ڈالی؟۔

۳۰ - یحییٰ کو کمانڈر انچیف بنوانے میں شاہِ ایران اور جنرل موسےٰ نے کیا کردار ادا کیا؟

۳۱ - بھٹو تاشقند کی آڑ کیوں لیتا تھا؟

۳۲ - ایوب خان کے خلاف تحریک میں یحییٰ نے کیا کردار ادا کیا؟ اور وہ سربراہِ مُلک کیسے بنا؟۔

۳۳ - مشرقی پاکستان میں مارچ ۱۹۷۱ء میں یحییٰ کا مشیر غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد تھا اُس نے مُلک کے دولخت ہونے میں کیا کردار ادا کیا؟

۳۴۔ مغربی پاکستان سے بھرپور کارروائی بروقت کیوں نہ کی گئی۔ جنرل نیازی کو قربانی کا بکرا کیوں بنایا گیا؟۔

۳۵۔ کیا سقوطِ مشرقی پاکستان کا اکیلا نیازی ذمّہ دار ہے؟ یا اربابِ حکومت اور پوری قوم۔ ہاں نیازی، سلطان ٹیپو نہ بن سکا اور اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے خود بھی ڈوبا اور قوم کو بھی ذلیل کروایا۔

۳۶۔ کیا مغربی پاکستان میں جیسلمیر کی کارروائی کے سلسلہ میں ائرمارشل رحیم نے ذاتی وجہ سے ہوائی امداد دینے سے انکار کر دیا اور بری فوج کو ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ چھ سال بعد دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہوائی فوج اس کا چوتھائی حصّہ بھی نہ کر سکی جو کچھ اُنہوں نے ستمبر ۱۹۶۵ء میں کیا؟۔

۳۷۔ کیا مغربی محاذ کی غلط جگہ پر جارحانہ کارروائیاں نہ کی گئیں اور سیالکوٹ محاذ سے خواہ مخواہ پسپائی اختیار کی؟۔

۳۸۔ ایسی سینکڑوں باتوں سے اس کتاب میں پردہ اُٹھایا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مغرب کی نقالی ہمیں لے ڈوبی۔ سقوطِ ڈھاکہ ہماری تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہے۔ تاریخ میں اتنے مسلمانوں نے کبھی ہتھیار نہ پھینکے۔ لیکن افسوس یہ سازش اب بھی جاری ہے اور پوری قوم جانے یا بن جانے اس میں شریک ہے۔

۳۹۔ علاج کیا ہے؟ اس سلسلہ میں سفارشات کا مسوّدہ بھی تیّار ہے۔ لیکن پہلے اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر ماضی پر ندامت کرنا ہوگی۔ پھر اسلامی فلسفۂ حیات کے تحت پوری قوم کو اللہ کی فوج بننا ہوگا۔ اور حضور پاکؐ کے قدموں میں جا کر پوری قوم کو گڑگڑا کر اور اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر معافی مانگنا ہوگی۔

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(اقبالؒ)

۴۰۔ آؤ ماضی کی تلخیاں بھول جائیں اور مل کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار (بنیان مرصوص) بنیں۔

تمام غیروں کے علوم اور معاشرت کو بحیرہ عرب میں ڈبو دیں اور رسولِ عربی ؐ کے اسلام کا نفاذ کریں۔ اس سلسلہ میں ایک کتاب کا مسودہ تیار ہے جس کا نام حضور پاک ؐ کا جلال و جمال ہے۔

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے ؐ جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا ؐ جمال بے نقاب
(اقبال ؒ)

ہماری تعداد نوّے کروڑ ہے اور ہر روز ہم میں سے اکثر لوگ پانچ وقت اللہ تعالےٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ اسلام کی سربلندی ہو۔ فلسطین میں یہ ہو، کشمیر میں یہ ہو، فلاں جگہ مسلمانوں کی حالت بہتر ہو وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالےٰ ہماری دُعائیں ہمارے مُنہ پر مار رہا ہے۔ حالانکہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالےٰ نے ہماری مدد کا وعدہ کیا ہے۔

تو یہ مدد کیوں نہیں ہو رہی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم عمل تو دُور کی بات ہے اسلام کو سمجھتے بھی نہیں۔ اور اسلام کے فلسفۂ حیات پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مرحوم آغا خان نے اسی وجہ سے ۱۹۵۰ء میں ہمیں پہلی صدی کے اسلام میں نشانِ راہ تلاش کرنے کا مشورہ دیا اور ہمارے موجودہ صدر جناب ضیاء الحق نے بھی قوم کو گزارش کی کہ وہ اُن کو لکھ کر بھیجیں اسلام کیا ہے؟ راقم نے لکھ کر بھیجا جو وزارتِ مذہبی امور کی ردّی کی ٹوکری کی نذر ہو گیا۔ لیکن اس گنہگار نے اب جلالِ مصطفےٰ اور خلفائے راشدین پر چار کتابیں لکھ کر اُس عملی اسلام کو بھی قوم کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور میرا سر اللہ کے دربار میں جُھک گیا ہے۔ رہ گئی بات اپنی کوتاہیوں کی تو اُن کی نشاندہی اس کتاب میں کر دی ہے، اور میرے اندر جو طوفان تھا اُس کو مَیں نے اُگل دیا ہے۔ اب قارئین جانیں اور اِن کا کام۔

یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے

از مصنّفِ کتاب اور حضورِ پاک ؐ کا سپاہی

دوسرا باب

آزادی

تمہید

ہم اس اہم اور دوسرے باب کی بسم اللہ علامہ اقبال مرحوم کے ایک شعر سے کر رہے ہیں کہ ہم نے چند اہم حقائق سے پردہ اُٹھانا ہے :-

" جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ "

حکیم الامت اپنے ناظرین سے اس شعر کے ذریعے مخاطب ہوتے ہیں اور آگے زورِ دست، ضربتِ کاری، میدانِ جنگ کے تقاضوں، خونِ دل و جگر اور اسلامی فلسفۂ حیات یا سرمایۂ حیات کے اصولوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ پھر ہمیں یہ بھی بتا دیتے ہیں :-

" زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا
تیرا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی "

علامہ مرحوم کے ان دو شعروں کے ذریعے میں نے اپنی کتاب لکھنے کے مقاصد کو بیان کر دیا ہے لیکن کتنی افسوسناک بات ہے کہ چالیس سال گزر چکے ہیں اور ہم نے علامہ مرحوم کے کسی ایک شعر کے مصداق اپنے ماضی کے حالات کا بے لاگ مطالعہ نہیں کیا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج تک بھول بھلیوں میں گرفتار ہو کر بھٹکے پھرتے ہیں ۔ بلکہ نشانِ راہ تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی ۔ ہم چکروں میں پڑے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں یہ نہ ہوا وہ نہ ہوا ۔ لیکن کبھی یہ سننے میں نہیں آیا کہ کوئی ایسا مذاکرہ بھی ہوتا جس میں کہا جاتا کہ یہ کچھ ہوا ہے کیسے اور کیوں ہوا ۔ اور کس نے کیا کیا اور علاج کیا ہے ۔

دانشور

ہمارے دانشوروں نے اخبارات کے صفحے بھر دیئے ہیں لیکن ہر مضمون بے معنی یا ادھورا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی فلسفۂ حیات پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں وحدتِ فکر نہیں۔ زندگی اور پاکستان بنانے کے مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ غیروں کے فلسفے ہمارے اوپر چھا چکے ہیں۔ غیر اسلامی نظریات پر اسلام کے لیبل لگا کر ان کو ہمارے عقیدہ اور ایمان کا حصّہ بنا کر قوم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہمیں صراطِ مستقیم کہیں نظر نہیں آرہی اور ہم "انقلاب" کے چکروں میں پڑ کر قرآنِ پاک کے الفاظ کے مطابق پیچھے مڑ رہے ہیں یا اوندھے مُنہ گر رہے ہیں یعنی "منقلب" ہورہے ہیں۔ ان عملوں کو ہم لاکھ "حکیمتہ انقلاب" کا نام دیں یہ سب سراسر غیر اسلامی ہیں کہ سؤر پر تکبیر پڑھ لینے سے وہ حلال نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلہ میں پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی "افلاطونی" سے توبہ کریں اور جیسا کہ پہلے باب میں بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی کر کے حبیبِ پاکؐ کی غلامی اختیار کریں پھر اپنے لئے نشانِ راہ یا صراطِ مستقیم تلاش کریں تو پھر اللہ تعالےٰ ضرور ہماری مدد کرے گا

انگریزوں کی سازش

انگریزوں نے ہمیں مذہبی گروہوں میں بانٹ دیا اور یہ گروہ بندی ہمارے اندر اس طرح رچ بس گئی ہے کہ ہماری سیاسی گروہ بندی آگے چل کر مذہبی گروہ بندی کی شکل اختیار کرجاتی ہے۔ آج ہمارے ملک میں دینی عقائد کے تحت کئی سیاسی گروہ بن چکے ہیں۔ علاوہ ازیں جھوٹے نبی اور قادیانیوں کا پودا ہمارے اندر اس طرح لگایا گیا کہ یہ ایک فتنہ ہے۔ ایسے لوگوں کو صرف کافر قرار دینا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ فتنے کو جڑ سے اکھیڑا جانا چاہیئے۔ ہمارے مُلک میں قادیانیوں کو کسی اجتماعی کارروائی کی اجازت نہیں ہونا چاہیئے۔ خواہ وہ ایسی کارروائی کو عبادت کا نام دیں۔ ربوہ کے مرکز والی تو بڑی بات ہے۔ وہ بہت بڑا فتنوں کا مرکز ہے۔ ہر قادیانی کو ایک نشان پہنایا جائے کہ وہ قادیانی ہے۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے ہمارے ہاں ایسی سیاسی گروہ بندی کی کہ پاکستان ایک ایسی جماعت نے حاصل کیا جس میں مذہبی لوگ کم تھے۔ اس جماعت میں بے دین، ٹوڈی، ابن الوقت، قادیانی یا قادیانیوں کے حواری زیادہ

تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز ظاہری طور پر تو اس ملک سے چلا گیا لیکن اپنی روح کو ان بے دین لوگوں کے پاس چھوڑ گیا۔ اور آج بھی ہم انگریز یا اہل مغرب کے اشاروں پہ ناچ رہے ہیں حالانکہ علامہ مرحوم ہمیں اس سلسلہ میں تنبیہ بھی کر گئے تھے۔

سوال مے نہ کروں ساقیٔ فرنگ سے میں
کہ یہ طریقۂ رندانِ پاکباز نہیں

مسلم لیگ

اِن حقائق کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہمیں پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے ماضی میں جانا ہوگا کہ پاکستان کی اینٹ بھی اسی جماعت نے رکھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمام مسلم لیگی مخلص لوگ تھے یا مسلم لیگ کے کرتا دھرتا اسلام کے فلسفۂ حیات یا سیاسی فلسفہ کو سمجھتے تھے، تو اِس کا جواب بہت بڑی نفی میں ہے اور یہی چیز پاکستان کا بہت بڑا المیہ ہے۔ اب دوسری طرف وہ لوگ جو مذہب کی کچھ سوجھ بوجھ رکھتے تھے اور مسلم لیگ کے ہم خیال نہ ہوسکے۔ اُن کو ہم مسلم لیگیوں نے صحیح مسلمان ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ چنانچہ ان لوگوں اور دوسرے سیاسی گروہوں، جنہوں نے پاکستان کی مخالفت کی، پاکستان بننے کے بعد ایک الگ محاذ بنا لیا، اور ایسے لوگوں میں سے خان عبدالولی اور نوابزادہ نصراللہ قسم کے لوگ آج بھی پاکستان کی ہر حکومت کی مخالفت برائے مخالفت پر تُلے رہتے ہیں۔

اب ایک طرف سر سکندر حیات پنجاب کے تمام یونینسٹ لوگوں کو لے کر "باجماعت" مسلم لیگ میں شامل ہوگیا، تو دوسری طرف بنگال کا مولوی فضل الحق ہندوؤں سے نفرت کی بنا پر جو پارٹی بنا چکا تھا اُس سمیت مسلم لیگ میں شامل ہوگیا۔ قائدِ اعظم نے اُس کی اتنی عزت کی کہ پاکستان ریزولیوشن جس کا مسودہ سکندر حیات نے تیار کیا تھا اُس کو اجلاس میں پیش کرنے کے لئے کہا۔ لیکن یہی فضل الحق اگلے سال قائدِ اعظم کے ساتھ وائسرائے کی دفاعی کونسل کے معاملے میں لڑ پڑا۔ اُس کو مسلم لیگ سے نکالنا پڑا۔ پھر بنگال میں ناظم الدین اور سہروردی قسم کے لوگ فضل الحق دشمنی کی وجہ سے اُس صوبے میں مسلم لیگ کے کرتا دھرتا بن گئے۔

بھان متی کے کنبے

سر سکندر حیات نے وائسرائے کی دفاعی کونسل سے تو قائداعظم کے حکم پر ۱۹۴۱ء ہی میں استعفیٰ دے دیا لیکن یہی سر سکندر ۱۹۴۲ء میں پورے ہندوستان کا نمائندہ بن کر مصر اور باقی مشرقِ وسطیٰ میں برٹش انڈین آرمی کی یونٹوں میں گیا جہاں برطانیہ کے وزیراعظم چرچل اور فیلڈ مارشل ویول کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور انگریزوں کی وفاداری کے اعلان کئے۔

پنجاب سے سر خضر حیات، سر جمال خان لغاری، نواب عاشق حسین اور مظفر علی قزلباش جیسے لوگ بھی مسلم لیگ میں شامل تو ہو گئے تھے لیکن ۱۹۴۴ء میں گورنر گلانسی نے ذرا آنکھ دکھائی تو قائداعظم کے ساتھ بغاوت کر دی۔ اگر راقم ان ٹوڈیوں کا ذکر کرے جنہوں نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت کی تو ایک الگ کتاب لکھنا پڑے گی۔

آسام میں سر سعد اللہ بھی انگریزوں کا چہیتا تھا اور اُس کی مسلم لیگ میں شمولیت بھی ہندوؤں یا کانگرس کی مخالفت کی وجہ سے تھی۔ سندھ میں سر ہدایت اللہ غلام حسین خود بڑا انگریز پرست اور محمد ایوب شاہ محمد کھوڑو کی مسلم لیگ میں شمولیت سیاسی وجوہات کے تابع تھی۔ یہی حالت ہارون خاندان کی تھی اور سومرو خاندان تو کانگرس کی جھولی میں تھا۔ البتہ جی ایم سید ایک مسلمان سیاستدان ضرور تھا لیکن جب اُس کی آمریت کو دھچکا لگا تو اُس نے بھی قائداعظم کے ساتھ بغاوت کر دی۔

البتہ صوبہ سرحد میں سردار نشتر جیسے مخلص لوگ ضرور تھے اور خان قیوم نے مسلم لیگ میں خان برادران سے اختلافات کی وجہ سے شمولیت اختیار کی لیکن مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد مسلم لیگ اور پاکستان کے ساتھ وفاداری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ پنجاب سے دولتانہ اور شوکت حیات کی قسم کے لوگ سیاست کے فصلی بٹیرے تھے۔ کانگرس میں جانا چاہتے تھے اور یونینسٹ میں اونچی جگہ نہ مل سکی تو مسلم لیگی بن گئے۔

لیاقت علی

اس آدمی کا کمال یہ ہے کہ قائداعظم کا دستِ راست بنا رہا۔ پاکستان کا پانچ سال وزیراعظم رہا اور آج کچھ لوگ اس کو شہیدِ ملت بھی کہتے ہیں۔ اُس نے اپنے گرد ایک ایسا قلعہ تعمیر کر لیا جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُس شخص کو رہنمائی

انگریز کی طرف سے ملتی تھی کہ وہ بڑا "کامیاب" رہا۔ یہ باب اور اس سے اگلے دو ابواب میں ہمارا زیادہ واسطہ اسی شخص کے ساتھ رہے گا۔ ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ فیصلہ کریں کہ لیاقت علی کس کا آدمی تھا۔ اور کیا اُس نے اسلام کی کوئی خدمت کی۔

قحط الرجال

چنانچہ اگر ساری مسلم لیگ پر ایک نظر ڈالی جائے تو صرف چند مخلص آدمی نظر آتے ہیں جن میں نواب محمد اسماعیل میرٹھی، کلکتہ کے عبدالرحمٰن صدیقی، سردار عبدالرب نشتر، اسمٰعیل چندریگر، راجہ غضنفر علی، ملک برکت علی، خان ثمین جان اور مولانا تمیزالدین خان وغیرہ کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ اُوپر کی سطح پر مذہبی لوگ بھی بہت کم تھے۔ صرف مولانا تمیزالدین خان، بنگال کے مولانا اکرم، مولانا ظفر علی خان، یو پی کے مولانا حسرت موہانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی قسم کے چند لوگ تھے جو مذہب کی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ نچلی سطح پر مولانا ظفر احمد انصاری اور مولانا عبدالستار نیازی وغیرہ قسم کے لوگ تھے۔

پاکستان کے مخالفین یا مذہبی جماعتوں کے مولانا مودودی، علامہ عنایت اللہ مشرقی مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، عطاءاللہ شاہ بخاری، مولانا گل شیر، چودھری افضل حق وغیرہ چند لوگ ایسے ہیں جن کو مذہب کی کچھ واقفیت تھی۔ ان میں مولانا گل شیر اور چودھری افضل حق نے پاکستان کی شدت سے مخالفت نہ کی۔ عطاءاللہ شاہ بخاری نے پاکستان بن جانے کے بعد اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ باقی چونکہ اپنے ماضی پر نادم نہ ہوئے تو مسلم لیگ سے باہر کے مذہبی لوگ بھی پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں کوئی خاطر خواہ کام نہ کر سکے۔ سوائے جماعت اسلامی کے جنہوں نے کم از کم اپنے اعلانوں کے ذریعے مکمل طور پر اسلام سے وابستگی کا مظاہرہ کر کے اسلام کے نام کو قائم رکھا۔ لیکن ان لوگوں کو بھی جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں ایک اخباری بیان کی وجہ سے جس کا تیسرے باب میں ذکر ہے، دھچکا لگ گیا اور علماء کے بائیس نکات بھی پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں کچھ زیادہ عملی اور مفید ثابت نہ ہوئے۔

پاکستان کیوں بنا؟

اس جائزے کے بعد انسان اپنے آپ سے سوال کرتا ہے کہ اگر ہم سب ایسے گئے گزرے ہوئے تھے تو پاکستان کیوں بن گیا۔ کیا اس کا سہرا صرف محمد علی جناح کے سر باندھا جائے۔ بے شک یہ سوال تجزیہ طلب ہے۔ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ اوّل تو مشیّت ایزدی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں ایک ملک عطا کر دیا۔ ایک صاحبِ نظر کا کہنا تھا کہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے دوران جو غازی عبدالرشید شہید، غازی ملک میاں محمد شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی علم الدین شہید، غازی دوست محمد شہید، غازی مرید حسین شہید اور متعدد گمنام لوگ ناموسِ رسولؐ پر قربان ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے اس خطّہ کے مسلمانوں کو ایک ملک عطا کر دیا۔ بات وکالت کی تھی۔ اور محمد علی جناح ایک بااصول اور دیانت دار وکیل تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو قائداعظم بنا کر مسلمانوں کی وکالت سونپ دی اور ہمیں ناموسِ رسولؐ کی خاطر ایک وطن مل گیا۔

میر عرب کو جہاں سے ٹھنڈی ہوا آئے ۔ وہی میرا وطن ہے

انگریز کی چالبازی

اس روحانی پہلو کے علاوہ پاکستان پیدا کرنے کے لئے ہندو کا تعصب اور انگریز کی چالبازی بھی ہمارے کام آئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد، انگریز نے مسلمانوں کو "اچھوت" بنا دیا اور اُن کو اوپر اُٹھنے کی اجازت نہ دی۔ انگریز ہندوؤں کی مدد سے حکومت کرتا رہا اور کانگرس کی بنیاد بھی ایک انگریز نے ڈالی۔ ہندو اس برصغیر کی سیاست پر چھا گئے۔ مسلمانوں کے نواب، ٹوڈی اور انگریز پرست لوگوں کو فکر ہوئی کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد ہندو اُن کو ذلیل کریں گے۔ اس لئے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے انہوں نے مسلم لیگ بنائی اور سر آغا خان، یا نواب آف ڈھاکہ یا عمر حیات ٹوانہ قسم کے لوگ جو ایسی جماعت میں شریک ہوئے تو ضروری ہے کہ اُنہوں نے ایسا انگریز کی اجازت سے کیا ہوگا۔

انگریز اس ملک سے چلے جانے کے بعد اب بھی اس ملک کی سیاست میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔ کیا جس زمانے میں وہ ہمارا حاکم تھا اُس زمانے میں وہ یہاں کی سیاسی جماعتوں میں دلچسپی نہ لیتا ہوگا؟ صاف ظاہر ہے کہ مسلم لیگ میں کئی لوگ ایسے تھے جو انگریز کے ٹوڈی تھے۔ اس لئے ولی خان اگر

انگریزوں کے پرانے کاغذات سے یہ بات نکال لایا ہے کہ انگریزوں نے سر ظفر اللہ خان کے ذریعے پاکستان کی تحریک شروع کرائی تو ہمیں ناراض نہ ہونا چاہیئے ۔ انگریز بڑا چالباز تھا۔ جب اُس نے ہندوؤں کے کانگرس کے قبضہ کو دیکھا تو اپنے مسلمان ٹوڈیوں کی حفاظت اور اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے انگریز کبھی اپنا زور کانگرس کے پلڑے میں ڈال دیتا تھا اور کبھی مسلم لیگ کے پلڑے میں۔ ہاں البتہ ولی خان اور اس کے خاندان جنہوں نے اپنے آپ کو ہندوؤں کے ساتھ وابستہ کر دیا اور اب بھی وہاں سے روپوں کی تھیلیاں ملتی ہیں، وہ ہم مسلمانوں کی "امامت" کے دعویدار نہیں ہو سکتے ۔

بھان متی کا کنبہ

ہم جس نکتہ کی طرف آنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ انگریزوں کے زمانے میں اگر ایک طرف مسلمان سیاسی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے تو دوسری طرف مسلم لیگ بھی بھان متی کا کنبہ تھی اور اس میں قادیانیوں سمیت ہر قسم کے لوگ موجود تھے ۔ انگریز کی پالیسی بھی تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ جب کانگرس زور پکڑ گئی تو سیاست میں توازن کے لئے اُنہوں نے مسلم لیگ کے پلڑے کو بھاری کرنا چاہا۔ مولانا محمد علی جوہر کی وفات کے بعد مسلمان لیڈر کی تلاش میں تھے ۔ اندریں حالات اگر ایک طرف مخلص مسلمان محمد علی جناح کو مسلمانوں کی " امامت " سنبھالنے کی دعوت دے رہے تھے تو دوسری طرف یہ بالکل ممکن ہے کہ انگریزوں نے لیاقت علی کو بھیجا ہو کہ وہ محمد علی جناح کو برصغیر میں واپس لائے۔ اور انگریزوں نے ہی مسلمان ریاست کا پہلے پہل اپنی حکومت کو طول دینے کے لئے "شوشہ" چھوڑا ہو تو ہمیں ناراض نہ ہونا چاہیئے کہ نہیں ایسا نہیں تھا۔ آگے چل کر واضح ہو گا کہ انگریز یا امریکی ہماری آزادی کے بعد بھی یہ ڈگڈگی بجا رہے ہیں، اور اکثر ہم اُن کے اشاروں پر ناچتے رہتے ہیں ۔

جو لوگ مسلم لیگ سے دُور رہے اُن کا خیال بھی صحیح ثابت ہُوا۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں مسلم لیگ کی قیادت تھی وہ پاکستان کو اسلامی تشخص نہ دے سکیں گے ۔ نوائے وقت میں میاں امیرالدین کی جو یادیں شائع ہوئی ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم لیگ میں زیادہ بکاؤ مال تھا اور ہر آدمی کی کچھ "قیمت" تھی بلکہ مولانا ظفر علی کے بارے میں بھی اُنہوں نے انکشاف کیا کہ اُن کی بھی "قیمت" تھی ۔ دوسری طرف عاشق حسین بٹالوی آگے بڑھا اور اُس نے کہا کہ

کہ میاں امیر الدین خود بھی "ستھرے" نہ تھے۔ عاشق حسین بٹالوی نے اس سلسلہ میں جو ثبوت فراہم کئے ہیں۔ میاں صاحب اُن کو آج تک نہ جھٹلا سکے۔ لیکن عاشق حسین بٹالوی کے بارے میں بھی انکشافات ہوئے ہیں کہ وہ بھی سرکار کے تنخواہ دار رہے ہے۔ سر سکندر نے ایک دفعہ قائد اعظم کو اس سلسلہ میں کاغذات بھی دکھائے۔ یہ تھے ہمیں آزادی دلانے والے "مخلص" لیڈر۔ لیکن پاکستان کے مخالفین اس آڑ کو استعمال نہیں کر سکتے اور اُن کو پاکستان کی مخالفت کی وجہ سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

انگریز کی پالیسی میں تبدیلی

انگریز خود کسی ایک پالیسی پر قائم نہ رہتا تھا۔ پہلے ان کی پالیسی یہ تھی کہ اگر ہندوستان چھوڑنا پڑ جائے تو اُس کا کچھ بٹوارہ ضرور ہو تاکہ دونوں ملک یا خطّے اُن کی مرضی کے مطابق کام کریں۔ اس کے علاوہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے حصّہ میں مضبوط پاکستان نہ آئے۔ اور نہ ہی مذہبی قسم کا پاکستان۔ کیونکہ اس طرح وہ ساری دُنیا کے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے انگریزوں اور اُن کے حواریوں کے لئے خطرہ پیدا کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ اس خطہ پر زیادہ سے زیادہ وقت حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی تجویز یہ تھی کہ اگر یہ مُلک چھوڑنا بھی پڑ جائے تو صرف ہندو اکثریت کی آبادی والے علاقے آزاد کئے جائیں۔ وہ کسی متحدہ پاکستان کے حق میں بھی نہ تھے بلکہ مسلمانوں کو دو الگ الگ اور کمزور قسم کے خطّے دینا چاہتے تھے۔ انگریز وائسرائے فیلڈ مارشل ویول نے اس قسم کی ایک تجویز حکومت برطانیہ کو بھی بھیجی تھی لیکن اٹلی کی لیبر گورنمنٹ آ جانے کے بعد انگریزوں کی پالیسی میں تبدیلی آ گئی۔ اور وہ ہندوؤں اور نہرو کی حکومت کے تحت ایک متحدہ مضبوط ہندوستان دیکھنے کے حق میں ہو گئے اور جو لنگڑا پاکستان پہلی انگریز حکومتیں بنانا چاہتی تھیں اس سے بھی زیادہ لنگڑا پاکستان بنا کر مسلمانوں کے حوالے کیا تاکہ وہ ایک طرف بھارت کے رحم و کرم پر رہے اور دوسری طرف انگریزوں کے لئے ایک جائیداد بن جائے۔ ہم اگر یہ باتیں سمجھ جائیں تو پھر جو کچھ پاکستان میں آگے ہوتا رہا اُنہیں بھی سمجھ جائیں گے۔

قائدِ اعظم کی فراست اور سوچ

معلوم ہوتا ہے کہ قائد اعظم انگریزوں کی ان چالوں کو خوب سمجھتے تھے چنانچہ اُنہوں نے ماؤنٹ بیٹن

کو دونوں ملکوں کا مشترکہ گورنر جنرل نہ بننے دیا لیکن جو سیاستدان ان کے ساتھ تھے، اُن میں اکثر اسلامی فلسفۂ حیات کی بنیادی باتوں کو سمجھتے نہ تھے اور پھر کافی بے دین یا ابن الوقت لوگ بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد دولت اکٹھی کرنے کے جو مواقع سامنے آئے تو ان لوگوں کے پاس جو تھوڑی بہت دیانت داری موجود تھی اُسے بھی اُنہوں نے اپنے گھروں کے کسی کونے میں دفن کر دیا۔ بہر حال جن حالات میں قائدِ اعظم کام کر رہے تھے ان کی فراست کو داد دینا پڑتی ہے کہ پاکستان کی مخالفت کے باوجود وہ مسلمانوں کے لئے ایک خطۂ زمین حاصل کرنا چاہتے تھے کہ وہاں پر اُمتِ واحدہ کے فلسفہ کے تحت ایک حکومت بن جائے جو اللہ اور رسوؐل کے نام پر آگے خود پھیلتی چلی جائے گی۔ شاید قائدِ اعظمؒ یہ سوچتے ہوں گے کہ سویلین سرکاری ملازم یا فوجی لوگ جو پاکستان کے حصہ میں آئیں گے اچھے لوگ ہوں گے۔ وہ کچھ سویلین لوگوں مثلاً غلام محمد، چودھری محمد علی، اکرام اللہ، محمد ایوب وغیرہ کو بالواسطہ طور پر جاننے لگ گئے تھے اور ان سے متاثر بھی تھے کہ یہ لوگ پاکستان میں اچھا کام کریں گے۔ البتہ قائدِ اعظمؒ فوجی لوگوں کو نہیں جانتے تھے سوائے چند جونیئر افسروں کے جو کبھی کبھی اظہارِ عقیدت کے لئے دہلی میں اُن کی کوٹھی پر یا کلکتہ، لاہور وغیرہ کے دورے میں اُن کی قیام گاہ پر جا کر ملاقات کرتے تھے، اور پاکستان کے لئے ہر قربانی دینے کا وعدہ کرتے تھے۔ قائدِ اعظم ایسی باتیں سُن کر خوش ہوتے تھے۔

قائدؒ کا فوجیوں سے رابطہ

قائدِ اعظمؒ البتہ قانون دان ہونے کی وجہ سے ہر بات میں قانونی طریقہ استعمال کرنا چاہتے تھے اس لئے ۳ جون، ۱۹۴۷ء کے اعلان کے بعد انہوں نے تین سنیئر مسلمان بریگیڈیئروں سے ملاقات کی جن میں سے وہ سب سے سینئر بریگیڈیئر محمد اکبر رنگروٹ سے کچھ متاثر ہوئے کہ بھلے آدمی ہیں۔ گو وہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے اور نہ ہی پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں اتنے ماہر تھے مگر قائدؒ نے ان کو میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی دلا کر اپنے نزدیک کراچی میں متعین کیا اور اگر زندگی وفا کرتی تو شاید انہی کو پاکستان کا پہلا کمانڈر انچیف بنواتے۔ باقی دو بریگیڈیئر نذیر قادیانی اور رضا صاحب تھے، جو بعد میں میجر جنرل بنے مگر قائدِ اعظمؒ ان سے زیادہ متاثر نہ ہوئے۔ چوتھے بریگیڈیئر منیر ٹوانہ سے ملاقات نہ کی۔ انہیں معلوم تھا کہ اس کو اس عہدہ پر ترقی بلدیو سنگھ نے خضر حیات کی سفارش پر

دی تھی۔

قائداعظمؒ کو ایک مسلمان بریگیڈیئر کی بھی ضرورت تھی جو باؤنڈری فورس پر کام کرے۔ اس کیلئے
قائداعظم کے سامنے کرنل محمد ایوب خان کو پیش کیا گیا۔ جن کا بریگیڈیئر بننے کا نمبر کاٹ دیا گیا تھا اور اُن
جونیئر نذیر قادیانی بریگیڈیئر بن چکا تھا۔ قائداعظمؒ ایوب خان سے کچھ متاثر ہوئے۔ شاید اس وجہ
کہ وہ سردار بہادر خان کے بڑے بھائی تھے اور سردار بہادر خان مسلم لیگ میں شامل تھے لیکن قائداعظم
کو یہ معلوم نہیں تھا کہ سردار بہادر خان کسی زمانے میں فوج میں لانس نائیک تھے اور کمیشن نہ مل سکا
تو وہ کانگریس میں شامل ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں ان کے بھائی کپتان محمد ایوب خان پر اس وقت
کا کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل برڈ ووڈ اسی لئے بہت ناراض بھی ہوا تھا لیکن بعد میں سردار بہادر خان کو علی گڑھ
پڑھنے کے لئے بھیجا گیا جس کے بعد وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

ایوب خان بھی باؤنڈری فورس میں ناکام ہوئے۔ یا انہیں ناکام بنا دیا گیا۔ ایک سازش
کے تحت بریگیڈیئر نذیر قادیانی کو اس کام پر مقرر کیا گیا۔ اور اس میں مقصد یہ تھا کہ قادیانوں کو حفاظت
کے ساتھ پاکستان پہنچایا جائے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ایوب خان پر بھی انگریزوں کے بہت
اثرات تھے۔ اور اب قائد پر واضح ہو چکا تھا کہ اس ملک کی فوج کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے کوئی
مسلمان فوجی موزوں نظر نہ آ رہا تھا اس لئے پاکستان کی فوج پر چار سال انگریزوں کی
حکمرانی رہی۔

پاکستان کی بنیاد

اب قارئین خود اندازہ لگائیں کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنائے جانے والے ملک کی بنیاد
کیسے باندھی جا رہی تھی۔ اور یہ ہیں تاشقند کے اصلی راز جن کو قوم بھول چکی ہے یا اس بارے میں
بے خبر ہے۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد لوجوہ ایک صوبہ (سندھ) کو چھوڑ کر باقی سب صوبوں میں انگریز
گورنر تھے۔ فوج میں قائداعظمؒ نے ایک مسلمان بریگیڈیئر کو میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی دلائی۔
باقی سب سینئر افسر انگریز تھے۔ بعض مسلمان افسروں نے قائداعظمؒ سے سفارش کی تھی کہ ایسٹرن
کمانڈ کا انگریز لیفٹیننٹ جنرل سر فرانسس ٹکر پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف کے عہدہ کے لئے موزوں رہے گا

وہ کچھ اصول پسند آدمی تھا اور جنرل ٹکر ہندوؤں کے فلسفۂ فساد سے بھی آگاہ تھا۔ گو بنیادی طور پر وہ بھی پاکستان اور بھارت کے مشترکہ دفاع کا قائل تھا۔ اور اس طرح دونوں ملکوں پر برطانیہ کا اثر رکھنا چاہتا تھا لیکن حکومت برطانیہ فیصلہ کر چکی تھی کہ پاکستان کی فوج کو ایسے افسر دیئے جائیں جو "خچرے" ہوں یا مٹی کے مادھو، یعنی لکیر کے فقیر۔ اور جو وہی کام کریں، جس کا انہیں حکومت برطانیہ حکم دے۔ اصل آدمی جو پاکستان آرمی کو دیا جا رہا تھا وہ میجر جنرل کاتھورن تھا، جو برطانیہ کی خفیہ سروس کا آدمی تھا۔ وہ زیادہ کمانڈ کئے بغیر اس عہدہ پر خفیہ سروس سے تعلق کی وجہ سے پہنچا تھا۔ انگریزوں کے طور طریقوں کے لحاظ سے پاکستان کو برطانیہ کی نقالی کی راہ پر ڈگانے کے لئے تمام تر ذمہ داری اسے سونپی گئی تھی۔ چنانچہ انگریزوں نے پاکستانی فوج کے لئے ایک "خچرے" جنرل فرینک میسروی کو کمانڈر انچیف بنوایا اور اُس کے ساتھ دوسرا جنرل ڈگلس گریسی تھا، جو مٹی کا مادھو تھا اور تمام "ہدایات" یا "مشورہ" میجر جنرل کاتھورن سے لیتا تھا۔

راقم جنرل کاتھورن کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ جب میں دوسری جنگِ عظیم میں "کرایہ کا سپاہی" بنا تو وہ ہماری موجودہ ستر ہ پنجاب میں کپتان تھا۔ اس لئے پاکستان بننے کے بعد راقم کراچی میں جنرل کاتھورن سے سلام دُعا کر لیتا تھا۔ جنرل کاتھورن میرے سامنے یا اپنے "احباب" یعنی سکندر مرزا قسم کے لوگوں کے سامنے اپنے مطلب یعنی انگریزوں کے مقاصد کی باتیں کرتا رہتا تھا کیونکہ اُس کی لائن یہ تھی کہ پاکستان کو مغرب کی "جھولی" میں رہنا چاہیئے۔

قائدِ اعظم اور قادیانی

باؤنڈری کمیشن میں قائدِ اعظم نے سر ظفر اللہ خان کو کیوں وکیل مقرر کیا۔ اس بارے میں ہمیں جو کچھ معلوم ہوسکا وہ یہ تھا کہ قائدِ اعظم جانتے تھے کہ قادیانیوں اور انگریزوں میں گاڑھی چھنتی تھی۔ قادیانی ان کے پروردہ تھے اور سب سے زیادہ چہیتے۔ گورداسپور میں ویسے بھی مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور قائدِ اعظم یقین کرنا چاہتے تھے کہ قادیان کی وجہ سے گورداسپور کا ضلع پاکستان کو مل جانے کا اور کشمیر کی بھاری مسلم اکثریت والی ریاست بھی ہماری جھولی میں ہوگی۔ اور اگر مہاراجہ ہری سنگھ کو عقل نہ آئی تو چند مسلمان مجاہد اس پر قبضہ کرلیں گے۔

قائدِ اعظم کو البتہ زیادہ فکر حیدر آباد کی تھی اور کشمیر کو پاکستان کے ساتھ ملانے کے بعد وہ سارا

زور حیدر آباد کو بچانے اور جنوبی بھارت میں اس ریاست کو مسلمانوں کی جائے پناہ بنانا چاہتے تھے ۔ بھارت کے دو چوٹی کے لیڈروں یعنی نہرو اور پٹیل میں کشمیر اور حیدر آباد کے سلسلہ میں اختلافات بھی تھے ۔ پٹیل کا تعلق چونکہ بمبئی یعنی جنوبی بھارت کے ساتھ تھا۔ وہ حیدر آباد پر ہر حالت میں قبضہ کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں اگر کشمیر پاکستان کو دینا پڑ جاتا تو اُسے چنداں پرواہ نہ تھی لیکن نہرو جو کشمیری برہمن تھا وہ ہر حالت میں کشمیر کو بھارت کا حصّہ بنانا چاہتا تھا۔ جنرل نوابزادہ شیر علی پاکستان آنے سے پہلے سردار پٹیل سے ملے تو پٹیل نے اُنہیں کہا تھا کہ " اپنے بادشاہ سلامت " کو گزارش کرنا کہ وہ حیدر آباد اور کشمیر کے بارے میں حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کریں ۔ بہر حال اس معاملے پر زیادہ روشنی جنرل شیر علی خود ہی ڈال سکتے ہیں۔ لیکن ہم مات کھا گئے ، نہ کشمیر ملا اور نہ حیدر آباد کو بچا سکے ۔ لیکن شاید اُس وقت قائداعظم انگریزوں اور قادیانوں کی سازش کو نہ سمجھ سکے ۔ قادیان جو پاکستان کو نہ ملا۔ اور قادیانی "مظلوم" بن کر پاکستان میں داخل ہوئے تو قائد کو ظفر اللہ پر کوئی شک نہ گزرا اور اسی وجہ سے اُنہوں نے ظفر اللہ کو پہلے جنرل اسمبلی میں کشمیر کا مقدمہ لڑنے کے لئے وکیل بنایا اور بعد میں وزیر خارجہ بھی جس کی تفصیل اگلے باب میں آتی ہے ۔ گو ظفر اللہ نے لمبی اور بے معنی تقریریں کر کے جان بوجھ کر کشمیر کا مقدمہ خراب کیا لیکن ہم اُس وقت اس طریق کار کو نہ سمجھ سکے ۔

قادیانیوں کے مقاصد اور سازش

قادیانیوں نے بھی باؤنڈری کمیشن کے سامنے جس کا سربراہ ریڈ کلف تھا ۔ سکھوں کی طرح ایک فریق بننے کی درخواست دے دی اور ظفر اللہ کو وکیل بنایا ۔ اور یہ بات اس زمانے میں ہی سامنے آ گئی تھی کہ قادیانیوں نے اپنے آپ کو باقی مسلمانوں سے الگ ظاہر کیا تھا اور اس علاقے میں خصوصی مراعات مانگیں کہ قادیان کی پوزیشن پاپائے روم کی ویٹی کن سٹی کی طرح ہونی چاہیئے ۔ اس سے مسلمانوں کا کیس کمزور ہوا اور قادیان سمیت ضلع گورداسپور کا زیادہ علاقہ بھارت کا حصّہ بن گیا۔

یہ ایک سازش تھی اور اگر قادیان پاکستان کا حصّہ بن جاتا اور کشمیر بھی پاکستان کو مل جاتا تو قادیانیوں کے خلاف جو تحریک ۱۹۵۳ء میں شروع ہوئی تھی وہی تحریک ۱۹۴۷ء یا زیادہ سے زیادہ ۱۹۴۸ء میں شروع ہو جاتی ۔ جو مذہبی مسلمان تحریک پاکستان سے علیحدہ رہنے کے

باعث پیچھے چلے گئے تھے۔ ان کے لیئے اُوپر آنے کے لیئے ضروری تھا کہ وہ نہ صرف قادیانیوں کو
ختم کرنے کی تحریک چلاتے بلکہ قادیان کو ختم کرنے کے لیئے کوشش کرتے کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر
بنائے جانے والے ملک میں یا اسلام کے نظریہ پر قائم ہونے والے ملک میں کسی جھوٹے نبی کا مرکز نہیں ہوسکتا۔
سازش یا تجویز یہ بھی کہ قادیانی مظلوم بن کر پاکستان میں داخل ہوں حالانکہ مشرقی پنجاب میں قادیانیوں
کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ مرزا غلام کا پوتا، میجر داؤد، میجر وحید حیدر اور میجر صفدر بیگ وغیرہ متعدد افسر
قادیانیوں کو بحفاظت مشرقی پنجاب سے نکال رہے تھے۔ پھر بریگیڈئر ایوب کی جگہ بھی قادیانی بریگیڈئر نذیر
آگیا۔ سیالکوٹ کا پہلا ڈپٹی کمشنر مرزا غلام کا پوتا ایم ایم احمد تھا۔ لاہور میں بھی متعدد قادیانی افسر
بے دین لوگ اور قادیانیوں کے دوست ان کی "بحالی" کے کام پر لگے ہوئے تھے۔ ظفر اللہ کے قصبہ ڈسکہ میں
قادیانیوں کا ایک مرکز قائم تھا۔ جہاں سے ہدایات موصول ہوتی تھیں کہ کس قادیانی کنبہ کو کہاں بھیجا جائے
اور اس طرح "مظلوم قادیانی" پنجاب پر چھا گئے اور بعد میں جھوٹے نبی کا ایک مرکز ربوہ میں بھی بنوالیا گیا۔
قادیانیوں کے مرکز کو قادیان سے نکالنے کے لئے تین دفعہ سو سو ٹرکوں کی ایک کنوائی فوج کی حفاظت
کے نیچے قادیان بھیجی گئی۔ اور سب خیریت سے "مظلوم" بن کر پاکستان آ گئے۔ اور ۱۹۵۳ء تک
ان کے خلاف کوئی تحریک نہ چل سکی۔ لیکن جب تحریک چلی تو اُن کا ہمدرد جسٹس منیر موجود تھا
جس نے ایک انکوائری میں اسلام کی گت بنائی اور "اسلام پسند" خاموش ہو گئے۔ دوسری
طرف مارشل لاء لگ گیا جو قادیانیوں کی حفاظت کے لئے تھا۔ اس سب کی تفصیل پانچویں باب
میں آتی ہے۔

لنگڑا لُولا پاکستان

ہمیں ولی خان کے "انکشافات" کی فکر نہیں کرنی چاہیئے کہ اُن کے خاندان کے بھارتی دوستوں
اور قادیانیوں کے انگریز دوستوں میں ایک قدر مشترک تھی۔ وہ دونوں ایک لنگڑا لولا پاکستان
چاہتے تھے۔ انگریز نے یہ کام ریڈکلف سے کرایا۔ بھارت نے مہاجرین کا مسئلہ پیدا کر دیا۔ پاکستان
کے حصہ میں آنے والا دفاعی سامان روک لیا اور ہمیں کشمیر میں اُلجھا دیا، جس کا ذکر تیسرے باب
میں آتا ہے۔ پاکستان کی حکومت میں مغربی لابی یا انگریز پرستوں کا زور تھا۔ لیاقت علی کو بہت
جلد سکندر مرزا (میر جعفر کا پوتا)۔ عزیز احمد، اُس کا بھائی جی احمد اور متعدد ان سویلین افسروں

کی خدمات حاصل ہوگئیں جو انگریزوں کے پروردہ تھے۔ یہی بھی کسر ظفر اللہ اور غلام محمد کی
وزارت میں شمولیت سے پوری ہوگئی بلکہ حکومت کے سیکرٹری جنرل چودھری محمد علی جو بعد میں وزیراعظم
بھی بنے، گو بھلے آدمی تھے لیکن وہ بھی مغرب پرست تھے۔

پاکستان کے حاکم

یہ تھے پاکستان کے حاکم۔ وزارت میں تین ایسے قابلِ اعتبار آدمی تھے جن پر قائدِ اعظم بھروسہ
کرسکتے تھے، اور وہ سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی اور چند دیگر تھے۔ مؤخرالذکر دونوں کو جلد
ہی ایران اور افغانستان میں سفیر مقرر کردیا گیا اور نشتر کے لئے سرحد میں خان قیوم جیسا ایک
مضبوط حریف پیدا کردیا گیا۔ سردار نشتر اپنی شرافت کی وجہ سے خاموش ہوگئے۔ ایسے جوڑ توڑ
ان کی خمیر میں بھی نہ تھا اس طرح قائدِ اعظم رح کو تقریباً "بے ہتھیار" کر دیا گیا۔ اب پاکستان میں مغربی لابی کی
مکمل حکومت تھی جس کے لئے تمام تر ہدایات جنرل کا تھورن تیار کرتا تھا۔ وہ ڈپٹی چیف آف سٹاف
بھی تھا اور راولپنڈی میں جنرل ہیڈکوارٹر اور کراچی میں حکومت کے درمیان رابطہ کا کام کرتا تھا۔
تینوں افواج یعنی بری، بحری اور فضائی افواج کے رابطہ کا سربراہ بھی تھا اور اس کا کام چیئرمین جوائنٹ
سٹاف کی سطح کا تھا۔ سکندر مرزا سیکرٹری دفاع تھا اور دونوں میں گاڑھی چھنتی تھی۔ سکندر مرزا کو جو
پاکستان میں پذیرائی حاصل ہوئی وہ اسی وجہ سے ہوئی کہ اُسی زمانے میں کا تھورن کی وجہ سے سکندر مرزا
کو اہمیت حاصل ہوگئی۔

کمزور بُنیاد

قائدِ اعظم نے تو شیروانی اور شلوار پہن لی۔ جہاں جاتے تھے GOD SAVE THE KING
کی دُھنیں بجتی تھیں، وزراء اور سیکرٹری یورپ کے درباری لباس یعنی ٹیل کوٹ، ٹاپ ہیٹ وغیرہ میں
ملبوس ہوتے تھے۔ فوجی منکی جیکٹ اور بلیو پٹروں میں ملبوس ہوتے تھے۔ کلبوں میں ڈنر جیکٹوں کے بغیر داخلہ
مشکل تھا۔ اب اسلام کہاں سے آتا۔ یہاں تو انگریز کی نقالی کے مقابلے ہوتے تھے۔ انگریزی تہذیب
کے گُن گائے جاتے تھے۔ ہر آدمی اپنے آپ کو انگریز کا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ مُلک کی پوجا شروع
کردی گئی۔ ہڑپہ اور مہاجنداروں کے گُن گائے جانے لگے۔ مغل یا یوپی کی مُردہ تہذیب کو بھی اپنانے
کی کوشش کی۔ قائدِ اعظم کا ملٹری سیکرٹری قائد سے وہ کچھ کرانا چاہتا تھا جو کچھ ویول اور ماؤنٹ بیٹن

کرتے تھے۔

بھارت والے ہماری نسبت بہتر تھے۔ اُن کے لیڈروں نے اپنے آپ کو پُرانی ہندوانہ تہذیب میں رنگ لیا تھا۔ سردار پٹیل کا آزادی سے پہلے وزارتِ داخلہ پر قبضہ ہو گیا تھا۔ اُس کو معلوم ہو گیا تھا کہ کون کیسا ہے۔ اور اس کی واقفیت کی حد یہ تھی کہ طلوعِ اسلام والے غلام احمد پرویز نے جب آزادی کے بعد بھارت میں رہنے کو ترجیح دی تو پٹیل نے اُس کو بُلا کر کہا کہ "سُنو! تم انگریز کے آدمی ہو۔ بہتر ہے پاکستان چلے جاؤ۔ ورنہ میں تم کو اپنی وزارت میں نہیں رکھ سکتا" ہلال کے سابق ایڈیٹر اکرام قمر کے بقول، پٹیل کی یہی نصیحت غلام پرویز کو پاکستان لے آئی اور یہاں آ کر اُس نے اسلام میں ایک "جدت" پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سب کچھ مغربی لابی کی شہہ پر کرتا تھا۔ بے شک میرے سامنے ایوب خان نے ۱۹۶۸ء میں پرویز کو فوج کا دینی مشیر بنانے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا لیکن راقم اور اُس کے کئی عظیم رفقاء کی کوششوں کی وجہ سے ایوب خان کو کامیابی نہ ہوئی۔ جس کی تفصیل لکھنے سے کتاب ضخیم ہو جائے گی۔

ادھر ہماری یہ حالت تھی کہ سول خفیہ سروس، انگریز لابی کے جی احمد نے بنائی اور دفاع کی خفیہ سروس جنرل کاتھورن نے۔ اس کا پہلا سربراہ انگریزوں کے دوست بریگیڈیئر شاہد حامد کو بنایا گیا۔ بعد میں جنرل ملک شیر بہادر اور بریگیڈیئر محمد حیات کی کوششوں سے یہ سروس کچھ بہتر ہو گئی لیکن اصل خامی پھر بھی دُور نہ ہو سکی۔

بہرحال یہ لمبی کہانی ہے۔ قائدِاعظم کو شاید ہر طرف سے مایوسی ہو رہی تھی کہ مغربی لابی پاکستان کے معاملات پر اس طرح چھا چکی تھی کہ یہ مُلک برطانیہ کی ایک ریاست نظر آتا تھا۔ یہ ہیں تاشقند کے اصلی راز۔

نظریاتی رُخ

علامہ اقبال ہمیں پہلے ہی متنبہ کر گئے تھے کہ فرنگ سے بچو۔ اور کہا

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ

سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

لیکن بدقسمتی سے ہم نے مکہ و مدینہ کی بجائے اپنا رُخ لندن اور واشنگٹن کی طرف کر دیا

گورنمنٹ کے طور طریقوں، عدلیہ، فوجی حکمتِ عملی، مدنیت، معاشرت، مالیات یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل طور پر مغرب کی نقالی تھی۔ تعلیم لارڈ میکالے کے فارمولے کے تحت دی جارہی تھی۔ ہاں اتنی تبدیلی کر دی گئی کہ لارڈ میکالے پر پردہ ڈال کر اُس کی جگہ سر سید احمد کو کر دیا گیا۔ اب سر سیّد اور غلام کذاب قادیانی دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ راقم بہت جلد ایک اور کتاب کی اشاعت کا بندوبست کرے گا جس میں ثابت کرے گا کہ دونوں کو ہدایات ایک جگہ سے ملتی تھیں۔

فی الحال ہم اس بحث میں نہیں پڑیں گے کہ سر سیّد کے کہنے پر ہم نے جو مغربی تعلیم شروع کی اُس سے کتنا فائدہ ہُوا اور کتنا نقصان۔ میرا خیال ہے کہ فائدہ بھی ہوا اور نقصان بھی۔ فائدہ یہ ہوا کہ ہم انگریزوں اور ہندوؤں کو بہتر طور پر سمجھنے لگ گئے۔ اور نقصان یہ کہ ہم مغربی تہذیب میں رنگے گئے۔ جس سے اب چھٹکارا حاصل نہیں ہو رہا۔ ہمارا نظریاتی رُخ تبدیل ہوگیا ہے۔ اور یہ جو ہم نے سر سیّد کو پاکستان کے بانیوں میں سے بنا دیا ہے اور اس کی پُوجا ہو رہی ہے۔ اس کے نام پر جا بجا سکول اور کالج قائم کئے جا رہے ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا (اقبال)

بے شک علی گڑھ کے تعلیم یافتہ لوگوں نے تحریکِ پاکستان میں نمایاں کام کیا لیکن تحریکِ پاکستان کا سارا سہرا اُن کے سر نہیں باندھنا چاہیئے۔ مسلم لیگ میں علی گڑھ یا مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد پانچ فیصد کے برابر ہوگی۔ باقی ۹۵ فیصد لوگ جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں کام کیا وہ اُن کے گھروں کے اسلامی ماحول اور مولویوں کی تبلیغ کی وجہ سے تھا۔

یہ ہیں وہ تاریخی عوامل جن کے ساتھ ہم آزادی کے وقت دوچار ہوئے لیکن افسوس کہ قوم ان باتوں کا جائزہ نہ لے سکی اور اپنے لئے آج تک نشانِ راہ تلاش نہ کر سکی کہ اُس وقت کی کوتاہیوں سے کون کون سا سبق لیں۔

فوجی افسر

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے فوجی افسروں پر سرسری نظر ڈالنا ضروری ہوگیا ہے۔

افواجِ پاکستان، پاکستان بننے کے ساتھ ہی پہلے جنرل گریسی کی وجہ سے اور بعد میں ایوب خان اور

سکندر مرزا کی وجہ سے ملک کی سیاست کے ساتھ وابستہ ہو گئیں اور زیادہ عرصہ حکومت بھی ان کے ہاتھ رہی۔ آگے چل کر کتاب میں کئی جگہوں پر کئی فوجی حضرات کا ذکر آئے گا۔ اس لئے ایک سرسری تبصرہ ضروری ہے کہ کون کیا تھا اور اُس نے کیا کیا۔ الگ تین ابواب میں کشمیر کی جنگ، ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگوں کا ذکر بھی ہے جس میں کئی فوجی زیرِ بحث آئیں گے۔ اس لئے اُن کا تعارف ضروری ہے۔

پاکستان کی برّی فوج کے حصّے میں تقریباً دو ہزار افسر آئے۔ ان افسران کو تین علیحدہ گروہوں میں بانٹا جا رہا ہے۔ اول کنگ کمیشنڈ افسر جن کو ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۹۳۴ء تک کمیشن ملتا رہا اُن کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ دوم انڈین ریگولر کمیشنڈ افسر جن کو ملٹری اکیڈمی ڈیرہ دون سے ۱۹۳۴ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک کمیشن ملا۔ ان کی تعداد سو یا ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔ باقی تمام ایمرجنسی کمیشن افسر تھے جن کو دوسری جنگِ عظیم کے دوران یا ۱۹۴۶ء تک کمیشن ملتا رہا۔ ان میں سے کچھ کو ریگولر کمیشن بھی مل چکا تھا اور پاکستان بننے کے بعد اکثر یعنی چند ایک کو چھوڑ کر سب کو ریگولر یا مستقل کمیشن مل گیا۔

کنگ کمیشنڈ افسر

ان افسروں میں سب سے سینئر میجر جنرل محمد اکبر خان تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ انہوں نے ریکروٹ کے نام سے کئی کتابیں لکھیں۔ خاص کر تاریخِ اسلام پر۔ گو یہ کتابیں اتنی اعلیٰ پایہ کی نہیں لیکن اُن کی کوشش کو داد دینی چاہیئے کہ کم تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے بھی اپنی کوششوں سے اس عہدہ پر پہنچے اور اتنا کچھ لکھا۔ بھلے آدمی تھے۔ قائد نے ان کو آزادی والے دن میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی دے دی۔ اور اپنے نزدیک کراچی رکھا۔ اگر قائد زندہ رہتے تو شاید انہی کو پہلا کمانڈر انچیف بناتے۔ انہوں نے بلوچستان اور قلات کے علاقے میں اچھے کام کئے۔ اگر وہ فوج کے سربراہ بن جاتے تو فوج کا کچھ نہ کچھ رُخ اسلام کی طرف ضرور کر دیتے۔ البتہ اِن کے متعدد بھائی جنرل افتخار، جنرل انور، بریگیڈیئر افضل، بریگیڈیئر ظفر اور بریگیڈیئر یوسف اُس زمانے میں فوج میں کرنل اور بریگیڈیئر تھے اور لوگ پسند نہ کرتے تھے کہ ایک خاندان کے اِتنے لوگ فوج پر چھائے رہیں۔

بریگیڈیئر اور کرنل

کنگ کمیشنڈ افسروں میں متعدد افسر صرف کرنل یا بریگیڈیئر کے عہدہ تک پہنچ سکے۔ اُن میں زیادہ تر

ریمائونٹ میں چلے گئے تھے اور باقیوں نے بھی اپنے پیشہ میں دلچسپی نہ لی - ان میں بریگیڈیئر حنیف، کرنل گل شیر نون، کرنل محمد علی، بریگیڈیئر کلو، بریگیڈیئر ادریس، بریگیڈیئر خالد جان، بریگیڈیئر عطا بریگیڈیئر مسعود اور بریگیڈیئر احمد جان وغیرہ شامل ہیں - پیشہ ورانہ لحاظ سے ان کا کوئی مقام نہیں اور نہ ہی انہوں نے ویسے کوئی شہرت حاصل کی - ان ہی میں آسام کا ایک بریگیڈیئر مجید بھی شامل تھا جو کافی سنیئر تھا اور مشرقی پاکستانی ہونے کی وجہ سے پاکستان بن جانے کے بعد اُس کو کرنل اور بریگیڈیئر وغیرہ بنا دیا گیا بلکہ ۱۹۵۳ء میں میجر جنرل کا عہدہ بھی سفارشی طور پر دے دیا گیا - لیکن وہ بالکل نا اہل ثابت ہؤا - اور اُس کی عجیب وغریب حرکتوں کی وجہ سے اُس کو جلد ہی فوج سے نکالنا پڑا - آگے ہم صرف اُن افسروں کا ذکر کریں گے جو میجر جنرل یا اس کے اُوپر تک عہدوں پر پہنچے -

رضا، ایوب اور ناصر علی

اکبر خان کے بعد ۱۹۲۷ء کا کمیشنڈ یافتہ نوابزادہ رضا اور ۱۹۲۸ء کے ایوب خان اور ناصر علی آتے ہیں - ان تینوں کے آزادی سے پہلے بریگیڈیئر کے نمبر کاٹ دیئے گئے - اِن سے جونیئر نذیر قادیانی اور چند ہندو، آزادی سے پہلے بریگیڈیئر بن چکے تھے - لیکن پاکستان کی آمد نے ان کی قسمت کھول دی -

نوابزادہ رضا کو اپریل ۱۹۴۷ء میں بریگیڈیئر بنا دیا گیا - ان کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے - انہوں نے بٹوارے کے وقت پاکستانی فوج کے لئے اچھا کام کیا - جنرل ہیڈکوارٹرز میں پہلے پاکستانی ایڈجوٹنٹ جنرل بنے - اس کے بعد سفارتی عہدوں پر کام کیا - فوج کے جونیئر طبقہ خاص کر سرداروں اور جوانوں کے لئے ناپسندیدہ شخصیّت تھے کہ کچھ زیادہ ہی صاحب بہادر رہتے -

اس کے بعد ایوب خان آتے ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے کہ خوبصورت جوان ضرور تھے لیکن دوسری جنگ عظیم میں اُن کو کرنیلی کے لئے بھی موزوں نہ سمجھا گیا - ۱۹۴۴ء میں ان کو برما کے محاذ سے اُن کے ڈویژن کمانڈر جنرل ریس نے پلٹن کی کمانڈ کے لئے موزوں نہ سمجھا تھا - دہلی میں البتہ ملٹری سیکرٹری اور جنرل آکنلیک کو اُن پر کچھ ترس آ گیا - ان کو دوسرے درجہ کی ایک پلٹن کی کمانڈ مل گئی - بٹوارے کے وقت قائداعظم اُن پر کچھ مہربان ہوئے اور اُن کو باؤنڈری فوج پر تعینات کرایا، جس کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہاں بھی وہ ناکام رہے ہے - پاکستان بن جانے کے بعد ایوب خان کو راقم نے

بہت نزدیک سے دیکھا۔ وہ درمیانی عقل کی مالک تھے۔ اس لئے اچھے اور بُرے دونوں راستوں پر لگ جاتے تھے۔ انہوں نے زندگی کے بڑے اُتار چڑھاؤ بھی دیکھے اور اللہ تعالےٰ نے اُن کو ایسے مواقع اور مقامات بھی عطا کئے کہ وہ اس ملک کی قسمت بھی بدل سکتے تھے لیکن ان کے ہاتھوں جتنے نقصانات ہوئے کسی اور آدمی سے نہیں ہوئے۔ یاد رکھیں کہ بھٹو اور یحییٰ بھی ایوب کی پیداوار اور پروردہ تھے۔

ایوب خاں کے ساتھ جو دوسرے صاحب ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۷ء تک پاکستانی فوج کی قسمت کا فیصلہ کرتا رہے وہ ناصر علی تھے۔ وہ ایوب سے بھی گئے گزرے تھے۔ شاید کسی کمپنی کی چنددن عارضی کمانڈ کی ہو ورنہ کسی پلٹن کی کبھی کمانڈ نہ کی۔ پاکستان بنا تو کرنل تھے اور یہاں آکر فوج کے ملٹری سیکرٹری بن گئے اور بریگیڈئر بھی۔ پھر کوارٹر ماسٹر جنرل اور آخر میں چیف آف سٹاف۔ سب ترقیاں سکندر مرزا کی وجہ سے ہوئیں۔ ورنہ نہ بریگیڈ کی کمانڈ کی اور نہ ڈویژن کی۔ جنرل افتخار کے حادثہ میں ہلاک ہو جانے کے بعد امپیریل ڈیفنس کالج میں کورس پر بھیج دیئے گئے اور واپس آتے تو لیفٹیننٹ جنرل بن گئے۔ سوائے کاغذوں پر دستخطوں کے یا اپنے "حواریوں" کو اچھی جگہ تعینات کرانے کے ان صاحب نے کوئی کام نہ کیا اور کرتے بھی کیا۔

نذیر قادیانی

یہ صاحب پیشہ ور سپاہی تھے اور اپنے سے سینئر ایوب سے بہت پہلے متحدہ ہندوستان میں بریگیڈئر بن چکے تھے۔ جنگ بھی دیکھی اور پلٹن و بریگیڈ کی کمانڈ بھی کی۔ اگر قادیانی نہ ہوتے تو بری فوج کی سربراہی کے لئے موزوں ترین آدمی تھے۔ دوستوں کے دوست اور با اخلاق تھے۔ ظفراللہ کے ہم زلف تھے۔ قادیانی ہونے کی وجہ سے ہر قادیانی کی بھرپور مدد کی۔ حتیٰ کہ راولپنڈی کی سازش والی تحریک میں بھی شریک تھے کہ اگر وہ لوگ کامیاب ہو جاتے تو وہاں بھی قادیانیوں کی "نمائندگی" کی ضرورت تھی۔ البتہ صرف کورٹ کے برخاست ہونے تک سزائے قید ہوئی اور قادیانیوں کے "زور" کی وجہ سے سول میں بحال کر دیئے گئے۔

یوسف اور افتخار

اس کے بعد یوسف اور افتخار آتے ہیں جو رسالے کے افسر تھے اور گھڑسوار تھے۔ دونوں

"تقریباتی" لحاظ سے بڑے موزوں تھے اور دوسری جنگ عظیم میں لڑائی کا کوئی تجربہ حاصل نہ کیا اور
۱۹۴۷ء کے پہلے مہینہ تک میجر کے عہدہ پر تعین رہے جب ان سے کئی جونیئر یعنی حیاء الدین، شیر خان
اور شیر علی وغیرہ جن کا ذکر بعد میں آتا ہے وہ جنگ کے دوران کرنل بن گئے۔ افتخار یوسف سے
جونیئر تھا لیکن اُس کو یوسف پر ترجیح دے کر جلدی عہدے دیئے گئے۔ وہ ڈیڑھ سال میں
میجر سے میجر جنرل کے عہدے تک پہنچ گئے۔ یوسف کو ایسا کرنے کے لئے پونے دو سال لگ گئے
بہرحال دونوں فوجی پیشہ ورانہ لحاظ سے ناتجربہ کار تھے۔ افتخار دسمبر ۱۹۴۹ء میں ایک حادثہ
ہلاک ہو گئے جس کا آگے ذکر آئے گا اور اُس کی کارکردگی کا بیان بھی۔ یوسف پولو اور دیگر
تقریبات کی وجہ سے ۱۹۵۵ء تک فوج کے ایک "ہردلعزیز" جنرل بنے رہے۔ پھر ایوب خان
نے اُن کو چلتا کیا کہ وہ اُن کی جگہ نہ لے لے۔ بعد میں وہ سفارتی عہدوں پر فائز رہے۔

جمالدار

اب جمالدار آتے ہیں جو جنرل ضیاء الحق کی حکومت میں وزیر رہ چکے ہیں۔ اُن کا حال ہی میں
انتقال ہوا ہے۔ وہ بیچ میں چلنے والے تھے۔ پہلے پلٹن میں تھے پھر سروس کور میں چلے گئے
اور پاکستان بننے کے بعد بریگیڈئر بنے۔ کچھ عرصہ بعد کوارٹر ماسٹر جنرل بن گئے۔

اعظم خان

اس ترتیب میں اگلے اعظم خان ہیں جو شریف آدمی ہیں لیکن پیشہ ورانہ لحاظ سے کافی کورے
تھے۔ پاکستان بننے کے بعد جلد ہی پہلے کرنل اور پھر بریگیڈئر بن گئے۔ کشمیر میں ۱۹۴۸ء میں راجوری اور
مینڈھیر کے بڑے علاقوں میں جو بھارتیوں نے قبضہ کر لیا، اُس کی ذمہ داری کافی حد تک اعظم خان کے
سر تھوپی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو جنرل بنانے کا نمبر کاٹ دیا گیا تھا لیکن افتخار اور شیر خان کی حادثہ
میں ہلاکت نے ان کی قسمت کھول دی اور جنرل بن گئے۔ پھر لاہور کے مارس تشدد اور سوشل کارروائیوں
نے ان کا مقام اُونچا کر دیا۔ ایوب خان کی حکومت میں وزیر اور گورنری کے عہدوں پر فائز رہے
بڑے پُر امید انسان ہیں اور لا تقنطوا من رحمتہ اللہ کے اصول کے تحت کامیاب رہے۔

حیاء الدین اور شیخ

اس کے بعد میاں حیاء الدین قادیانی اور خالد مسعود شیخ آتے ہیں۔ دونوں پیشہ ورانہ لحاظ

سے قابل افسر تھے اور کچھ اصول بھی رکھتے تھے ۔ برہما میں دورانِ جنگ پلٹنوں کی کمانڈ کی ۔ حیاء الدین
خاندانی طور پر مسلم لیگی تھا اور راقم کے ساتھ اس وجہ سے افغان کے گھیرے کے بعد سے ہمیشہ بڑے
دوستانہ تعلقات رہے ۔ شیخ ، ایوب کے عہد میں وزیر اور سفیر رہے ۔ البتہ حیاء الدین نے ظفر اللہ
کے کہنے پر پونچھ کی محدود فائر بندی کے وقت کشمیر کی جنگ میں بڑا نقصان کرا دیا ۔ یا تو وہ بھارتی
سازش کو سمجھ نہ سکا یا پھر اُس نے میدانِ جنگ کو بھی پریڈ گراؤنڈ سمجھ لیا ۔

شیر خان

اب شیر خان آتے ہیں جن کے جرنیل بننے کے احکام جاری ہو چکے تھے ۔ اقوامِ متحدہ
میں کشمیر کے سلسلہ میں جاتے ہوئے کراچی کے نزدیک ایک ہوائی جہاز کے حادثہ میں ، ہلاک
ہو گئے ۔ آپ ہی کشمیر کے محاذ پر جنرل طارق کے نام سے موسوم تھے ۔ بڑے نیک اور مذہبی آدمی
تھے ۔ جہاد کشمیر کے سلسلہ میں اہم کام کیا ۔ پیشہ ورانہ لحاظ سے بھی اُونچے درجہ کے افسر تھے ۔
اپنی شرافت کی وجہ سے انگریز اور مغربی لابی کی اس سازش کو نہ سمجھ سکے کہ سیالکوٹ ، جموّں
محاذ پر کارروائی سے کتنے فائدے ہو سکتے تھے ۔

آدم خان

آدم خان بس گزارہ ہی تھے ۔ ان کے کافی نمبر کاٹ دیئے گئے اور بمشکل کرنل بنے ۔
بہر حال پاکستان کے پہلے نشانِ حیدر سرور شہید کی ان کے ماتحت بہادری اور پھر ان کی قادیانی
بیوی کی کوششوں نے ان کو بھی کرنیلی کے چند ماہ بعد میجر جنرل بنا دیا ۔ ان کا لہجہ سخت کلامی
تھا ۔ ہر اچھے اور قابل افسر کے پیچھے پڑ جاتے تھے تاکہ اپنی خامیوں کو چھپا سکیں ۔

شیر علی

اس سارے گروہ میں ایوب خان کے بعد اہم ترین شخص نوابزادہ شیر علی تھے ۔ جن کو
۱۹۳۳ء میں کمیشن ملا ۔ پہلے رسالہ میں تھے اور دوسری جنگِ عظیم میں مشرقِ وسطیٰ میں حصّہ لیا
جہاں اپنے کرنل کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تو برہما جاؤ کی ایک پلٹن میں آ گئے ۔ جہاں راقم کے ساتھ ۴۴ ۱۹ء
میں اُن کی ملاقات ہوئی ۔ اُس کے بعد یہ تعلق قائم رہا ۔ بڑے جھگڑے بھی ہوئے ۔ نوابزادہ صاحب
اس زمانے میں متحدہ ہندوستان کے حامی تھے ۔ بعد میں نواب بھوپال کے مشورہ کے طور پر جب پاکستان آئے تو

اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور راقم سے جھگڑوں کا بھی ذکر کیا۔ آپ مجھ سے بہت سینئر تھے لیکن مجھے ہمیشہ بڑی عزت دی۔ پیشہ ورانہ اور مذہبی لحاظ سے بھی سب سے بلند تھے۔ ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اگر ایوب خان اپنی میعاد پوری کر کے فوج کی سربراہی سے ریٹائر ہو جاتا تو شیر علی اس عہدہ کے لئے موزوں ترین تھے۔ ہماری بدقسمتی کہ ایوب خاں نے محمد موسےٰ کو ترجیح دی۔ دورانِ ملازمت شیر علی اپنے ساتھیوں کو کہا کرتے تھے کہ ہمارا سیدھے راستے پر آجاؤ۔ ورنہ تاریخ ہمیں معاف نہ کرے گی اور لوگ ہمارے مُردوں کو قبروں سے نکال کر باہر پھینک دیں گے۔ اُس زمانے میں فرعونیت کی یہ حالت تھی کہ کوئی یہ بات سُننے کو تیار نہ تھا لیکن اب شاید وہ وقت آگیا ہے۔

اکبر خان

اس کے بعد راولپنڈی سازش کے مقدمہ والے اکبر خاں آتے ہیں۔ پیشہ ورانہ لحاظ، فوجی فراست اور جنگ کی نبض شناسی میں یہ صاحب پاکستان میں پہلے نمبر پر آتے ہیں۔ کشمیر کے سلسلہ میں بھارتی یلغار کو روکنے، بعد میں پانڈو کے مقام پر بھارتیوں کو شکست دینے میں اُن کا نام ہماری تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ حکمتِ عملی کو بھی سمجھتے تھے۔ سب غلطیوں کے بعد بھی حکومت سے گزارش کی کہ اُس کو جموں کی طرف رضا کاروں کا ایک محاذ کھولنے دیا جائے تو کشمیر ہماری جھولی میں گر سکتا ہے۔ افسوس اس کی بات نہ مانی گئی۔ پھر وہ اپنی ماڈرن قسم کی بیگم نسیم اور ترقی پسند ادیبوں کی وجہ سے صحیح راستہ سے ہٹ گیا۔ بھٹو کے دَور میں وزیر بھی رہا۔ ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اگر یہ صاحب اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے اور اُن کو موقع بھی مل جاتا، تو اِس برِصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔

لطیف اور شاہد حامد

اس گروہ کے آخری آدمی جنرل لطیف اور جنرل شاہد حامد ہیں۔ لطیف بھی متحدہ ہندوستان کے حامی تھے لیکن نواب بھوپال کے مشورہ کی وجہ سے پاکستان آگئے۔ گو "کالے انگریز" کے نام سے موسوم تھے لیکن اچھے کام کئے۔ پیشہ ورانہ لحاظ سے بھی ٹھیک تھے۔ شاہد حامد، جنرل ضیاء الحق کی حکومت میں وزیر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ بھی جنرل افتخار اور جنرل یوسف کی طرح رسالہ کے افسر

تھے۔ آزادی کے وقت آکنلیک کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ اس عہدہ پہ آپ پہلے دیسی افسر تھے، اور خاموشی کے ساتھ مسلمان افسروں کی مدد کرتے رہتے تھے۔ اسی لئے جب ہم دونوں آکنلیک کے سٹاف میں تھے۔ تو یہ صاحب پاکستان کے حق میں میری علی الاعلان باتوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ بہرحال اب میرے گہرے دوست ہیں۔ اور انہوں نے بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔

خلاصہ: اگلے گروہ کے ذکر سے پہلے یہاں یہ باور کرانا ضروری ہے کہ ہماری فوج کے ان کرتا دھرتاؤں میں نذیر، شیخ، حیاءالدین، شیر خان، شیر علی، اکبر اور لطیف کو چھوڑ کر سب کے سب کسی اعلیٰ پیشہ ورانہ صلاحیت کے مالک نہ تھے۔ اور مذہب کے لحاظ سے بھی شیر خان اور شیر علی کو چھوڑ کر باقی کسی کو کوئی لگاؤ نہ تھا۔ لیکن آپس میں چپقلش حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایوب کے سربراہ بننے کا قصہ تو چوتھے باب میں موجود ہے۔ لیکن ایوب کی "جانشینی" کے سلسلہ میں ان افسروں کے درمیان بڑے معرکے چلتے تھے۔ یوسف اپنی سستی ہردلعزیزی کی وجہ سے اپنے آپ کو ایوب کا جانشین سمجھتا تھا اور یہ بات ناصر علی کو سخت ناپسند تھی کہ وہ سینئر تھا لیکن لوگ دونوں کو نااہل سمجھتے تھے اور ان کے لحاظ سے حیاءالدین اور شیر علی میں مقابلہ تھا چنانچہ یہ دونوں ایک دوسرے کے سخت خلاف ہو گئے۔ حیاءالدین اور یوسف ایک ہو گئے تو ناصر علی کو حیاءالدین کے ساتھ بھی نفرت ہو گئی اور اس نفرت کی وجہ سے جی ایچ کیو میں کئی کام بڑے بھونڈے طریقہ پر ہوتے رہتے تھے۔

شیر علی نے البتہ یوسف اور ناصر علی دونوں کے ساتھ تعلقات برقرار رکھے لیکن یوسف کو ناصر علی کے ساتھ اتنی نفرت تھی کہ بریگیڈیئر حبیب اللہ نے جو پٹھان تھا اور ایوب و ناصر علی دونوں سے بنا کر رکھتا تھا، اس کو یوسف نے کبھی معاف نہ کیا۔ لیکن ان سب میں سے کسی کو کچھ بھی نہ ملا اور سربراہی کا کلاہ سکندر مرزا کی سازش اور ایوب خان کی خودغرضی کی وجہ سے محمد موسیٰ کو پہنایا گیا۔ اس شخص نے پاکستان کا جتنا نقصان کیا اس کا ذکر جگہ بجگہ کتاب میں موجود ہے۔

کنگ کمیشنڈ افسروں میں سے ایک جنرل شیخ محمد افضل بھی تھے جو گمنامی سے اچانک نکل کر پاکستان بننے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد میجر سے میجر جنرل بن گئے اور چند دن ڈویژن کی کمانڈ

کر کے کوارٹر ماسٹر جنرل کے طور پر ریٹائر ہوئے اور پھر گمنامی میں چلے گئے۔

انڈین کمیشنڈ افسر

اب زیادہ تعداد والے انڈین کمیشنڈ افسر آتے ہیں جو اوسط کے طور پر پیشہ ورانہ لحاظ سے کنگ کمیشنڈ افسروں سے بہتر ثابت ہوئے ان میں جنرل موسےٰ، بریگیڈیئر گلزار احمد، جنرل امراؤ، جنرل حبیب اللہ، جنرل حاجی افتخار احمد، جنرل حق نواز، جنرل بختیار رانا، جنرل شوکت علی شاہ، جنرل ملک شیر بہادر، جنرل سید غواص، جنرل سرفراز، جنرل وصال، جنرل یحییٰ، جنرل حمید جنرل عتیق الرحمٰن، جنرل ٹکا خان، جنرل فضل مقیم، جنرل صاحبزادہ یعقوب، جنرل ابرار، اور جنرل اختر ملک وغیرہ شامل ہیں۔ متعدد بریگیڈیئر مظفر، حیات، گل نواز، عباس بیگ، صدیق اللہ، آفندی، رب نواز اور سردار علی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ہم ان میں ہر ایک پر الگ سوائے چند کے کچھ نہیں لکھ سکے اور کتاب میں آگے چل کر اکثر کا ذکر آئے گا۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ان ہی میں سے اکثر لوگ ڈویژن کمانڈر تھے۔ بریگیڈیئر گلزار احمد جنرل حق نواز اور جنرل فضل مقیم کے سوا ان صاحبان میں سے کوئی بھی مذہب کی طرف مائل نہ تھا اور اکثر فوج میں سپاہی یا اُمیدوار بھرتی ہوئے تھے۔ ان میں سے ملک اور فوج کا زیادہ نقصان جنرل موسےٰ نے کرایا جو اپنی محنت سے افسر تو بن گئے لیکن پھر زیادہ عرصہ انگریزوں کی خفیہ سروس کے ساتھ وابستہ رہے اور پاکستان بننے کے بعد بھی کوئی خاص کام نہ کیا۔ شاید مغربی لابی کی مدد اور سکندر مرزا کی کوششوں سے اتنی بلندی پر پہنچے۔

جنرل بختیار رانا نے ایک دفعہ مذاقاً کہا کہ اگر محمد موسےٰ فوج کا سربراہ ہو سکتا ہے تو یہ تاج اُن کے سر پر بھی رکھا جا سکتا ہے۔ بہر حال اس گروہ میں بہتر آدمی بریگیڈیئر گلزار احمد تھے۔ وہ چونکہ اسلام کی طرف مائل تھے، اُن کو میجر جنرل بھی نہ بنایا گیا۔ جنرل حبیب اللہ میں بھی کافی صلاحیتیں تھیں۔ اگر ستمبر ۶۵ء میں جنرل موسےٰ کی جگہ وہ فوج کے سربراہ ہوتے تو حبیب اللہ اور نور خان مل کر دہلی سے ادھر نہ رُکتے۔ ان لوگوں میں جنرل ملک شیر بہادر بھی مخلص اور نیک انسان تھے لیکن اُوپر والوں نے ترجیح یحییٰ اور حمید کو دی جو شرابی اور زانی تھے۔ انہوں نے پاکستان کو بہت نقصان پہنچایا۔ اِن کو سرفراز

اور رانا پر بھی ترجیح دی گئی جنہوں نے کشمیر میں اچھا کام کیا تھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ان دو گروہوں کے بہت کم آدمیوں نے کشمیر کی جنگ میں حصّہ لیا اور سہرا اُن لوگوں کے سر باندھا جاتا رہا جو کشمیر میں داخل بھی نہ ہوئے یعنی ایوب خان، محمد موسےٰ، یحییٰ، اور عبدالحمید برکی وغیرہ۔ کشمیر کی جنگ میں حصّہ لینے والوں کو اپنے "مقام" پر رکھا جا رہا تھا۔

تیسرا گروہ

تیسرا گروہ ایمرجنسی کمیشنڈ افسروں کا تھا جن میں سے زیادہ تر لوگ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں کرنل یا بریگیڈیئر تھے اور آگے میجر جنرل کے عہدہ پر زیادہ ترقی اُن لوگوں کو ملی جو ستمبر ۶۵ء کی جنگ سے "بچ" گئے یعنی میدانِ جنگ سے دُور تھے ورنہ میدانِ جنگ میں بناوٹی رپورٹوں پر ہلالِ جرأت لینے والوں میں امجد چودھری، قیوم شیر اور ظفر کو میجر جنرل بھی نہ بنایا گیا۔ ان لوگوں میں جنرل اظہر، جنرل ریاض، جنرل ارشاد، جنرل پیرزادہ، جنرل مٹھا، جنرل رحمٰن، جنرل گل حسن جنرل نیازی، جنرل شیر بہادر پٹھان، جنرل مصطفےٰ، جنرل عبدالعلی ملک، جنرل مجید ملک، جنرل فرمان جنرل رحیم، جنرل شریف، جنرل حمید بھوپالی اور متعدد سینئر افسر شامل ہیں۔

ہم ان کی تفصیل میں بھی نہیں جانا چاہتے سوائے اس کے کہ ان میں سے زیادہ لوگ دسمبر ۷۱ء کی جنگ میں ڈویژن کمانڈر یا اُوپر والے عہدوں پر تھے۔ اور کچھ کا آگے کتاب میں ذکر موجود ہے۔ پاکستان نے ان لوگوں کو اتنا بلند مقام عطا کیا ورنہ ان میں سے جنرل ارشاد اور جنرل پیرزادہ قسم کے لوگوں کو انگریز کسی پلٹن میں تعینّ کرنے پر بھی تیار نہ تھے اور اِن کو پاونیر کو ر یعنی مزدوروں کی یونٹوں میں لگایا گیا۔ بہرحال اُوپر والوں کی نقالّی میں ان میں سے بھی اکثر لوگ مذہب سے دُور ہی رہتے تھے۔ کچھ مثلاً شیریں دل نیازی، نواز ملک اور احسان الحق وغیرہ پرویز سے متاثر ہو گئے جس کا ذکر ہو چکا ہے کہ انگریزوں کا آدمی تھا۔

قارئین! سیاستدانوں، سویلین افسروں اور فوجی افسروں پر سرسری تبصرہ ہو چکا ہے۔ بحری فوج کا ذکر نہیں کیا کہ وہ لوگ سیاست میں ملوّث نہ ہوئے۔ فضائی فوج میں اصغر خان بہت جونیئر تھا اور پہلے برّی فوج میں صاحبزادہ یعقوب کے کورس کے ساتھ کمیشن حاصل کیا۔ نور خان اُن سے بھی جونیئر تھا۔ دونوں بہادر آدمی ہیں لیکن مذہب سے اتنے ہی دُور جتنے

دوسرے فوجی ۔

اب قارئین خود اندازہ لگائیں کہ اسلام کون نافذ کرتا ۔ یہ سب لوگ جن کو وقت نے بڑا بنا دیا ، ان کی تقریریں ایسے ادیب اور دانشور لکھتے تھے جو خود اسلام سے دُور تھے اور اسلامی فلسفۂ حیات کو نہ سمجھتے تھے ۔ایسے ہی کسی دانشور نے قائدِاعظم کے کان میں یہ الفاظ ڈال دیئے کہ آج ہم سب پاکستانی ہو گئے ہیں ۔ مذہب کی تفریق ختم ہو گئی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرنگی مدنیت اور بے دین دانشوروں کی سازش کے تحت ایسا کیا گیا کہ اس کے بعد وطن کی پُوجا شروع ہو گئی ۔

پاکستان میں رہ جانے والے انگریز افسروں کو کہیں سے ایسی ہدایات ملتی تھیں کہ اُنہوں نے بھی اللہ اور رسولؐ کی بجائے ہمیں وطنیت کی پُوجا کی راہ پر لگا دیا ۔ ہمیں ایک یونٹ میں مدعو کیا گیا جس کا کمانڈر انگریز تھا ۔ وہاں ایک ڈرامہ شو تھا جس کے خاتمہ پر اُس انگریز نے اعلان کیا کہ اب آپ کے سامنے قائدِاعظم کی تصویر رکھی جائے گی اور ہم ان کی عزت افزائی کے لئے ایک منٹ خاموش کھڑے رہیں گے ۔ ہم نے اُس انگریز کی وفاداری کی داد دی اور ایک دوسرے کو کہا کہ یہ انگریز کتنی جلدی اپنے آپ کو حالات کے مطابق تبدیل کر دیتا ہے ۔ لیکن ہم یہ نہ سمجھے کہ وہ ہمیں قائدِاعظم کی پُوجا کرنا سکھا رہا تھا کہ ہم اللہ اور رسولؐ کی بجائے زیادہ زور قائدِاعظم پر دیں ۔

ہمارے تمام تر دانشور اُس دن سے بے مقصد طور پر قوم پر پاکستانی قومیت ، فرنگی مدنیت ترقی پسندی اور غیروں کے نظریات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں ۔ بعد میں قدرت اللہ شہاب نے ان دانشوروں کی رائٹرز گلڈ بنا کر ان کو سرکاری حفاظت و کفالت بھی عطا کروا دی لیکن آج تک کسی نے یہ نہ سوچا کہ تمام تر لکھائی اور افلاطونی کو اللہ اور رسولؐ کے احکام کے تابع کرنے کی ضرورت ہے جہاں نعمتِ دیدار بھی ہے ۔

علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لئے

لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

(اقبالؒ)

تیسرا باب

جنگِ کشمیر اور ہمارا دفاعی فلسفہ

تمہید

آزادی ملتے ہی اگر ایک طرف مہاجرین کا مسئلہ پیدا ہو گیا، تو دوسری طرف کشمیر میں جنگ شروع ہو گئی۔ قوم نے آج تک ان دونوں اہم مسائل کا صحیح تجزیہ نہیں کیا۔ یہ ہمارے امتحان تھے اگر ہم ان امتحانوں میں پاس ہو جاتے تو اس برِصغیر کی تاریخ آج مختلف ہوتی اور پورے برِصغیر میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللہِ کا ورد ہو رہا ہوتا۔ اس پہلو کو سمجھنے کے لئے قارئین راقم کی کتاب جلالِ مصطفےٰ اور خاص کر اس کے آٹھویں باب سے استفادہ کریں۔ یہ پہلو وہاں بھی نامکمل ہے۔ اس سلسلہ میں راقم نے حضورؐ پاک کے جلال و جمال کے نام سے ایک اور مسودہ تیار کیا ہے جس میں فلسفۂ ہجرت اور حق کے اہلِ حق کو مضبوط دیکھنے کے فلسفہ کی بھرپور وضاحت کی گئی ہے۔ بلکہ یہ واضح کیا ہے کہ قربانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

پاکستان ہم کو ووٹوں سے مل گیا لیکن اللہ کے حبیبؐ نے جو پہلی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی اس میں ہجرت، قربانی اور مسلسل جہاد کی وجہ سے سب کچھ حاصل ہوا۔ اگر ہم چودہ سو سالوں کے بعد حضورؐ پاک کی سُنت کو دُہرا رہے تھے تو ہمیں ان عوامل کے لئے بھی تیار ہونا چاہیئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو سبب پیدا کر دیئے۔ لیکن ہم نے ہجرت کے فلسفہ کو غلط طور پر نبھایا۔ یہاں پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانے کی بجائے دونوں مہاجرین اور انصار کے سامنے دولت کا حصول اصلی مقصد بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قربانی بھی زبردستی لے لی کہ اسلام کے لحاظ سے فلسفہ یہ ہے:

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہُو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی (اقبالؒ)

مُلک تو کچھ قائم رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے کشمیر کے سلسلہ میں جہاد کا ذریعہ بھی پیدا کر دیا۔ وہاں

نہتّے ہوتے ہوئے بڑی کامیابی حاصل ہوئی لیکن افسوس کہ ہم نے وہ راستہ ترک کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح چالیس سال ہم کو ذلّت کی طرح گزارنے ہیں۔ اور یہ ایسے گزر رہے ہیں کہ دُنیا کی ذلیل ترین قومیں ہنود و یہود بھی ہمیں خاطر میں نہیں لاتیں۔ اب ایک صاحبِ نظر کے مطابق جہاد کا راستہ پھر کُھلنے والا ہے۔ خدا کرے ہم اس میں شامل ہو کر سرخرو ہو جائیں، ورنہ وہی ذلّت ہے۔

کتاب کے مقاصد

چنانچہ اس کتاب میں راقم اوّل تو یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ یہ چالیس سال ذلّت کے سال تھے اور جو کچھ ہم نے کیا، اُس میں کسی چیز پر بھی فخر نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں نے اُوپر کے عہدے حاصل کر لئے اُس میں بھی کوئی فخر اور شان کی بات نہیں کہ کسی نے کوئی خاص کام نہ کیا۔ علاوہ کشمیر کے جہاد میں بغیر ہتھیاروں کے صرف جذبۂ جہاد سے ہم ڈیڑھ سال لڑائی لڑتے رہے اور کچھ حاصل بھی کر لیا لیکن اس کے مقابلہ میں ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۷۱ء میں بڑے بڑے ہتھیار ہماری کوئی مدد نہ کر سکے اور ۱۹۷۱ء میں ہم ذلّت سے بھی نہ بچ سکے اور دونوں لڑائیاں صرف چند دن لڑ سکے۔ اب موازنہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں کس چیز کی زیادہ ضرورت ہے یا ترجیح کے طور پر کس پہلو پر زیادہ زور دیں۔ اس لئے ہم کشمیر کی جنگ کا سرسری جائزہ پیش کر رہے ہیں، جس میں ان تلخ حقیقتوں سے پردہ اُٹھائیں گے جو قوم کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ علاوہ کشمیر کی جنگ کے بامقصد مطالعہ کی بھی ضرورت ہے کہ اُس میں اپنے لئے نشانِ راہ تلاش کریں۔

کشمیر کی کہانی

کشمیر اور وہاں جنگ کی کہانی پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ فی الحال دو کتابوں کا ذکر ضروری ہے جو راقم نے دیکھیں۔ ایک راولپنڈی سازش کے مقدمہ والے اکبر خان کی RAIDERS IN KASHMIR اور دوسری آزاد کشمیر کے سابق چیف سیکرٹری مسٹر سہروردی کی "کشمیر کا المیہ" کی کتاب۔ دونوں کتابیں انگریزی میں ہیں۔ چند ایک واقعاتی اور جائزوں کی غلطیاں بھی ہیں۔ ویسے دونوں بڑی اچھی کتابیں ہیں لیکن افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بڑی محنت کے ساتھ کشمیر کی جنگ کی جو سرکاری تاریخ تیار کی گئی اُس کی اشاعت بلاوجہ رُکی پڑی ہے۔

فوج کا تاریخی ادارہ

اول تو بڑی مشکل سے جنرل شیر علی سے کئی گزارشوں کے بعد جنرل ہیڈ کوارٹر میں ایک تاریخی ادارہ کی بنیاد رکھوائی گئی۔ اور اُن کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ کشمیر کی جنگ پر مواد اکٹھا کر کے اُس کو شائع کریں۔ راقم جس عہدہ پہ رہا یا جہاں بھی رہا رضاکارانہ طور پر اس ادارہ کی ہر طرح مدد کرتا رہا۔ شروع میں جو افسر اس ادارے میں آئے اُنہوں نے کوئی اچھا کام نہ کیا۔ ستمبر ۱۹۶۵ کی جنگ کے وقت اللہ کے ایک نیک بندے کرنل ریاض مرحوم وہاں آئے اور اُنہوں نے کشمیر کی جنگ پر ایک کتاب کا مسوّدہ تیار کر لیا۔ راقم بھی جب آخری دفعہ محکمہ تعلقاتِ عامہ کے ساتھ وابستہ ہوًا تو کرنل ریاض مرحوم کی اس سلسلہ میں مدد کی لیکن ۱۹۶۸ء میں بغیر کسی وجہ کے اس کتاب کی اشاعت روک دی گئی۔ جس میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا کہ اشاعت نہ ہو اُس کی صدارت یحیٰی خان کر رہے تھے۔ اس نے اپنے مشیروں کو کچھ کہا بھی کہ اشاعت روکنے کی وجوہات بھاری نہیں تو یحیٰی کو کہا گیا کہ کچھ باتیں اس کو پوشیدگی میں بتائی جائیں گی اور پوشیدہ بات یہ تھی کہ یحیٰی اور اُس کے حواریوں نے جو اشاعت روک رہے تھے کشمیر کی جنگ میں حصّہ نہ لیا تھا۔ سُننے ہیں کہ جب یحیٰی کو پوشیدگی میں یہ بتایا گیا تو وہ بھی بڑا "محظوظ" ہوُا۔

یہ ہے ہمارا قومی کردار۔

مختصر کہانی

راقم کشمیر کی جنگ کی مختصر کہانی ۱۹۷۹ء میں نوائے وقت کے ذریعہ چند قسطوں میں بیان کر چکا ہے اور یہاں صرف چند تلخ حقائق کو اجاگر کیا جا رہا ہے جو قوم کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ البتہ یہ بات تو عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ پونچھ یا میرپور کے علاقہ کے فنِ سپہ گری سے واقف لوگ خود بخود مہاراجہ کے خلاف کھڑے ہو گئے اور اس کے ظالم کارندوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جہاد شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے قربانی بھی دی اور ان کو کامیابی بھی ہوئی لیکن وادی کشمیر یا جموں کے گرد و نواح کے علاقوں میں فنِ سپہ گری سے واقف لوگ کم تھے اور حکومت کا دباؤ یا زور بھی کچھ زیادہ تھا۔ بہر حال اس علاقے کے لوگوں نے پنجاب اور سرحد کے سیاسی لوگوں خاص کر پنجاب میں نواب ممدوٹ اور سرحد میں خان قیوم کے ساتھ رابطہ قائم کیا کہ ان علاقوں سے رضاکار

مجاہدین، وادی اور جموں کے صوبے کے مسلمانوں کی مدد کریں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک ہی دن سرحد کے مجاہدین ایبٹ آباد سے مظفر آباد کے علاقے میں داخل ہوں گے اور پنجاب کے مجاہدین سیالکوٹ ظفر وال اور شکر گڑھ وغیرہ سے جموں کے صوبے میں داخل ہوں گے۔

سیالکوٹ میں قادیانیوں کی سازش

اب پروگرام کے مطابق سرحد کے مجاہدین تو بروقت مظفر آباد کے علاقوں میں داخل ہو کر سرینگر کی طرف بڑھنا شروع ہو گئے جس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی لیکن سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد نے مجاہدین کو جموں کی طرف نہ جانے دیا۔

خان قیوم کھلی مجلسوں میں سینکڑوں دفعہ کہہ چکے تھے کہ جب سرحد کے مجاہدین وادی کشمیر میں داخل ہوئے تو پنجاب کے مجاہدین کو حکومت نے روک لیا اور نواب ممدوٹ نے ۱۹۵۴ء میں ریل کے ایک سفر کے دوران راقم کے سامنے یہ تسلیم کیا کہ ایسا لیاقت علی کے حکم پر کیا گیا تھا بلکہ اس کے دو وزیر ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات بھی لیاقت علی کے ہم خیال تھے۔

یہ کچھ تو بڑی سطح پر تھا بلکہ اس زمانے میں سیالکوٹ سے فرنٹیئر فورس رجمنٹ کو نکال کر ایبٹ آباد لایا گیا اور اس کی جگہ انبالہ سے پندرہ پنجاب کو لانے میں دیر کر دی گئی کہ سیالکوٹ چھاؤنی میں مسلمان فوجی صرف سولہ پنجاب کے تھے اور اس رجمنٹ کے ہندوؤں اور سکھوں کو جان بوجھ کر سیالکوٹ میں رکھا گیا اور اکتوبر نومبر ۱۹۴۷ء میں بھارت بھیجا گیا۔ یہ لوگ اپنی رائفلیں اور بارود گوردوارے میں اپنے ماتحت رکھے ہوئے تھے۔

ادھر ایم ایم احمد اور سولہ پنجاب کا کرنل ہوبرٹ دونوں مل کر سرحد کی سخت دیکھ بھال کر رہے تھے کہ یہاں سے کشمیر جموں کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ آخر اس میں کیا راز تھا۔

راز یہ تھا کہ ہماری فوج کے کئی افسر عشقِ رسولؐ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس چیز کو امریکن اور یہودی اخباریں بھی تسلیم کر چکی ہیں کہ پاکستانی فوج میں کئی لوگ عشقِ رسولؐ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ اکثر کہتے ہیں اور کچھ اپنے دل میں یہ عزم لئے ہوئے تھے کہ سیالکوٹ محاذ سے جب آگے پیش قدمی ہوئی تو میرا ہدف قادیان ہوگا کہ اس سے میرے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے اور ہمیں دونوں جہان حاصل ہو جائیں گے۔

راقم اس پہلو کو ذاتی طور پر جانتا ہے اور اگر کسی زمانے میں بھی سیالکوٹ سے بھارت کی طرف پیش قدمی ہوتی تو نہ صرف کشمیر پاکستان کا حصہ بن گیا ہوتا بلکہ قادیان کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی ہوتی۔

لُطف کی بات یہ ہے کہ فوجی حکمت عملی اور تدبیرات کے تحت ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھی اسی پر عمل ہوا اور اُوپر والی سطح پر پاکستان کو بے دین رکھنے کی سازش اب بھی جاری ہے۔

مجاھدین کی کامیابی اور بھارت کا کشمیر پر حملہ

قوم اس بات سے آگاہ ہے کہ سرحد کے مجاہد سری نگر کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ مہاراجہ کشمیر جموں بھاگ گیا۔ اگر جموں کی طرف بھی مجاہدین پیش قدمی کر چکے ہوتے تو مہاراجہ کہاں جاتا۔ ضروری ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ بن جاتا۔ اور اگر مجاہدین کو جموں میں کمل کامیابی نہ بھی ہوتی تو بھارتی فوج گورداسپور سے آگے نکل کر پٹھانکوٹ سے جموں، کٹھوعہ روڈ پر سے پیشقدمی کر کے اس طرح جموں کے صوبہ پر قابض تو نہ ہوتی کہ وہاں سے وادی اور سرینگر کو بھی فوجی امداد بھیجی۔ بہرحال جیسے ہی بھارتی فوج کشمیر میں داخل ہوئی تو قائدِاعظم نے پوچھا کہ پنجاب کے مجاہدین نے جموں، کٹھوعہ روڈ پر قبضہ کیوں نہیں کیا، تو قائدِاعظم کو غلط ملط خبریں دی گئیں کہ پنجابی مجاہد بننے کو تیار نہ تھے وغیرہ۔

قائدؒ کی فراست۔ لیکن مقابلہ میں گہری سازش

اب قائدؒ کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ جموں، کٹھوعہ روڈ پر فوج کے ذریعہ سے قبضہ کر کے علاقہ مجاہدین کے حوالے کرتے۔ انہوں نے اپنے وزیراعظم اور وزیر دفاع لیاقت علی سے بھی مشورہ نہ کیا اور نہ اُس کو ایسا حکم دینا پسند کیا کہ وقت ہاتھ سے جا رہا تھا۔ اُنہوں نے سیدھے طور پر راولپنڈی میں پاکستانی فوج کے برٹش کمانڈر انچیف جنرل میسروی کو فون پر بُلایا۔ یہ خبر ہے کہ صاحب کہیں مچھلیوں کے شکار کے لئے گئے ہوئے تھے یا بہانہ بنایا گیا۔ آگے سے اُس کے ڈپٹی جنرل گریسی نے جواب دیا اور بات ٹالنے کی کوشش کی کہ اوّل وہ جنرل میسروی کو شکار سے بُلا رہے ہیں۔ دوم وہ سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل آکنلیک سے مشورہ کریں گے اور سوم وزیر دفاع وغیرہ سے بھی مشورہ کریں گے۔ اب سازش اتنی گہری تھی کہ لیاقت علی، سکندر مرزا، کا تھورن، گریسی اور میسروی سب قائدِاعظم کا حکم نہ ماننا چاہتے تھے۔ بقول ایڈمرل احسن جو اُس وقت قائد کے اے ڈی سی تھے۔ لیاقت نے کابینہ

کی میٹنگ بلائی اور گھنٹوں اجلاس کے بعد کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔ دراصل یہ ٹال مٹول ہو رہی تھی اور بھارت کو موقع دیا جا رہا تھا کہ وہ فوجی لحاظ سے کشمیر میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لے۔

اسی دوران فیلڈ مارشل آکنلیک نے اپنے پرانے پرائیویٹ سیکرٹری شاہد حامد کی وساطت سے قائداعظم کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور قائد کو مشورہ دیا کہ پاکستانی فوج کو کشمیر میں نہ اُلجھایا جائے۔ وہ بھارتی لیڈروں کو لاہور بھجوا رہا ہے اور آپس میں کوئی سمجھوتہ کریں۔ اب بھارتی لیڈروں میں سے سردار پٹیل نے تو بالکل انکار کر دیا کہ اس کے پاس ایسی میٹنگ میں شرکت کا وقت نہیں۔ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو نے لاہور آنے کا وعدہ کیا لیکن آخری وقت بیماری کا بہانہ بنا کر نہرو بھی نہ آیا۔ اکیلا ماؤنٹ بیٹن آیا۔ آگے سے قائداعظم اور لیاقت علی وغیرہ سب موجود تھے۔ میٹنگ ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کی کئی باتیں مان لیں، لیکن یہ کہا کہ یہ سب کچھ بھارتی حکومت منظور کرے گی تو پھر معاہدہ کا اعلان ہوگا بھارتی حکومت نے ان شرائط کے بارے میں فیصلہ کرنے میں ایک ہفتہ لگا دیا اور مزید مہلت مانگتے تھے لیکن قائداعظم نے اصرار کیا کہ ہاں یا نہ کریں تو بھارت نے تمام شرائط مسترد کر دیں۔ قائد نے اپنی حکومت کو بُلا کر حکم دیا کہ جنگ میں شرکت کی جائے لیکن لیاقت علی نے اپنے انگریز مشیروں کی مدد سے قائد کے سامنے اپنی کمزوری کی بھیانک تصویر پیش کر دی بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ کسی فوجی کارروائی کے لئے ایک بریگیڈ فوج بھی تیار نہیں۔

قائد کی مومنانہ فراست

اب قائد نے مجبور ہو کر تمام فوج کی تعیناتی کی رپورٹ مانگی۔ اُنہوں نے حالات کو بھانپ کر اپنی مومنانہ فراست کا ثبوت دیا کہ شمال مغربی سرحد سے تمام فوج سے لنڈی کوتل، پاراچنار، رزمک، وانا اور منزئی وغیرہ کی چھاؤنیاں خالی کر دی جائیں۔ اور تمام فوج کو مشرقی محاذ پر لایا جائے پھر سیالکوٹ سے آگے بڑھ کر جموں، کٹھوعہ روڈ کاٹ دی جائے۔ قوم کو معلوم ہے کہ قائد کے اس حکم کو بڑی مشکل کے ساتھ مانا گیا کہ قبائل یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے وغیرہ۔ لیکن قائد کو معلوم تھا کہ ہمارے اصلی دشمن کون ہیں۔ اور ہم اُن کے ساتھ اب تک تین لڑائیاں بھی لڑ چکے ہیں۔ تو اب کوئی شک باقی نہ رہ جانا چاہیئے۔

جنگ کا رنگ

قوم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اُس وقت بے روک ٹوک بھارتی فوج اگر ایک طرف سرینگر کے ہوائی اڈے پر اُتر رہی تھی تو دوسری طرف جموں، کٹھوعہ روڈ کے راستے بھارتی فوج نے آگے بڑھ کر کشمیر کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ مجاہدین نے بڑی مشکل کے ساتھ بھارتی یلغار کو اُڑی کے پاس روک لیا۔ اور اس سلسلہ میں راولپنڈی سازش والے اکبر خان نے بھی اہم کام کیا جو حادثاتی طور پر وہاں موجود تھے۔ بھارتیوں کو وہاں رکوانے کے بعد اُس نے حکومت کو پیش کش کی کہ اُس کو اجازت دی جائے کہ وہ رضا کاروں کی مدد سے جموں، کٹھوعہ روڈ پر ایک محاذ کھول دے تو تب ہی بھارتی فوج کو کشمیر میں شکست دی جا سکتی ہے۔ لیاقت علی اور اس کے انگریز مشیروں نے کہا کہ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔

انسان جب یہ باتیں زیادہ سوچتا ہے تو حیران ہوتا ہے کہ رضا کار صوبہ سرحد سے کشمیر میں داخل ہوں تو کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن پنجاب سے رضا کار بھیجنے میں خطرہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قائد اعظم کی بھی یہی سوچ تھی کہ انہوں نے اکبر خان کی تجویز کو سراہا لیکن قانون دان ہونے کی وجہ سے وہ ہر کام حکومت کے مشورے سے کرتے تھے۔ اُنہوں نے حکومت پر زور دیا کہ یہ تجویز مان لی جائے لیکن لیاقت اور اُس کے انگریز مشیروں نے ایک اور بہانہ کیا کہ اوّل تو شمال مغربی سرحد سے پوری فوج مشرقی سرحد پر نہ پہنچی تھی، دوم اگر فوج پہنچ بھی جائے تو ہم بھارت کے ساتھ پورے محاذ پر جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔

لیجروں کی لڑائی

راولپنڈی سازش والے اکبر خان، ایسی باتوں کے بارے میں مذاقاً کہا کرتے تھے کہ بھارت کے ساتھ لڑائی کا فیصلہ اگر تعداد اور سامان سے کرنا ہے تو اپنے تمام لیجروں (LEDGERS) یا کھاتوں کے ساتھ کوارٹر ماسٹر جنرل کو دہلی بھیج دیا جائے اور سامان کا مقابلہ کیا جائے۔ ظاہر ہے ہمارے پاس سامان کم ہے۔ ہمارا کوارٹر ماسٹر جنرل ہار مان کر واپس آ جائے گا تو چھوڑیں اس جھنجھٹ کو۔

قائد کا ایک اور اہم فیصلہ

بہر حال جب قائد کے سامنے اپنی کمزوری پیش کی گئی تو اُنہوں نے حکم دیا کہ ہر ضلع کی

مسلم نیشنل گارڈز کو پاکستان نیشنل گارڈ بنا کر ہر ضلع میں رضاکاروں کی ایک پلٹن کھڑی کردی جائے جس کی تربیت فوج کرے اور سول آرمڈ فورسز یا نیشنل گارڈ ڈائریکٹوریٹ وجود میں آ گئی۔ اور ایک دن میں ۳۶ پلٹنیں صرف مغربی پاکستان میں کھڑی ہو گئیں۔ اگر اس کام کو طریقہ کے ساتھ کیا جاتا تو ہماری فوج میں چار ڈویژن فوج بڑھ جاتی۔ اور لڑائی رائفل کے علاوہ نیزوں اور بھالوں کے ساتھ بھی لڑ سکتے تھے۔ گھوڑوں کا استعمال بھی کرتے۔ یہ طریقہ اسلامی فلسفہ دفاع کے نزدیک ترین تھا۔ اگر اس پہلو کا صحیح مطالعہ کرتے اور لوگوں کو مجاہدانہ قسم کی تربیت دیتے اور منظم کرتے تو ایسی فوج میں دوگنا یا تین گنا اضافہ چند دنوں میں ہو سکتا تھا بلکہ اس طرح پوری قوم کو اللہ کی فوج بنا سکتے تھے اور آج اس برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔

ہماری بدقسمتی

اپنی بدقسمتی پر کتنا رویا جائے۔ اس نیک کام کی باگ ڈور کچھ ایسے لوگوں کے ہاتھ آ گئی۔ اُس نے اسلامی فلسفۂ دفاع کی بجائے انگریزوں کی بھونڈی نقل کر کے زیادہ زور تقریبات اور اخباروں میں تصویروں پر دینا شروع کر دیا۔ اب بیگم لیاقت علی آگے بڑھیں اور خود ایک زنانہ لیگ کھڑی کر دی۔ دونوں مردانہ لیگ یا مردانہ گارڈ اور زنانہ گارڈ میں ڈرل اور پریڈوں کے "مقابلے" شروع ہو گئے اور ان گارڈوں سے کوئی بامقصد فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ اسلامی فلسفۂ دفاع[ص۱] کا مضمون وسیع تر ہے اور یہ اسلامی سیاسی فلسفہ کے تابع ہوتا ہے۔ جب قوم کے پاس کوئی سیاسی فلسفہ نہ تھا اور اٹکل پچو طریقہ سے حکومت چل رہی تھی تو اسلامی فلسفۂ دفاع کے بارے میں کون سوچتا۔ اسی وجہ سے فوج کے سینئر افسروں کی "قابلیت" یا اسلامی اقدار سے وابستگی کا ذکر پچھلے باب میں کر دیا گیا ہے کہ قحط الرجال تھا۔ آدمی حیران ہوتا ہے کہ قائداعظم نے اِن حالات میں کیسے کام کیا۔ اُس کے ہر مومنانہ حکم کے راستے میں روڑے اٹکائے جا رہے تھے۔ سیالکوٹ سے حملہ کی بالکل اجازت نہ تھی۔ اس طرح قادیان جنگ کی لپیٹ میں آ جاتا تھا اور قادیانیوں کی سازش کی جڑ پر چوٹ پڑتی کہ بے دین لوگوں کا یہ خانہ کعبہ ہے۔ نیشنل گارڈز میں اگر کچھ کام ہوا بھی تھا اس کو ان کے نئے ڈائریکٹر بریگیڈیئر محمد موسیٰ نے ختم کر دیا۔

ص۱ تفصیل کے لئے راقم کی کتاب خلفائے راشدین حصہ چہارم سے استفادہ کریں۔

قادیانیت اور لادینیت ایک چیز ہیں

قادیانیوں کی سازش اتنی گہری ہے اور اتنے پھیلاؤ میں ہے کہ ملک کا گوشہ گوشہ اور زندگی کے ہر پہلو میں ایسی رچی بسی ہے کہ ہم از خود کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ طور پر ان سازشیوں کے ہاتھ میں کھیلتے رہتے ہیں۔ سازش کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان نہ رہنے دو۔ جو شیطان اپنے چیلوں کو ہدایت کرتا ہے کہ ان مسلمانوں کے قلب سے رُوحِ محمدیؐ نکال دو۔ اسی اصول کو مدِنظر رکھا جاتا ہے کہ رسولِ عربیؐ کے اسلام پر پردے ڈال دو۔ ماڈرن اسلام سرسیّد کا اسلام اور پرویزی اسلام وغیرہ۔ سب کی یہی لوگ پرورش کر رہے ہیں۔ غیروں کے فلسفوں پر اسلام کے لیبل چسپاں کرنا۔ غیروں کی باطل اصطلاحوں اور نظریات کو اسلامی اصول کے طور پر پیش کرنا۔ جہاد کو "کوشش" کے معنی پہنانا اور فلسفۂ جہاد کو بے جان کرنا، اسلامی غیرت کو WHATS S WRONG WITHIT کہہ کر ختم کرنا۔ اور ایسی حرکات کرنا جو مسلمان کا شیوہ نہیں۔ ایک ایک میدان کا اگر مطالعہ پیش کیا جائے تو کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

فوجی جائزہ

ہم فی الحال چند فوجی پہلوؤں سے پردہ اُٹھائیں گے۔

سیالکوٹ سے جموں پر حملہ روک دینے کے بعد لیاقت علی نے کرنل ہوبرٹ کی دعوت پر پاکستان آرمی کی جس رجمنٹ کا سب سے پہلے معائنہ کیا وہ کرنل ہوبرٹ کی سولہ پنجاب تھی۔ اُس وقت تو ہم بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن یہ ایک چال تھی۔ لوگوں اور فوجیوں کی توجّہ کشمیر کے محاذ سے ہٹانے کا ایک بہانہ تھا۔ کرنل ہوبرٹ نے فوجیوں کو لیاقت کے معائنہ کے لئے پریڈ کی تیاری پر لگا دیا اور محاذ پر جانے کی بجائے فوجی امن کے زمانے کی صفائی اور چُست وردیوں کے چکّر میں پڑ گئے۔

سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد (غلام احمد کذاب کا پوتا) یہی کام سول کے لئے کر رہا تھا اور آخر نومبر ۴۷ء میں لیاقت علی سیالکوٹ پہنچا۔ اس نے کرنل ہوبرٹ اور ایم ایم احمد کے ساتھ خفیہ کانفرنس کی جس میں کرنل ہوبرٹ نے استعفےٰ دے دیا کہ یہ کام اس کے بس کا نہ تھا۔

بریگیڈیئر افتخار خان

اُدھر قائداعظمؒ حکم پر حکم دے رہے تھے کہ پکّی اور لڑاکا فوج کو سرحد سے ہٹا کر سیالکوٹ

بھیجا جائے تاکہ بھارت اگر حیدر آباد میں کوئی کارروائی کرے یا جیسے موقع ملے جموں، کٹھوعہ روڈ پر حملہ کیا جائے تو تقریباً ایک بریگیڈ فوج نومبر تک سیالکوٹ میں اکٹھا ہو جاتا تھی۔ لیکن ساتھ ہی لیاقت علی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ادھر سے حملہ ہو۔ اس لئے جنرل گریسی کے ساتھ مل کر اس نے سیالکوٹ محاذ کے لئے بریگیڈیر افتخار خان کو چُنا جو ابھی دنوں تازہ تازہ ولایت سے کورس کر کے آیا تھا۔ اور چند ماہ کرنل کے عہدہ پر رہ کر بریگیڈیر بنا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز "بریگیڈ میجر" کو بھی متعین کر دیا گیا۔ سیالکوٹ پہنچ کر ان بریگیڈیر صاحب نے جنگ کی تربیت کی بجائے زیادہ تر اینٹوں کو چونا لگانے اور چھاؤنی میں باغات لگانے پر توجہ دی۔ دراصل جب لیاقت علی سیالکوٹ آیا تھا تو کچھ فوجی اور سویلین حضرات نے اس کو کھری کھری باتیں سنائیں کہ سیالکوٹ سے حملہ کیوں نہ کیا گیا۔ فوجی سویلین کپڑے پہن کر مجاہدوں کے ساتھ جاتے اور کٹھوعہ جموں روڈ کو کاٹ دیتے۔ اس لئے لیاقت بریگیڈیر افتخار کی مدد سے ایسے فوجیوں کا منہ بند کرنا چاہتا تھا۔ بریگیڈیر افتخار نے لوگوں کو اتنا ڈرایا دھمکایا اور اینٹوں پر چونے اور صفائی کی غلطیاں نکالتے وقت وہ افسروں پر برس پڑتا تھا، اور لوگ ڈر گئے۔ چنانچہ دسمبر ۴۷ء میں بریگیڈیر افتخار نے چھاؤنی کے تمام افسروں اور سرداروں کو اکٹھا کیا۔ وہاں ایک لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی۔ جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کا منہ بند کیا جائے جو کشمیر کے سلسلے میں کچھ کارروائی کرنے کے حق میں تھے۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا۔

"کچھ سر پھرے لوگ کہتے ہیں کہ بھارت کے ساتھ جنگ میں کوئی حرج نہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ بھارتی فوج ہم سے تین گنا زیادہ ہے۔ ہم ان کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے۔"

افسروں اور سرداروں پر سکوت چھا گیا لیکن اس گنہ گار سے نہ رہا گیا عرض کی کہ "فوج کو توڑ دیں اور ہمیں گھر چلے جانا چاہیئے۔"

بہرحال یہاں بھی مرزا کذاب والی چال تھی کہ جہاد کو بے جان کیا جا رہا تھا۔ راقم کو وہاں سے تبدیل کر کے "راہوالی" (گوجرانوالہ) بھیج دیا گیا اور بریگیڈیر افتخار نے سیالکوٹ کے علاقے میں مکمل کنٹرول کر لیا اور سیالکوٹ کے ارد گرد مرالہ تک مجاہدین کا ایسا صفایا کرایا گیا کہ اکھنور کے محاذ سے بھی مجاہدین کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ جنوری ۴۸ء تک افتخار صاحب کو میجر جنرل بنا کر

تعینات کر دیا گیا کہ پورا پنجاب ان کے ماتحت تھا۔ ان کا نگر برمشیر بریگیڈ میجر انہی کے ساتھ لاہور چلا گیا جہاں اس کو کرنل اور جی ۔ ون بنا دیا گیا۔

موسیٰ، ایوب، افتخار سب ایک جیسے تھے

سیالکوٹ، بریگیڈئر محمد موسیٰ صاحب کو دیا گیا جنہوں نے ستمبر ۶۵ء میں رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ اور اس زمانے میں بھی افتخار، یا انگریزوں یا قادیانیوں کی سب باتیں مانتے رہے۔
دراصل موسیٰ صاحب کو کمانڈ کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اور آگے بھی زیادہ عرصہ بریگیڈ کی کمانڈ نہ کی۔ اور ڈویژن کی کمانڈ بھی ایسی جگہ کی جہاں پر کوئی خاص فوجی کام نہ تھا کہ اس کو "لنگڑا ڈویژن" کہتے تھے۔ اس میں دو بریگیڈ تھے۔ لوگ چھاؤنیوں میں پڑے رہتے تھے۔

ہماری بدقسمتی کہ یہی موسیٰ صاحب ہمارے کمانڈر بنے اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زیادہ نوکری انگریزوں کی خفیہ سروس میں کی تھی اور یہی بات ان کو پاکستان میں اتنا اُونچا لے گئی۔ ان جنرل افتخار صاحب کے بارے میں بھی مشہور تھا کہ ان کو پاکستان میں پہلا کمانڈر انچیف بننا تھا لیکن وہ جہاز کے حادثے میں ہلاک ہو گئے اور ایوب خان کمانڈر انچیف بن گیا۔ اُس نے جو چاند چڑھائے ان کا ذکر آگے آتا ہے۔ اگر افتخار صاحب کمانڈر انچیف بن جاتے تو وہ بھی انگریزوں کے آدمی تھے تو اُنہوں نے بھی وہی کرنا تھا جو بعد میں ایوب خان نے کیا۔

لُطف کی بات یہ ہے کہ جس دن سیالکوٹ میں افتخار صاحب ہمیں ڈانٹ ڈپٹ دے رہے تھے اسی دن راولپنڈی میں انگریز کمانڈر انچیف جی ایچ کیو کے افسروں کو یہی کچھ کہہ رہا تھا اور میجر جنرل اکبر خان جو بعد میں راولپنڈی سازش والے مقدمہ میں ملوث ہوئے اور اُس زمانے میں وہ کرنل تھے۔ اُنہوں نے انگریز کمانڈر انچیف کو وہی کچھ لکھ کر دیا جو راقم نے افتخار کو سیالکوٹ میں کہا تھا۔ یہ بات راقم کو ۱۹۶۸ء میں پتہ چلی جب کشمیر کی سازش کے سلسلہ میں اکبر خان کی کتاب پڑھی۔

ظاہر ہے کہ دُنیا کی کسی پیشہ ور فوج کے افسر ایسی تقریر نہیں کرتے جو ہم نے راولپنڈی اور سیالکوٹ میں سُنی تھی۔ ہم دونوں پیشہ ور سپاہیوں کے ردِّ عمل ایک جیسے تھے۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسوٹز کہتا ہے کہ جو آدمی قوم کو جنگ سے ڈرائے یا جنگ کو بھیانک بنا کر پیش

کرے وہ قوم کا دشمن ہوتا ہے۔ اور یہاں پیشہ ور فوج کو بھارت کی طاقت سے ڈرایا جا رہا تھا۔

تاریخ کے تانے بانے

یہاں ایک تاریخی غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ افتخار خان پاکستانی برّی فوج کا پہلا کمانڈر انچیف بنتا یا نہ بنتا۔ کہانی لمبی ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ راقم نے لاہور کے ہوائی اڈہ پر افتخار خان اور شیر خان کی آخری تصویر اُس شام کو کھینچی جب وہ جہاز پر سوار ہوئے۔ صبح سویرے میں کرنل شہباز کے ساتھ سیالکوٹ میں بریگیڈیئر شیر علی کے بریگیڈ میں پہنچ گیا، جس کا ملاحظہ جنرل گریسی نے کرنا تھا، جو ہمارے بعد سیالکوٹ چھاؤنی میں پہنچا۔ اُس نے آتے ہی ہمیں یہ بھیانک خبر سُنائی کہ وہ جہاز جس میں دونوں جنرل سفر کر رہے تھے لاپتہ ہے۔ اور کچھ دیر بعد حادثہ کی اطلاع مل گئی۔

جنرل گریسی نے ضروری کاغذات صحیح کرنے کے لئے کرنل شہباز کی کار میں کرنل شہباز اور اپنے اے ڈی سی کپتان کریم کو راولپنڈی بھیج دیا کہ دونوں جرنیلوں کو ڈیوٹی پر دکھایا جائے تاکہ ان کے خاندان، خاص کر شیر خان کی بیوی بچوں کو پنشن مل سکے۔ میں جنرل گریسی کے ساتھ دو دن یونٹوں کا چکر لگاتا رہا اور مجھے پنڈی بھی جنرل گریسی کی کار میں واپس آنا تھا۔ جنرل گریسی نے سیالکوٹ میں ایک تقریر میں کہہ دیا تھا کہ جہاز میں پاکستانی برّی فوج کا آئندہ کا ایک کمانڈر انچیف بھی تھا۔ جب ہم وزیر آباد پہنچے تو وہاں "نوائے وقت" میں خبر پڑھی کہ گریسی کہتا ہے کہ افتخار نے کمانڈر انچیف بننا تھا۔

میں نے جنرل گریسی کو جب یہ خبر پڑھ کر سُنائی تو وہ لال پیلا ہوگیا اور کہنے لگا کہ اُس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اس کا ایک سے مطلب شیر خان سے تھا۔ اور وہ بھی شاید پاکستانی فوج کا دوسرا کمانڈر انچیف۔ ساتھ ہی مجھے ہدایت کی کہ پنڈی پہنچ کر اخبار کا تراشہ اور اس کا انگریزی ترجمہ اُس کو بھیجا جائے۔ وہ وزیر اعظم کے ساتھ اخبار کے خلاف کارروائی کرنے کی بات کریں گے۔ گریسی پنڈی سے سیدھا راولپنڈی کے بڑے گرجے میں پہنچا جہاں ان جرنیلوں کے لئے سروس ہو رہی تھی۔ وہاں کرنیٹ لوگوں نے گریسی کو مبارکباد دینا شروع کر دی کہ اب وہ پاکستان میں زیادہ عرصہ رہ سکے گا۔ گریسی کو بھی یہ بات پسند آگئی۔ جب ہم نے فائل بھیجی تو اُس نے

واپس کر دی کہ اب اسے رہنے دو۔ مرے ہوئے کے لئے کوئی اچھی بات شائع ہو جائے تو اس
کی تردید نہیں کرنا چاہیئے۔ دراصل گریسی خوش تھا کہ پاکستان میں اُس کے جانشین کو گھٹنے میں
اب طوالت کی جا سکتی تھی۔ اِس لئے افتخار والی غلط خبر کو لوگوں نے سچ سمجھ لیا۔

اب ہم پھر کشمیر کی جنگ کی طرف واپس آتے ہیں کہ قائدِ اعظم اصرار کر رہے تھے کہ ہماری
فوج کو کشمیر کی جنگ میں کچھ نہ کچھ حصّہ لینا چاہیئے۔ لیکن فوج کے اُوپر والے جس بے دلی کے ساتھ
اس کام کو کر رہے تھے اُس کا نتیجہ قوم کے سامنے ہے۔ سازش اتنی گہری تھی کہ مرحوم محمد زمان کیانی
جو آزاد فوجوں کے سربراہ تھے، نے مجھے بتایا کہ چودھری محمد علی تک کے لوگوں نے اُس کو مشورہ
دیا کہ دریائے چناب کے مشرق میں کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ ظاہر ہے چودھری محمد علی ایسی بات
لیاقت علی اور اس کے انگریز مشیروں کے اثرات کی وجہ سے کر رہا ہو گا۔ اب لُطف کی بات یہ
ہے کہ وہ مسلمان افسر جو بھارت میں رہ گئے تھے، جب پاکستان پہنچے تو کہتے تھے کہ بھارتی فوج
کے انگریز افسر نجی مجلسوں میں اِن کو کہتے تھے کہ پاکستان والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جموں کی طرف
محاذ نہیں کھولتے لیکن پاکستانی فوج کا چھوٹے سے چھوٹا انگریز افسر کہتا تھا کہ خبردار! سیالکوٹ
محاذ سے کچھ مت کیا جائے ورنہ دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ جنرل گا بھورن
نے ان سب کو ایسی ہدایات دی رکھی تھیں۔

ذاتی واقفیت

۱۹۴۹ء میں جس دن انگریزی بحری فوج کے گئے گزرے دو "DESTROYER" تباہ کن جہاز
انگریزوں نے من مانی قیمت لے کر ہمیں بیچے اور ہم نے اُن کے نام ٹیپو سلطان اور طارق رکھے۔
کراچی میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا۔ لیاقت علی اور اُس کی تمام کابینہ اُن جہازوں کو خوش آمدید
کہہ رہی تھی۔ گا بھورن اپنے "حواریوں" میں بڑ مار رہا تھا "کہ پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ اُس
کو لیاقت جیسا "رہنما" مل گیا اور اس طرح افواجِ پاکستان طاقت ور ہو رہی ہیں اور لیاقت
نے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کو بچا لیا ورنہ قائدِ اعظم تو پاکستان کو جنگ میں جھونک رہے
تھے۔ لیاقت ہمارے ساتھ متفق تھے کہ جمّوں محاذ نہیں کھولنا چاہیئے وغیرہ"۔

راقم ۱۹۷۹ء میں نوائے وقت میں اِس سلسلہ میں کئی مضامین لکھ چکا ہے کہ لیاقت اور

کاٹھورن میں گاڑھی چھنتی تھی۔ اور یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ لیاقت ہمارا سربراہ بن گیا۔ لڑنے والے کبھی نہیں مرتے۔ اگر قائد کے خیال کے مطابق ہم جنگ میں شریک ہو جاتے تو اللہ تعالےٰ طاقت بھی دے دیتا۔ ایمان اور عقیدہ بھی صحیح ہو جاتا۔ ایمان کا ایک درجہ ہے کہ سب علوم انسان کے سامنے آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن افسوس کہ ہم لاالٰہ کے وارث نہ بن سکے۔

اے لاالٰہ کے وارث باقی نہیں کچھ تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ ، کردارِ قاہرانہ
(اقبالؒ)

ہماری کوتاہیاں

اُوپر والی سطح پر کشمیر کی جنگ کے سلسلہ میں ہماری کوتاہیوں پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ البتہ نچلی سطح پر لوگوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھی اور اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے کچھ خطہ ہمیں عطا کر اور پونچھ پر بھی ہم قبضہ کرنے والے تھے کہ لیاقت علی نے نہرو کے کہنے پر وہاں مئی ۱۹۴۸ء میں فائر بندی کرا دی۔ اس کام کے لئے ظفر اللہ اور بریگیڈیر حیاء الدین قادیانی نے بھی اپنا اپنا پارٹ ادا کیا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم پونچھ کو فتح کر کے کشمیر کے زیادہ حصہ پر قابض ہو جائیں۔

چنانچہ بھارتی چال کے تحت مجاہدین کی یلغار کو وہاں حیاء الدین نے رکوا دیا اور تین دن کے لئے فائر بندی کر دی گئی کہ بھارتی پونچھ شہر خالی کر دیں گے۔ اب بھارتیوں نے شہر خالی کرنے کے لئے جو گاڑیاں بھیجیں اُن میں کمک اور فوجی سامان تھا اور بعد میں بھارتی فوج نے شہر خالی کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے۔ نہرو سے بات کی جائے۔ اب پاکستان سرکاری طور پر تو کشمیر میں "حصہ دار" نہ تھا اور نہرو نے سردار ابراہیم کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے نمائندہ بھیجنے سے انکار کر دیا۔

قائدِ اعظم اب تنگ آگئے تھے

معلوم ہوتا ہے کہ قائدِ اعظم اب تنگ پڑ گئے تھے کہ اُنہوں نے اپریل ۱۹۴۸ء میں حکم دے دیا کہ پاکستانی افواج ضرور بر ضرور کشمیر میں داخل ہو جائیں۔ آخر مئی ۱۹۴۸ء میں جو افواج کشمیر میں داخل ہوئیں وہ سب چھمب جوڑیاں سے شمال یا شمال مغرب میں تھیں لیکن نوشہرہ ، اکھنور ، راجوری کے علاقہ میں کوئی فوج نہ بھیجی گئی۔ جموں ، کٹھوعہ روڈ تو خیر بالکل محفوظ رہی اور نہ ہی

ادھر مجاہدین کو جانے کی اجازت تھی۔ چنانچہ اس راستے سے بے خطر بھارت والے کشمیر میں اپنی افواج کو کمک بھیجتے رہے۔

اب جب ان تمام معاملات پر نظر دوڑائی جاتی ہے تو انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیسے ہماری آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی تھی۔ اور باقاعدہ فوج کا استعمال بڑے بھونڈے طریقے سے تھا۔ فوج سے جو رضا کار مجاہدین کے ساتھ کام کرتے تھے ان کو کاغذوں میں فوج سے بھگوڑا قرار دیا جاتا تھا اور باقاعدہ فوج جہاں کام کرتی تھی وہاں نہ توپخانہ کی مدد اور نہ ہوائی جہازوں کی مدد تھی۔ وردی اُتاری ہوئی تھی۔ ملیشیا کے کپڑے پہنے ہوتے تھے۔ راشن میں زیادہ گڑ، چنے اور سگریٹ کی جگہ بیڑی ملتی تھی۔ البتہ قادیانیوں کی ایک پلٹن جس کا نام فرقان بٹالین تھا وہ محاذ پر بھی مزے کرتے تھے اور دُنیا جہاں کے بسکٹ اور کھانے اُن کو میسّر تھے۔ وہ بھمبر محاذ پر ایک غیر اہم جگہ پر تعینّ تھے جہاں زیادہ لڑائی وغیرہ نہ تھی لیکن وہ لوگ شاید ہتھیار اکٹھے کرتے رہتے تھے اور فنِ سپہ گری کی شُدھ بُدھ حاصل کر رہے تھے کہ بوقتِ "ضرورت" وہ قادیانیوں کی مدد کریں۔ ۱۹۵۳ء میں ایسے لوگوں نے مسلمانوں کا بڑا نقصان کیا اور اب بھی مولانا اسلم قریشی کو غائب کرنے والے ایسے ہی لوگ ہیں۔

بہادری کے کارنامے

کشمیر کے محاذ پر فوجیوں اور رضا کاروں نے بڑے بہادری کا مظاہرے بھی کئے جن کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ گلگت میں میجر حسن خان اور صوبیدار میجر بابر کی بہادری سے وسیع علاقوں پر ہم قابض ہیں۔ بھارتی فوج کو روکنے کے لئے میجر اسلم اور کرنل اکبر خان نے اوڑی محاذ پر جو کارروائی کی وہ سُنہری حروف میں لکھی جانا چاہیئے۔ بعد میں بریگیڈیئر کے طور پر اکبر خان کی پانڈو پر یلغار اور میجر حفیظ آفریدی کی بہادری، کرنل نوشیرواں کی چھنج کی فتح، میجر شیر محمد کا ٹیٹوال کے وسیع علاقوں پر قبضہ۔ میجر رحمت اللہ کی راجوری میں کارروائی، کپتان سرور شہید اور کپتان ظفر اقبال کی بہادری ہماری تاریخ کے درخشاں باب ہیں۔ ہم نہتے طور پر ڈیڑھ سال لڑائی لڑتے رہے۔ اگر قائداعظم کی خواہش کے مطابق اور اسلامی طریقہ پر اس جہاد کو جاری رکھا جاتا تو آج سارے بھارت میں لا الٰہ کا

ورد ہو رہا ہوتا لیکن سازشیوں نے ہمیں کچھ نہ کرنے دیا۔

قائد کو اندھیرے میں رکھا گیا

قائداعظم کو یہ بتایا گیا کہ اگر بھارت نے حیدر آباد پر حملہ کیا تو پھر ہم لوگ جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دیں گے۔ اور سیالکوٹ کا دفاع ۱۰۴ بریگیڈ کرے گا۔ جہلم کے نزدیک سے قاضی باقر ہیں نمبر ۱۰۰ بریگیڈ تیار بیٹھا رہے گا اور ضرورت پڑنے پر جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دے گا۔ لاہور کا دفاع ۱۱۴ بریگیڈ کرے گا اور ۱۴ پیرا بریگیڈ ریزرو کا کام کرے گا وغیرہ۔

یہ تجویز بڑی عمدہ نظر آتی تھی۔ راقم ان دنوں یونٹ کے انٹیلی جنس افسر کے طور پر کام کر رہا تھا اور سلیمانکی، قصور اور واہگہ تینوں جگہوں سے وابستہ رہ چکا تھا۔ ستمبر، اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب میں بھارتی افواج بریگیڈیئر نیڈو کے ماتحت اگلے محاذ پر تھیں۔ اور بڑی کمزور قسم کی بٹالین تھیں جن میں غیر لڑاکا لوگ تھے۔ سارا دفاع بکتر بند ڈویژن کی مدد سے کرنا تھا کہ اچھی بٹالین کشمیر یا حیدر آباد کے علاقوں میں تھیں اور ہمارا بکتر بند بریگیڈ بھی گجرات پہنچ چکا تھا اس لئے جس دن بھارت نے حیدر آباد پر حملہ کیا اُس دن تجویز کے مطابق اگر ہم جموں کٹھوعہ روڈ کاٹ دیتے تو کشمیر میں بھارتی افواج میں بھگدڑ مچ جاتی اور ساتویں اور نویں ڈویژن کی یونٹیں آگے بڑھ کر کشمیر پر قبضہ کر لیتیں۔ مشرقی پنجاب یا راجپوتانہ کے علاقہ میں خاطر خواہ قسم کی اتنی افواج موجود نہ تھیں جو مغربی پاکستان پر حملہ کر سکتیں۔

حیدر آباد پر قبضہ

لیکن جو کچھ ہوا اس سے قوم آگاہ ہے۔ بھارتی افواج حیدر آباد کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور قائداعظمؒ کی وفات کے انتظار میں تھیں کہ حیدر آباد پر دھاوا بولا جائے یعنی سازش اتنی گہری تھی کہ بھارت والوں کو یہ بھی پتہ تھا کہ قائداعظم کا وقت نزدیک آپہنچا ہے۔ اس بات سے لیاقت علی کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ راقم نے ۱۹۷۹ء میں اخبار نوائے وقت میں متعدد مضامین لکھے جن کی مدد سے بعد میں ہمارے سابق وزیر قانون مسٹر شریف الدین پیرزادہ نے کچھ مضامین لکھے اور لیاقت علی کے اس بھیانک کردار سے پردے اُٹھائے گئے۔

حیدر آباد پر قبضہ کرنے کے بعد بھارتی افواج کو کشمیر لایا گیا اور اکتوبر ۱۹۴۸ء میں اُنہوں

نے آگے بڑھ کر راجوری اور مینڈھر کے متعدد علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور پاکستانی افواج تماشائی بن کر کشمیر کے چند علاقوں میں بیٹھی رہیں اور جب بھارت کے عزائم مکمل ہو گئے تو نومبر اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں ہماری افواج کا گجرات کے شمال میں بھمبر اور کبوتر گلہ میں اجتماع کیا گیا کیونکہ فائر بندی کا ڈرامہ کرنا تھا۔ اب حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ایسا ڈرامہ سیالکوٹ کے علاقہ سے بہت دُور کیا گیا کہ اپنا ایسا اجتماع دیکھ کر کوئی من چلا واقعی جموں کٹھوعہ روڈ پر قبضہ نہ کر لے یا قادیان میدانِ جنگ نہ بن جائے۔

فائر بندی کا ڈرامہ

اس ڈرامہ میں چونکہ راقم خود شامل تھا تو ذرا تفصیل سُنیئے۔

راقم چودہ بریگیڈ کی ایک بٹالین کا انٹیلی جینس افسر تھا۔ اور اس بریگیڈ کو کبوتر گلہ بھمبر کے علاقہ میں لایا گیا کہ یہ بریگیڈ بیڑی پتن پر حملہ کرے گا۔ پاکستانی فوج کے سارے توپخانے اور متعدد پلٹنوں کو مثلاً ۶ پنجاب فرسٹ ایف ایف اور ۱۰۔ ایف ایف وغیرہ کو بھی ادھر لایا گیا بڑی تجویز بنائی گئی کہ بیڑی پتن پر قبضہ کر کے دریائے چناب تک کے علاقوں پر قبضہ ہو جائے گا وغیرہ۔

دراصل یہ سب کچھ مجھ جیسے "سر پھرے" لوگوں کی زبان بند کرنے کے لئے کیا جا رہا تھا کہ ہم کہتے تھے کہ بھارتی فوج دندناتی پھرتی ہے اور ہم بے غیرت ہیں کہ کچھ نہیں کرتے ورنہ حملہ کرنے کا وقت تو ستمبر تھا جب بھارتی افواج حیدر آباد پر حملہ کر رہی تھیں۔ اب تو بھارتی افواج مشرقی پنجاب اور کشمیر کے علاقوں میں آ چکی تھیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بیڑی پتن پر حملہ کے لئے ریچھ اور ہاتھی جیسے پہاڑوں کے ساتھ سر پھوڑنے کی بجائے یہ حملہ جموں، کٹھوعہ روڈ پر کیوں نہیں کیا جاتا تو ہمیں کہا جاتا کہ ہم لوگ فوجی حکمتِ عملی کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔

بہر حال دسمبر ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتوں میں ایک دن توپوں کے مُنہ کھول دیئے گئے لیکن حملہ نہ کیا گیا کہ کسی عسکری تاریخ میں ایسے فضول فائر کی ساری دُنیا میں مثال نہیں ملتی کہ اتنا فائر کیا جائے اور فوجیں آگے بڑھ کر حملہ نہ کریں۔ دراصل یہ فائر ان لوگوں کا مُنہ بند کرنے کے لئے کیا گیا جو میری طرح یہ کہتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کر رہے۔ اور اس فائر

کے بعد مشہور کر دیا گیا کہ بھارت کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ اور بھارت والے فائر بندی پر تیار ہو گئے ہیں۔ اب کشمیر میں رائے شماری ہو گی یہ سارا کام اور یہ سارا ڈرامہ قادیان سے بہت دور رچایا گیا جس کو پاکستانی فوج کا ایک انگریز میجر جنرل لافٹس ٹاٹنیہم کنٹرول کر رہا تھا جس کو ایک طرف ہمارا انگریز کمانڈر انچیف جنرل گریسی ہدایات دیتا تھا تو دوسری طرف جنرل کا تھورن جو لیاقت، ظفر اللہ اور سکندر مرزا کے ساتھ مل کر پاکستان کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے۔

قارئین یہ ہیں تاشقند کے اصلی راز۔ بھٹو ان سے واقف تھا اور جب پانی اس کے سر سے گزرنے لگتا تو وہ قوم کو ضرور بتا دیتا کہ وہ اکیلا نہیں جو انگریزوں اور مغربی لابی کے لئے کام کرتا رہا۔ اس سلسلے میں کئی اور لوگ اس سے آگے نکلے ہوئے ہیں۔ سنتے ہیں کہ جنرل شیر علی نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں ستمبر ۶۵ء کی جنگ کو ملک کے کفن میں آخری کیل کہا ہے لیکن اس فائر بندی کے ڈرامہ میں تو ان کو بھی استعمال کیا گیا کہ یہ سارا ڈرامہ اُن کے بریگیڈ سے کروایا گیا۔ اس لئے بہتر ہے کہ وہ خود اس سلسلہ میں مزید روشنی ڈالیں۔

جماعتِ اسلامی اور جہادِ کشمیر

کسی کو جماعتِ اسلامی یا مولانا مودودی کے حضور پاکؐ اور صحابہ کرامؓ کی شان کے طرزِ بیان سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جماعت اسلامی کی اسلام سے وابستگی یا اسلام کا نام بلند کرنے کی خدمت سے انکار نا ممکن ہے۔ کشمیر کے جہاد کے وقت اُنہوں نے مجاہدین کی مالی اور اخلاقی مدد بھی کی۔ جیسے ہی کشمیر کا جہاد ختم ہوا تو مودودی صاحب سے کسی نے اس سلسلہ میں انٹرویو کیا جس میں مولانا مودودی نے صاف کہہ دیا کہ حکومتِ پاکستان تو جہاد میں شریک نہ تھی یا اس کے لئے تو کوئی جہاد نہ تھا۔ لیکن مولانا کے ان الفاظ کو ایسے توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا کہ راقم سمیت کئی لوگوں کو جماعتِ اسلامی کے ساتھ نفرت پیدا ہو گئی یعنی غازی اور نمازی الگ الگ ہو گئے۔ قائدِ اعظمؒ نے جو مودودی صاحب کو ریڈیو پر تقریریں کرنے کی اجازت دی تھی، وہ ختم کر دی گئی۔

چوتھا باب

لیاقت علی کا دور

ہماری قومی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نے مغرب کی نقالی کو ماڈرن اسلام بنا کر نہ صرف قوم کو پیش کیا، بلکہ اُس پر عمل کر رہے ہیں ۔ یعنی باطل فلسفوں پر اسلام کے لیبل چسپاں کر کے اُن کو اسلامی نظریات کے طور پر پیش کر رہے ہیں ۔ اس کام کی بُنیاد لیاقت علی اور اس کے حواریوں نے باندھی ۔ اور قائدِ اعظم کے زمانے میں ہی انہوں نے اسلامی اقدار سے دُوری اختیار کرنا شروع کر دی لیکن قائدِ اعظم کی وفات کے بعد تو اُن کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ انگریزوں کی پالیسی تھی کہ وہ پاکستانی برّی افواج کو مکمل طور پر مغربی فلسفۂ دفاع کے تابع کر جائیں بلکہ روایات اور تنظیم تک کے لئے ایسے اسباق پڑھا گئے اور فوج کے اُوپر ایسے لوگ بٹھا گئے جو مغرب کی " مغربیت " کے بغیر اور کچھ جانتے بھی نہ تھے ۔ انگریزوں کو ڈر تھا کہ کشمیر کی جنگ میں تجرباتی طور پر چند افسروں نے جنگ کے اصول سیکھ لئے تھے ۔ اگر ان اصولوں کا فوج میں رواج ہو گیا تو آہستہ آہستہ پاکستانی فوج کا رُخ لندن کی بجائے مکّہ و مدینہ کی طرف ہو جائے گا ۔ اور پاکستانی افواج حزب اللہ بن جائیں گی ۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ افرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

انگریزوں کے مقاصد

اس لئے انگریز کمانڈر انچیف نے فائر بندی کے بعد ہر چھاؤنی کو "ٹل یورپ" بنانے کے لئے احکام دے دیئے ۔ افسر میسوں اور افسر کلبوں کی زندگی پر زیادہ زور دینا شروع کیا ۔ اور طرح یہ ڈالی کہ یونٹوں کے سو سالے منائے جائیں ۔ رجمنٹل اجتماع ہوں اور ۱۹۴۹ء کا سال پنجابی پیفرز کی سو سالہ تقریبات کے لئے چُنا گیا بلکہ پیفرز کی ایک آدھ پلٹن اور پیفرز

سے وابستہ ایک رسالہ نے علیحدہ سوسالہ بھی منایا۔ ان سوسالوں میں پرانے انگریز افسروں کو بھی بلایا گیا۔ اور بھارتی فوج کے سابق کمانڈر انچیف جنرل راب لاکھرٹ کو پیفرز کے سوسالہ میں خاص کر مدعو کیا گیا۔ یہ وہی تھے جن کو سرحد کے گورنر جارج کننگھم نے مجاہدین کی کشمیر پر یلغار کی خبر دی تھی اور اس نے حکومتِ ہند کو آگاہ کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کسی مسلمان کمانڈنگ افسر کو اس بارے میں بتایا بھی نہ گیا کہ جنرل راب لاکھرٹ کو بلایا جارہا ہے۔ یہ سب فرنٹیئر فورس کے دو انگریز کرنیلوں نے کیا۔

اس اجتماع کو اخباروں میں بہت زیادہ اچھالا گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پیفرز اسلام کے کوئی "مجاہدینِ اول" تھے۔ کسی نے یہ نہ سوچا کہ انہی یونٹوں نے ۱۸۵۷ء میں دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ اور ہم ان کے ان کارناموں پر فخر کر رہے تھے۔ باقی رجمنٹیں کہاں "پیچھے" رہنے والی تھیں۔ انہوں نے بھی اجتماعات شروع کر دیئے۔ فرسٹ پنجاب نے فیلڈ مارشل آکنلیک کو مدعو کیا اور دعویٰ کیا کہ ہم پیفرز سے پرانے ہیں۔ ہم نے سرنگاپٹم میں سلطان ٹیپو کی شکست میں "بڑھ چڑھ" کر حصہ لیا تھا۔ پھر پندرہ پنجاب اور راقم کی سولہ پنجاب آگے بڑھیں اور انہوں نے کہا کہ وہ اتنی پرانی تو نہیں لیکن دہلی کی "اینٹ سے اینٹ بجانے" میں انہوں نے بھی حصہ لیا۔ بعد میں انگریزوں کے ماتحت افغانستان کی تینوں جنگوں میں حصہ لیا۔ پہلی جنگِ عظیم میں ترکوں سے ٹکرلی۔ اور ان سب باتوں پر بڑا فخر کیا گیا۔ رسالہ، توپخانہ، سگنل یا باقی کوریں کیسے خاموش رہتیں۔ انہوں نے بھی انگریزوں کے ماتحت اپنے کارہائے نمایاں" انجام دینے کے سلسلہ میں اجتماعات شروع کردیئے اور نتیجہ یہ تھا

ع بے کاری و عریانی و میخواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

قارئین! آپ حیران نہ ہونا میں اس عروج کی کہانی بیان کر رہا ہوں جس میں خود شامل تھا اور یہ سب باتیں بیان کرتے وقت میرا سر ندامت سے جھکا ہوا ہے۔
جہاں تک فوجی تربیت کا تعلق تھا وہ تو خیر مکمل طور پر انگریزوں کی نقالی تھی۔ بریگیڈیئر شیر علی قسم کے لوگوں نے اپنے برگیڈ میں یا کرنل سلطان علی شاہ اور کرنل شیر محمد کی

قسم کے لوگوں نے اپنی پلٹنوں میں کچھ اسلامی اقدار کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی کہ

سوال مے نہ کروں ساقیٔ فرنگ سے میں
کہ یہ طریقۂ رندانِ پاک باز نہیں (اقبالؒ)

بری فوج

البتہ قوم کی اخباروں میں یہ کہا جانے لگا کہ ہماری فوج کا کمانڈر انچیف بھی پاکستانی ہونا چاہیئے۔ اب جنرل گریسی کو فکر ہوئی کہ وہ کسی پاکستانی کو اس کام کے لئے "تیار" کرے اُس نے البتہ بالواسطہ طور پر ہر پاکستانی سینئر افسر کو یہ باور کرادیا کہ جو زیادہ "انگریزیت پن" کا مظاہرہ کرے گا وہی اُس کا "جانشین" بنے گا۔ راقم کو البتہ معلوم ہے کہ اس کام کے لئے جنرل رضا اور جنرل نذیر قادیانی تیار تھے۔ اور دونوں اپنے اپنے "گروہ" بھی بنا چکے تھے بلکہ ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی کی مہمات بھی شروع کردی تھیں۔ ایوب خان کا جنرل بننے کا نمبر پہلے تو کاٹ دیا گیا تھا لیکن سردار بہادر خان کی کوشش سے اُن کو میجر جنرل بنا دیا گیا اور مشرقی پاکستان کے "لنگڑے ڈویژن" کی کمانڈ دے دی کہ اُس کی نفری بھی پوری نہ تھی۔ جنرل رضا البتہ کچھ غلط فہمی کا شکار ہوگیا کہ کمانڈ انچیف کے لئے کسی دوسرے آدمی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انگریز کمانڈر انچیف سے ایک آدھ بات میں کچھ "تکرار" بھی کردی، کہ لوگ اُس کو پسند کریں گے اور وہ جلد ہی کمانڈر انچیف بن جائے گا۔

لیاقت کی انگریز پسندی

اُس بے چارے کو یہ تو بالکل معلوم نہ تھا کہ لیاقت علی مکمل طور پر انگریزوں کے ہاتھ میں ہے چنانچہ اُس کو ایڈ جوٹینٹ جنرل کے عہدے سے ہٹا دیا گیا اور ایک نئے ڈویژن کی کمانڈ دے دی اور اُس کی جگہ جنرل ایوب خان کو لایا گیا۔ لیکن جنرل رضا پھر بھی پُر امید رہا۔ اُنہی دنوں ہوائی جہاز کے حادثہ میں جنرل افتخار ہلاک ہوگیا، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس حادثہ سے جنرل گریسی کو پورا ایک سال مزید مل گیا اور ۱۹۵۰ء میں بھی وہ ہماری فوج میں "انگریزیت" کوٹ کوٹ کر بھرتا رہا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا اور لیاقت علی نے

اس کی منظوری دی کہ تمام حاضر سروس والے جنرل کوئٹہ میں ایک چھوٹا سا کورس کریں گے جس کے بعد اُن کی قابلیت کی رپورٹ حکومت کو دی جائے گی اور حکومت فیصلہ کرے گی کہ کس کو کمانڈر انچیف بنایا جائے۔ جنرل اکبر خان رنگروٹ جو سب سے سینیئر تھے، انہوں نے تو اس کورس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر اُن سے کسی جونیئر کو فوج کا سربراہ بنایا گیا تو وہ نوکری چھوڑ دیں گے۔ اُن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ وہ اپنی زبان پر قائم رہے۔

وہ معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ صرف مڈل پاس تھے۔ پہلے جے سی او یا وی سی او بھی رہے لیکن اپنی انتھک محنت کی وجہ سے اس عہدہ تک پہنچے۔ متعدد کتابوں کے مصنّف ہیں جن میں خالدؓ بن ولید اور اسلامی عسکری تاریخ کی کئی اُردو کی کتابیں ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ یہ کتابیں بہت اعلیٰ پایہ کی ہیں لیکن مصنّف کے اسلامی جذبہ اور اسلامی اقدار سے محبّت کی نشاندہی ضرور کرتی ہیں۔ اگر قائدِاعظم زندہ رہتے تو غالباً انہی کو بری فوج کا سربراہ بناتے اور شاید اس بھلے آدمی کی وجہ سے ہم اسلام سے اتنے دُور نہ ہوتے

ایوب کا کمانڈر انچیف بن جانا

بہرحال باقی جرنیلوں، یعنی جنرل رضا، جنرل نذیر قادیانی، جنرل ایوب، جنرل ناصر، جنرل یوسف، جنرل اعظم اور جنرل حیاءالدین اور جنرل افضل وغیرہ نے ایک کورس میں شرکت کی۔ جس کے کرتا دھرتا بریگیڈیئر لاڈر تھے وہ اُنیسویں صدی میں "رہتے" تھے اور انگریزوں کی دُنیا میں "امامت" کے قائل تھے۔ چیف انسٹرکٹر کرنل یحییٰ تھے، جن کو اب قوم پاکستان کے دولخت کرنے والوں میں شمار کرتی ہے۔ کرنل یحییٰ کو ہدایت تھی کہ جنرل ایوب کو اُوپر لے آئے۔ دراصل بات یہ تھی کہ پیشہ ورانہ لحاظ سے صرف جنرل نذیر اور جنرل حیاءالدین کچھ بہتر تھے۔ باقی تو بالکل گزارہ تھے۔ یہ دونوں قادیانی تھے۔ اور حیاءالدین سب سے جونیئر بھی تھا۔ جنرل اعظم ذاتی طور پر یہ چاہتا تھا کہ ایوب خاں کمانڈر انچیف بن جائے۔ یہاں سے اعظم خان اور ایوب خان کی دوستی کی بُنیاد بندھی۔ اعظم کے سکندر مرزا کے ساتھ بھی کچھ تعلّقات تھے اس لئے سکندر مرزا اس بات پر تیار ہو گیا کہ ایوب خان کے بعد

اگر ناصر علی کو چیف آف سٹاف بنایا جائے تو وہ بھی ایوب خان کی مدد کرے گا۔

انگریزوں اور قادیانوں کی کچھ یہ خواہش بھی تھی کہ جنرل نذیر کو کمانڈر انچیف بنایا جائے لیکن ساتھ ہی انگریزوں نے ایوب خان کے سر پر بھی ہاتھ رکھا ہوا تھا کہ اگر نذیر کے سلسلہ میں وہ کامیاب نہ ہوں تو ایوب خان ہی بہتر طور پر ان کا "پروردہ" ثابت ہو گا۔ ادھر سردار بہادر خان نے، چودھری غلام عباس سے بھی لیاقت علی کو سفارش کرائی۔ آخر لیاقت علی، انگریز اور سکندر مرزا سب کے سب ایوب خان اور ناصر علی کی "جوڑی" پر متفق ہو گئے۔ لیکن قارئین! باقیوں پر بھی نظر ڈالیں اور اپنی قسمت کی خرابی کا رونا نہ روئیں بلکہ اپنے دل میں جھانکیں ہم میں ایمان کی کمی ہے اور ہم مومن کی فراست نہیں رکھتے۔ تو اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگ ہی "نصیب" کر رہا ہے۔ اس پہلو کی مزید وضاحت آگے گی۔ ہاں! ایوب اور یحییٰ کی کی دوستی کی بنیاد بندھ گئی۔

تری سزا ہے نوائے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نظر سے محرومی (اقبال)

۱۹۵۱ء سے ایوب خان، سکندر مرزا اور ناصر علی نے وہ کام بھی سنبھال لیا جو جنرل گریسی اور جنرل کاتھورن کر رہے تھے۔ اب جنرل کاتھورن کی نوکری کی میعاد پوری ہو گئی تھی اور جس قسم کا پودا اُس کو "بونے" کا حکم ملا تھا وہ اُس نے بو دیا۔ کچھ عرصہ اس کی "آبیاری" خود کی اور اب اُس کے تربیت یافتہ "آبدار" موجود تھے۔

قارئین! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسی فوج میں اِکا دُکا مسلمان کی وجہ سے کچھ جذبۂ جہاد اور اسلامی قدریں باقی رہیں کہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ایک دو موقع پر ہم بھارت کو شکست دینے کے بھی قابل ہو گئے تھے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ورنہ جس فوج کے سربراہ وہ لوگ ہوں جن کا ذکر ہو چکا ہے تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ کمال رحمت ہے کہ چند ایماندار لوگوں کی وجہ سے ستمبر ۶۵ء میں عزت رہ گئی اُن کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔

بھارت کے خدشات

بھارت کو زیادہ ڈر پاکستان کی فوج سے تھا اور سردار پٹیل کو اکثر فکر رہتا تھا۔ اگر

پاکستان میں فوج برسر اقتدار آ گئی تو بھارت کی خیر نہیں۔ غیر جانتے ہیں کہ سب مسلمان اللہ کی فوج ہیں۔ اور اگر اللہ کی فوج بن کر اُٹھ کھڑے ہوں تو پھر اُن کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر مسلمان، سیاست اور فوج کو الگ رکھیں یا فوجی پیشہ ور فوج کو الگ رکھیں اور پوری قوم کو اللہ کی فوج نہ بنائیں تو پھر اُن سے کوئی خطرہ نہیں، جس کو علامہ اقبالؒ کی نظریں دیکھ گئیں اور وہ ہم ہیں:-

مَیں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قُلْ ھُوَ اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

بھارت کی شرارتیں

البتہ بھارت ایک طرف اپنی فوجوں کو مشق دینے کے لئے اور دوم ہماری توجہ کو کشمیر سے ہٹانے کے لئے کوئی نہ کوئی شرارت کرتا رہتا تھا۔ مارچ ۱۹۵۰ء میں بھارتی فوجوں نے مشرقی پنجاب کی سرحدوں پر اجتماع شروع کر دیا۔ ہمارے ہاں کافی ہل چل مچ گئی اور اپنی فوجوں کو بھی حکم ملا کہ محاذ کے نزدیک چلی جاویں۔ انہی دنوں میں جنرل ایوب خان ایڈجوٹینٹ جنرل تھے اور راقم اُن کے ساتھ جہلم جا رہا تھا جہاں جنرل ایوب خان نے چودہ پنجاب سنٹر کی مسجد کی بنیاد رکھنا تھی۔ جب ہم دریائے سواں کے پُل سے پار ہو رہے تھے تو آگے سے جنرل اعظم خان آتے ہوئے ملے۔ دونوں دوستوں نے کاریں روک دیں اور ایک دوسرے کو ملے۔ جنرل اعظم خان گھبرائے ہوئے تھے۔ وہ لاہور میں دسویں ڈویژن کے کمانڈر تھے۔ کہنے لگے "میں ایک ڈویژن سے سارے محاذ کا کیسے دفاع کروں گا" جنرل ایوب نے مسکرا کر کہا "میری ذمہ داری تو کمک بھیجنا اور نفری پوری کرنا ہے۔ تمہیں جی ایس برانچ سے مزید احکام مل جائیں گے۔ شاید سیالکوٹ کا دفاع ساتواں ڈویژن کرے گا اور بکتر بند بریگیڈ وغیرہ سب آگے جا رہے ہیں۔"

اس کے بعد دونوں سڑک سے ہٹ کر ساتھ والی پہاڑی پر کھڑے ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ راقم پر اس کا کوئی اچھا اثر نہ ہوا۔ ہم جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ ہمارے دلوں میں انگریز نے یہ بٹھا دیا تھا کہ ہم بھارت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے۔ بہر حال بھارت ایک مشق کر رہا تھا۔ ہم ردِ عمل کے طور پر بھارت

کے اشاروں پر ناچ رہے تھے ۔ اس سے بدتر فوجی حکمتِ عملی کی مثال نہیں مل سکتی۔ راقم اس سلسلہ میں بریگیڈیئر افتخار کے ہمیں سیالکوٹ میں ایسے لیکچر پر پہلے ہی تبصرہ کر چکا ہے ۔ یعنی جنگ سے ڈرنا اور ہر کام ردِ عمل کے طور پر کرنا۔

اب بھارتی فوج کا کمانڈر ان کا اپنا جنرل کری آپا تھا۔ اُس سے جنرل گریسی نے پوچھا کہ یہ اجتماع کیوں ہو رہا تھا تو اُس نے سارا الزام پاکستان کے سر تھوپ دیا کہ تمہاری وائرلیس سیٹوں کے مانیٹرنگ سے اُن کو یہ پتہ چلا کہ پوری پاکستانی فوج محاذ پر پہنچنے والی ہے ۔ اس لئے وہ لوگ حفظِ ماتقدم کے طور پر آگے آگئے تھے ۔ پاکستان والوں نے "سگنل دینے کی مشق" ضرور کی تھی جس کو فوجی زبان میں سگنل ایکسرسائز بھی نہیں کہتے بلکہ یہ مشق صرف سگنل کور کی وائرلیس سیٹوں کے ملاپ کو چیک کرنے کے لئے کی جاتی ہے ۔ لیکن بھارت کو بہانہ چاہیئے تھا ۔ اور جنرل اعظم خان "خوش قسمت" تھے کہ جنگ سے بچ گئے۔

راولپنڈی سازش

ایوب خان کے کمانڈر انچیف بننے کے دو ماہ بعد ہی مارچ ۱۹۵۱ء میں راولپنڈی سازش والے مقدمہ کے تحت جنرل اکبر خان اور متعدد افسروں کو گرفتار کر لیا ۔ اس کی تفصیل کوئی اور ہی بتا سکتا ہے ۔ اور ذاتی طور پر میں ہر سازش کے خلاف ہوں ۔ لیکن اِس واقعہ نے فوج پر بڑے بُرے اثر کئے ۔ اب کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی ، کہ پیشہ ورانہ معاملات پر کوئی تنقید کرے۔ یا فوج کے کسی انگریزیت والے حکم کے خلاف پروٹسٹ کرے ۔ میرے جیسے چھوٹے آدمی کی بات کون سُنتا تھا اور زیادہ ذکر نہیں کر رہا کہ خود نمائی ہوگی ۔ ورنہ اگر مجھے ان باتوں سے اختلاف نہ ہوتا یا میں "ان کوتاہیوں کے سلسلہ میں شور" نہ کرتا رہتا تو آج یہ سب کچھ نہ لکھ سکتا ۔

بہر حال ابھی یہی چکّر جاری تھا کہ جولائی ۱۹۵۱ء میں بھارت نے ایک دفعہ پھر اپنی فوجیں ہماری سرحدوں پر لا کر بٹھا دیا ۔ ایسا کرنے میں بھارت کے سامنے کئی مقاصد تھے ۔ اوّل ہماری توجّہ کشمیر کی طرف سے ہٹانی تھی ، اور ہمیں اپنے باقی ملک کے بارے فکر مند کرنا تھا۔ دوم بھارت پاکستان کے نئے کمانڈر انچیف کو اُلجھاؤ میں ڈالنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی نیک نامی " کے

کے لئے بھارت کے خلاف خود کوئی اچھی تجویز نہ سوچ لے۔ سوم لیاقت علی کو "سہارا" دینا تھا کہ د
دن بدن کشمیر کے معاملہ کو "کھٹائی" میں ڈالتا جاتا تھا۔ کہیں سیاسی طور پر کوئی اور آدمی اُس کی جگ
آجائے۔

چنانچہ لیاقت علی آگے بڑھا اور "ٹھمکا" دکھانے کا ڈرامہ کیا اور اس طرح قوم کو بے وقوف
چند دن بعد لیاقت، نہرو پیکٹ کر کے قوم کو "امن پسندی" کی ایک اور میٹھی لوری دے دی اور
طرح لیاقت علی خان نے قوم سے "قائدِ ملت" کا خطاب حاصل کر لیا۔ مومن کی فراست سے عا
قوم کے قائدِ ملت بھی ایسے ہی ہوتے ہیں اور یہاں پنجابی کی ایک مثال موزوں ہے "جیسے ک
والے جیسے کھانے والے"۔ اس کا اُردو ترجمہ کچھ ایسا ہے۔ یعنی جہاں پر کھانے والوں کو حرام و
کی تمیز نہ ہو وہاں ذبح کرنے والے بھی خالی گلا ہی کاٹتے ہیں۔ ذبیحہ کے اصولوں سے نابلد ہو
ہیں۔ اصل مطلب یہ ہے کہ جیسی قوم ویسے لیڈر۔

لیاقت علی کی کوتاہیاں

کشمیر کا معاملہ دن بدن کھٹائی میں پڑتا جا رہا تھا۔ گو لیاقت علی نے مشتاق احمد گو
کی "خدمات" حاصل کر لیں تھیں کہ اس معاملے کو دن بدن مشکل بنائے لیکن کچھ لوگ پھر بھی لیاقت
سے نالاں ہو رہے تھے۔ اس لئے لیاقت علی نے ایک اور ڈرامہ کیا کہ وہ لندن میں کامن و
کانفرنس میں تب تک شریک نہ ہو گا جب تک وہاں کشمیر کا معاملہ "زیرِ بحث" نہیں لایا جاتا۔ یہ راز
اُس کے بیٹوں اشرف اور اکبر نے فاش کر دیا کہ وہ پہلے لندن پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں
بتا دیا کہ "ڈیڈی اور ممی" فلاں تاریخ کو پہنچیں گے۔ لیاقت شاید اُس تاریخ کو تبدیل کر کے ا
"معصوم بچوں" کے بیان کو اُن کی "معصومی" پر محمول کرتا، لیکن یہ خبر پاکستان میں "ڈیڈی اور ممی
جہاز میں سوار ہونے کے بعد اخباروں میں شائع ہوئی اور معاملات صرف کشمیر کے معاملے
زیرِ بحث لانے تک "محدود" ہو گئے اور اب تو یہ مسئلہ زیرِ بحث بھی نہیں لایا جا سکتا۔

فیلڈ مارشل ویول کی کتاب پڑھنے سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے کہ انگریز قوم کو لیاقت سے
آدمی پچھلی دو صدیوں میں بھی اس برِاعظم میں میسّر نہیں آیا۔ میر جعفر اور میر صادق پر جلد غداری کا ا
لگ گیا۔ خضر حیات ٹوانہ نے بھی اپنی زندگی میں گالیاں کھائیں لیکن لیاقت علی نے قوم کو امن پ

کی میٹھی لوری" دے کر پاکستان کو ایسا ہی رکھا جیسا انگریز یا ہندو چاہتے تھے۔ انگریزوں اور ہندوؤں میں یہ قدرِ مشترک تھی کہ پاکستان مضبوط نہ ہو جائے۔ ہندوؤں کو خطرہ اپنے معاشرہ سے تھا جس میں متعدد اچھوت یا ذات و پات کا چکر ہے۔ مسلمانوں نے اپنی حکومت کے دوران کسی کو زبردستی مسلمان نہ بنایا۔ اور دُور دراز علاقوں میں ہندو کنوئیں کی مینڈک کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقوں پر چلتے رہے۔ انگریزوں نے اپنے زمانے میں اسلام دشمنی کی وجہ سے ہندوؤں کے ساتھ بہتر سلوک کر کے اُن کو اُوپر اُٹھایا لیکن آزادی کے بعد اور جہاں دُنیا سے تعلقات کے بعد گرے ہوئے پنچ ذات والے ہندو اب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ ویسے بھی ہندوازم کوئی مذہب نہیں۔ عقیدے افسانوی ہیں اور یہ ایک معاشرہ یا سوسائٹی ہے اور ہر جگہ کے دیوتا یا اوتار الگ الگ ہیں۔ اس لئے اپنے مُلک کے دونوں کناروں پر غالب مسلمانوں اور مضبوط پاکستان کے ہندوؤں پہ کئی اثرات ہوتے۔ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے اثرات بھی ہوتے اور ہر کمزور یا گرا ہوا معاشرہ، غالب قوموں کے معاشرہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو اور خاص کر برہمن پاکستان کے خلاف ہیں۔

انگریز، لیاقت اور ہندوؤں کی مشترکہ قدریں

انگریزوں کے اپنے مقاصد ہیں کہ غالب مسلمان یا پاکستان کی وجہ سے بھارت اور پاکستان ایک نہ ہو جائیں۔ بلکہ انڈونیشیا سے مراکو تک مسلمانوں کا "ایک مُلک" نہ بن جائے کہ انگریز کی ساری تجارتی منڈیاں ختم ہو جائیں گی لیکن ہندوؤں کی طرح انگریز پاکستان کو بالکل ختم نہیں کرنا چاہتے۔ اُن کو "لنگڑا" اور "بے دین" یا قادیانی پاکستان کی ہر حال میں ضرورت ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ بھارت بھی "مہابھارت" بن جائے۔

لیاقت علی ایک وقت میں اگر دل سے نہیں تو کم از کم "وقتی" طور پر انگریز اور ہندوؤں کے لئے بہترین آدمی تھا اور ہم پچھلے ابواب میں لیاقت علی کی تمام عملی کارروائیوں سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ اُس نے بعض کام ہندوؤں اور انگریزوں کے اشارے پر کئے۔ اُس نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی بڑی وجوہات تھیں۔ اوّل تو وہ ایسا کر سکتا تھا کہ مسلم لیگ میں بہت بڑی شخصیت یا دوسرے نمبر کا آدمی تھا۔ اور اکثر لیاقت کا جواب ہوتا ہے کہ یہ مصلحت ہے یا حکمتِ بالغہ ہے۔ دوم اُس

کی بیوی بے دین تھی اور وہ بے دین پاکستان چاہتا تھا۔ اُس کی بیوی اُس کے سامنے ترکی، مص
اور ایران کی مثالیں پیش کرتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ لیاقت علی نے شروع شروع میں ان ملکوں کی طر
دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اُن کی نقالی کی۔ سوم لیاقت جوان تھا اور وہ پاکستان پر کئی سال تک
حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو پُرامن طریقہ سے ہندوستا
سے نکال کر کراچی میں آباد کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ہر دفعہ وہاں سے ممبر چُنا جائے۔ پہلے وہ مشرقی
پاکستان کا نمائندہ بن کر پاکستان آیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے ایوب کھوڑو کو وزارتِ اعلیٰ
سے برطرف کرا کے ایک کمزور آدمی پیر الٰہی بخش کو وزیر اعلیٰ بنوایا۔ جب پیر صاحب اس کا
گیم نہ کھیل سکے تو اُن کو ہٹا کر قاضی فضل اللہ کو لے آیا۔ یعنی سندھ کی سیاست میں تما
تفرقہ ڈلوانے کی ذمہ داری لیاقت علی پر آتی ہے۔

لیاقت کی سیاست بازی

پنجاب میں لیاقت علی نے دولتانہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ممدوٹ کو ختم کروایا اور یہاں
گورنر مودی نے لیاقت علی کو وفاداری دکھائی اور تمام تر تفرقہ کا وہ ذمہ دار ہے۔ لیکن
پنجابیوں نے آخر مودی کو بھی برداشت نہ کیا۔ پھر سردار نشتر کو بھیج کر حالات کو سنبھالا دینا پڑ
یہ لمبی کہانیاں ہیں۔ پنجاب میں آخر لیاقت کا دوست دولتانہ کامیاب ہوگیا۔ دونوں نے
اپنے "قادیانی دوستوں" کو ربوہ کی زمین کوڑیوں کے بھاؤ عطا کر دی۔ سرحد میں بھی
خان قیوم اور یوسف خٹک میں جھگڑا شروع کروایا اور ابراہیم جھگڑا کو خان قیوم کے سات
ٹکرا دیا لیکن وہاں لیاقت علی کامیاب نہ ہوا۔ بنگال میں فضل الحق کے لئے قائداعظم کہہ گئے
کہ وہ سیاسی موت مر چکا ہے۔ اُس نے سیاست کے تحت پاکستان ریزولیوشن پڑھی تو سہی
لیکن بعد میں ۱۹۴۴ء میں پاکستان اور مسلم لیگ کی مخالفت کی تھی۔ لیاقت علی اُس کو بھی
واپس مسلم لیگ میں لینے پر تیار ہو گئے تاکہ خواجہ ناظم الدین اور نورالامین کا کوئی مخالف بھی ہو

سہروردی سے خطرہ

البتہ سہروردی کے پاکستان آنے پر وہ خوش نہ تھے۔ اس لئے کہ وہ اُن کے "پایہ" کا آد
تھا اور اُس سے اُن کو خطرہ تھا۔ اُس کے لئے ہ ہ ہ یعنی کُتے کا لفظ تک استعمال کرنے سے

گریز نہ کیا۔ یہ تھی لیاقت علی کی سیاست کہ اُس کو امن اور بیرونی دوستوں کی ضرورت تھی
تاکہ وہ اپنے آپ کو مضبوط کرلے۔

شاہِ ایران کی آمد

لیاقت نے ۱۹۵۰ء میں انگریزوں کی شہہ پر شاہِ ایران کو پاکستان میں مدعو کیا کہ انگریز
امریکہ سے مل کر ترکی، عراق، ایران اور بھارت و پاکستان کو کسی فوجی سمجھوتے کے تحت اکٹھا کرنا
چاہتے تھے۔ غیر ملکی سربراہوں کو خوش آمدید کرنے کے تمام تر طریقے جنرل کاتھورن نے وضع کیے۔
جن کو راقم نے بہت قریب سے دیکھا۔ مجھے بھی شاہِ ایران کا ہر جگہ ہم سفر رہنا تھا۔
میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جنرل کاتھورن کا طوطی بولتا تھا اور اُس کی ہر بات کو حکم سمجھا
جاتا تھا۔ گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین کا ملٹری سیکرٹری، لیاقت علی کا پرائیویٹ سیکرٹری، حتیٰ کہ
پولیٹیکل سیکرٹری نواب صدیق علی خان، سب کو وہ ہدایات دے رہا ہوتا تھا کہ گورنر جنرل اور
وزیراعظم یہ کریں گے وہ کریں گے۔

ماؤزے تنگ سے انگریز کی گھبراہٹ

دراصل انگریز ۱۹۴۹ء میں چین میں ماؤزے تنگ کے آجانے سے بہت گھبرا گئے تھے اور
اسی زمانے میں ٹائمز لندن کا فوجی نمائندہ جنرل مارٹن پاکستان آیا اور جنرل گریسی کا مہمان بنا۔
وہ کسی زمانے میں گریسی کا اُستاد بھی رہا تھا۔ جنرل مارٹن کو ہماری فضائی افواج کا ایک ڈکوٹا
دیا گیا کہ گلگت اور سکردو تک ہو آئے۔ وہاں کچھ چینی آگئے تھے جو تائیوان جانا چاہتے تھے۔
جنرل گریسی کا پرائیویٹ سیکرٹری کرنل اسلم اور راقم بھی اُس کے ہمراہ رہے۔ جنرل مارٹن
کو ایک اخبار نویس نہیں بلکہ وی آئی پی بنایا گیا۔ باتوں باتوں میں مجھے معلوم ہوا کہ مغربی
لابی والے اب جائنٹ انڈو پاکستان ڈیفنس کا سوچ رہے ہیں۔ اس لئے پاکستان کو
ایک طرف ترکی، عراق اور ایران کے ساتھ بہتر تعلقات بنانے کے لئے کہا جا رہا تھا تو
دوسری طرف پاکستان کو کہا گیا کہ وہ فی الحال کشمیر کا مسئلہ "سرد خانے" میں ڈال دے
تاکہ بھارت کو راضی رکھا جائے۔

پُرانے لوگوں کو یاد ہوگا کہ شروع شروع میں انگریزوں کا رویّہ کشمیر کے سلسلہ میں اتنا خراب

نہ تھا اور دریائے چناب سے مغرب تک کا علاقہ اور وادی وہ پاکستان کو دلوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن چین میں کمیونسٹ حکومت آجانے کے بعد بھارت کی "قدر" مغربی دنیا میں بڑھ گئی۔ جنرل فرانسس ٹکر نے متحدہ پاک بھارت دفاع پر ایک مضمون لکھا۔ جنرل گریسی نے کرنل شہباز کو حکم دیا کہ اس مضمون کو ملک کی تمام اخباروں میں شائع کروایا جائے۔ کرنل شہباز نہ "ہاں" کر سکتا اور نہ انکار۔ لیکن میجر خالد علی نے ایک اچھا مشورہ دیا کہ مضمون فوجی جرنیل یا فوجیوں تک محدود رکھا جائے۔ اگر اخباروں میں ایسا مضمون شائع کیا گیا تو سخت ردِ عمل ہوگا کہ جوناگڑھ، کشمیر اور حیدر آباد کے غاصبوں کے ساتھ ہم کیسے محبّت کی پینگیں بڑھائیں۔ اُس وقت تک قوم میں کچھ غیرت تھی لیکن بعد میں ایوب خان کے زمانے میں ایوب خان نے از خود بھارت کو متحدہ دفاع کی پیشکش کر دی تو قوم میں سے ایک آواز بھی نہ اُٹھی۔ ہاں البتہ نہرو کے جواب سے ہمیں کچھ ندامت ضرور ہوئی۔ اُس نے کہا "کس کے خلاف دفاع کرتے ہو؟"

دوسرے لفظوں میں اُس نے دبی زبان میں یہ بھی کہہ دیا کہ دشمن تو ایک دوسرے کے ہم ہیں۔ آپ کس اور کے خلاف دفاع کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے احساسِ زیاں کو کس طرح لیاقت علی نے ختم کیا یا احساسِ زیاں ختم کرنے کی بنیاد باندھی اُس پر کافی بحث اور تبصرہ ہو چکا ہے۔ شاید یہ شعر ہم پر بھی صادق آتا ہے:

مگر یہ راز آخر کھُل گیا سارے زمانے پر
حمیّت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے (اقبال)

لیاقت اور منافقت

لیاقت علی کے سلسلہ میں کہانی لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ میری مجبوری ہے کہ میں واقعات کے نتائج اور اُن کے اثرات کے جائزے پیش کر کے یہ ثابت کر رہا ہوں کہ لیاقت علی نے ایک طرف اگر قائدِ اعظم کو "بے ہتھیار" کر کے مایوس کیا تو دوسری طرف اس کی تمام تر کارکردگی بڑی حد تک ایسی تھی کہ ہندوؤں اور انگریزوں کے مقاصد پورے ہوتے رہے۔ راقم کو یاد ہے کہ ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ نے حکومت میں شرکت کی تو ہندو پریس نے اگر کسی کے ساتھ کچھ "اُمیدیں وابستہ" کیں تو وہ لیاقت علی تھا۔ بھولا بھائی، لیاقت پیکٹ بھی لیاقت علی

نے قائدِاعظم کی صلاح کے بغیر کیا تھا۔ لیکن قائدِاعظم نے نظریۂ ضرورت کے تحت لیاقت علی کو معاف کر دیا۔ راقم نے پہلے باب میں گزارش کی تھی کہ مسلم لیگ میں کئی انگریزکے آدمی ہوں گے تو اسی طرح کانگرس یا ہندو کے ساتھی بھی مسلم لیگ میں ہو سکتے تھے لیکن ہمارے لئے جو بھی پاکستان کے لئے کام کرتا تھا وہ "فرشتہ" تھا۔ حضور پاکؐ نے بھی عبداللہ بن ابی کے ساتھ گزارہ کیا یعنی منافقوں کے ساتھ مجبوراً گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بالکل نہ ماننے والے یعنی کافروں کے ساتھ گزارہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جن لوگوں نے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا یا اب بھی نہیں کرتے وہ خواہ ہندو ہوں یا ولی خان تو اُن کے ساتھ گزارہ مشکل ہے۔ اس لئے ولی خان کو ناراض نہ ہونا چاہیے کہ ہم لیاقت علی اور ظفر اللہ کے ساتھ کیوں گزارہ کرتے رہے۔

اقدار کی پامالی

نام تو زیادہ غلام محمد کا بدنام ہے جس کا ذکر بعد میں ہوگا لیکن من مانی، سیاست بازی، تفرقہ، غیروں سے شناسائی، شعبدہ بازی اور آنکھوں میں دھول، لادینیت، غیروں کی ثقافت یہ سب لیاقت لایا۔ اسلام سے دُوری یعنی زندگی کے ہر پہلو کی اسلامی قدروں کو جس طرح لیاقت علی نے پامال کیا اُس کی مثال نہیں ملتی۔ اب مجھ سے سوال ہوگا کہ آخر لیاقت علی کو پاکستان کو کمزور رکھنے میں کیوں دلچسپی تھی؟ تو تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ مضبوطی میں بڑے "خطرات" ہوتے ہیں یا ہنی بال، بایزید یلدرم اور سلطان ٹیپو جیسے آدمیوں کی مضبوطی وقتی طور پر کام نہ آئی اور لیاقت علی جن کے حساب سے زندگی فراڈ تھی اُن کا بھی وہی حشر ہوتا جو ایوب اور یحییٰ کا "مضبوطی" کا مظاہرہ کرنے پر ہوُا۔ البتہ اصول یہ ہے کہ مضبوط قوم کا مضبوط لیڈر اگر مضبوطی دکھائے، اور خود مار بھی کھا جائے تو قوم نہیں "مرتی"۔ جیسے نپولین اور ہٹلر کی قومیں اب بھی "زندہ" ہیں اور اسلام میں تو حضور پاکؐ نے جنگِ اُحد کے بعد ابوسفیان کے زبانی چیلنج کو قبول فرمایا۔ آپؐ اگلے سال بدر کے مقام پر موجود تھے اور ابوسفیان نہ آیا۔ صلح حدیبیہ جس کو امام بخاریؒ بھی جنگِ حدیبیہ کہتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں اس کے نتیجہ کو فتح کہا گیا ہے۔ لیکن اب ہم "امن پسند" ہو گئے ہیں۔ اس لئے صلح کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کی مثال بھی واضح ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ سُننے کے بعد سولہ سو صحابہ کرامؓ نے شہادت پر بیعت کی جس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ کیا حضور پاکؐ اِتنے

مضبوط تھے کہ مکّہ والوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کو تیار ہو گئے ؟ ۔ نہیں دل کی مضبوطی چاہیئے جو
مرنے کے لئے تیار ہو وہ نہیں "مرتا"۔

جنگِ شاہاں جہاں غارت گری است
جنگِ مومناں سُنّتِ پیغمبری است

لیاقت کی شعبدہ بازی

لیاقت علی کی دو کارروائیوں نے جتنا ہمارا نقصان کیا اُس کا خمیازہ ہم آج بھی بھگت رہے ہیں ۔ اوّل قراردادِ مقاصد جو ۱۹۴۹ء میں اسمبلی میں پیش کر کے اپنی "اسلام پسندی" پر واہ واہ کروائی ۔ اور قوم جو اسلامی قانون کی رٹ لگا رہی تھی اُس کا مُنہ "بند" کیا ۔ ساتھ ہی عوام کو خلیفۃ اللہ بنا دیا کہ ہم اللہ کے نائب ہیں اور ہم اللہ کی طرف سے قانون بنائیں گے ۔ اکبر بادشاہ نے خلیفۃ اللہ بننے کی کوشش کی تو اُس پر کُفر کے فتوے لگے ۔ جنابِ صدیق اکبرؓ تو خلیفۃ الرسولؐ تھے اور جناب فاروقؓ تو اپنے آپ کو خلیفہ ۔ الخلیفۃ الرسولؐ کہتے تھے ۔ اور پھر الفاظ کی لمبائی کی وجہ سے امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا لیکن یہاں لیاقت علی نے عوام کو اللہ کا شریک بنا دیا (نعوذ باللہ)

قارئین ! دین مکمل ہو چکا ہے ۔ اور اب اُس کو جاری کرنے کی ضرورت ہے ۔ مشورہ امر میں ہے نہ کہ قانون بنانے میں ۔ اس لئے قانون ساز اسمبلی ۔ مقننہ وغیرہ سب غیر اسلامی اصطلاحیں ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہم نے جتنے قانون بنائے اُن میں سے کوئی ایک بھی نہ چل سکا ۔ لیاقت علی اور اُس کے "حواری" قوم کو ایسی بھول بھلیوں میں ڈال گئے کہ قوم اب تک صراطِ مستقیم پر واپس نہیں آئی ۔ تفصیل آگے آئے گی ۔

لیاقت علی کی دوسری کارروائی ربوہ والا المیہ ہے کہ اُس نے پنجاب کی حکومت اور خاص کر اپنے "رفیقِ خاص" دولتانہ کی مدد سے قادیانیوں کو ربوہ کی زمین دلوائی ۔ وہاں ایک مرکز بنا جہاں سے جھوٹے نبی کی نبوّت کا پرچار ہوتا ہے ۔ لیاقت علی اور دولتانہ یومِ آخرت میں اللہ تعالےٰ کو کیا جواب دیں گے ۔ اور جو لوگ لیاقت علی کو شہیدِ ملّت کا خطاب دیتے ہیں شاید اُن کی آنکھوں سے ربوہ والی بات اوجھل ہے لیکن خیر شہادت اللہ اور رسولؐ کے لئے ہوتی ہے قوم کے لئے نہیں ہوتی ۔ اس لئے خطاب ہی صحیح نہ ملا ۔

لیاقت کا قتل

لیاقت علی کیسے قتل ہُوا اور کس نے اُسے قتل کیا۔ راقم ایسی تحقیق میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ ہی یہ کہوں گا کہ لیاقت جس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا، اُس کو قتل ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ سید اکبر لیاقت علی کا قاتل نہ تھا۔ اُس کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ جسٹس منیر کی اکثر کارکردگیوں سے راقم کو اختلافات ہیں۔ خاص کر اُس کی کتاب جناح سے ضیا تک، اور قادیانیوں کے سلسلہ میں انکوائری کے وقت اُس نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ لیکن آدمی سمجھدار تھا۔ کوئی نہ کوئی سچی بات بھی کر جاتا تھا۔ لیاقت کے سلسلہ میں ایک نجی محفل میں کہہ گیا تھا کہ اُس نے زیادہ چھان بین نہیں کی کہ "دو شہید" ہو جاتے۔ دوسرے سے اُس کی مُراد سید اکبر تھا۔

سید اکبر نے اپنے استخارہ میں خود کو شہید دیکھا اور یہ بات اُس کی ڈائری میں بھی لکھی ہوئی تھی۔ بہرحال لیاقت علی کو جنہوں نے قتل کرایا اُنہوں نے ہی آگے ناظم الدین کے سر پہ "وزیرِاعظم کا تاج" رکھا۔ یہ کون تھے، آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن اُن میں سے آج شاید کوئی بھی زندہ نہیں۔

میں جس بات کی طرف آنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کسی صاحبِ دل نے لیاقت کے قتل سے ایک دن پہلے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا جنازہ جا رہا ہے۔ اُس نے پُوچھا کہ کس کا جنازہ ہے تو جواب ملا "تمہارے نظام کا"۔ دوسرے دن اُس صاحب نے لیاقت علی کا جنازہ دیکھا جو اُس کے خواب والے جنازہ کے متشابہ تھا۔ اُس وقت تو بات سمجھ میں نہ آئی کہ ہم گو لیاقت علی کو "قائدِ ملت" تو نہ سمجھے ہوئے تھے لیکن ہمارے خیال کے مطابق اِتنا گیا گزرا ہُوا بھی نہ تھا۔ اب بات سمجھ میں آتی ہے کہ لیاقت علی جو نظام لانا چاہتا تھا اور بیگم لیاقت علی کی زنانہ مسلم لیگ کا جنازہ تو نکل گیا۔ البتّہ ہم ابھی بھی بھٹکتے پھر رہے ہیں کہ "تاشقند" کے یہ اصلی راز ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

لیاقت علی نے پانچ سال حکومت کی لیکن مُلک کا ایک مسئلہ بھی حل نہیں کیا۔ قوم میں اُس وقت جوش و خروش تھا اور اُسے منظّم کیا جا سکتا تھا اور ہم ایک ایسی طاقت بن سکتے تھے کہ بھارت کو ہندوستان کے مسلمانوں کے خون کے ساتھ ہولی کھیلنے کی ہرگز ہمّت نہ ہوتی

لیکن افسوس لیاقت نے قوم کا رُخ مادیت کی طرف کر دیا کہ ہم دولت اکٹھی کر کے عروج حاصل کریں گے ۔ افسوس ! یہ غلط فلسفہ ہے

سبب کچھ اور ہے تُو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

(اقبالؒ)

ایوب خان اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" میں رقمطراز ہے کہ کشمیر کی جنگ میں کچھ جونیئر لوگوں کو بڑی بڑی کمانڈیں مل گئیں اور کامیابی کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو کچھ "سمجھنا" شروع کر دیا ۔ ایسے لوگوں کو اپنے "مقام" پر لانے کی ضرورت تھی ۔ اور نہ صرف ایوب خان اُن کو اپنے "مقام" پر لے آیا ۔ بلکہ یہ سلسلہ لیاقت کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا ۔ اور شاید ایوب خان کو یہ پٹی لیاقت نے انگریزوں کے اشارے پر پڑھائی ۔

لیاقت کے زمانے میں کشمیر کی جنگ میں بہادری کرنے والوں میں سے کسی کو کوئی بہادری کا تمغہ نہ دیا گیا بلکہ یہ تمغے لیاقت علی کے مرنے کے بعد دیئے گئے ۔ اور لیاقت نے کشمیر کے تجربہ سے فائدہ اُٹھانے کی بالکل اجازت نہ دی بلکہ کشمیر کو ایک معمولی اور ثانوی مسئلہ بنا دیا ۔ کتاب میں آگے چل کر ذکر آئے گا کہ ہماری فوج میں وہی لوگ چھائے رہے جن کو نہ دوسری جنگِ عظیم کا کوئی تجربہ تھا اور نہ کشمیر کی جنگ میں حصہ لیا تھا ۔ راقم بہت جونیئر تھا اور مجھے بھی جنگی مشقوں کے پوسٹ مارٹم سے دُور رکھا جاتا تھا کہ "ہمارے بڑے" جنہوں نے ریت کی بنیاد پر قلعے بنائے ہوئے تھے ، اُن کو مجھ جیسوں یا کشمیر کی جنگ کے مجاہدین سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا ۔ اور اس سب کی ذمہ داری لیاقت پر آتی ہے کہ اُس نے ہم کو اصل شاہبازی سے دُور رکھا :

؎ وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

اقبالؒ

پانچواں باب

سیاسی افراتفری اور افواج کی سیاست میں شمولیت

لیاقت علی نے جس طرح حکومت کی، اگر وہ قتل نہ بھی ہوتا، تو اس کو جانے کے بعد ملک میں افراتفری کا ہونا لازمی تھا۔ یہ تو ہماری قوم کا صبر ہے کہ انہوں نے لیاقت جیسے آدمی کو اتنا عرصہ برداشت کیا۔ بیگم لیاقت کی لادینیت کو خاموشی سے دیکھا۔ تمام معاشیات کو کراچی کے تابع ہوتے دیکھا اور لیاقت ملک کو مغرب کی جھولی میں ڈال گیا۔ جس سے اب بھی نہیں نکل سکے۔ چنانچہ لیاقت کے بعد کوئی آجاتا۔ اس نے ناکام ہونا تھا۔

ناظم الدین

بہرحال اب ناظم الدین آگے آتے ہیں۔ گورنر جنرل کا کام چھوڑ کر خود وزیر اعظم بن گئے۔ غلام محمد پر اکثر ناراضگی کی جاتی ہے کہ اس نے خواجہ ناظم الدین کو برخاست کیوں کیا۔ وہ کارروائی غیر قانونی تھی۔ لیکن کیا ناظم الدین کی کارروائی قانونی تھی کہ خود وزیر اعظم بن بیٹھا؟ بہرحال ناظم الدین جو اس زمانے میں "قائدِ قلت" کے نام سے موسوم ہو گئے۔ کافی کمزور آدمی تھے اور حکومت چلانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ پھر لیاقت علی ان کے لئے ہزاروں مسائل چھوڑ گئے۔ اور ناظم الدین کسی مسئلہ پر فیصلہ دینے کی بجائے۔ فائل کو دیکھ کر رکھ چھوڑتے تھے۔ اس طرح شاید گیا ہو۔ لیکن اکثر مشہور کیا جاتا ہے کہ ان کا دفتر فائلوں سے بھر گیا تھا اور ان کا انبار ناظم الدین کے سر سے اونچا ہو جاتا تھا۔

بنگلہ دیش

اب ناظم الدین وغیرہ کا علاقہ پاکستان سے الگ ہو کر بنگلہ دیش ہے۔ تو آئیے اس سلسلہ میں کچھ تبصرے ہو جائیں۔ اس المیہ کی ذمہ داری کسی ایک آدھ آدمی کے سر نہیں ڈالی جا سکتی۔ اور ہماری پوری قوم قصوروار ہے۔ ہاں البتہ یہ المیہ سیاسی زیادہ ہے اور فوجی کم۔ اور بے شک فوجیوں کو "قربانی کا بکرا" ضرور بنایا گیا۔ کہ ان کی بے عزتی بھی ہوئی اور سارا قصور ان کے سر تھوپ دیا گیا

راقم نے کھلے الفاظ میں بھرے ایوب ہال میں مسٹر بھٹو کو چیلنج کیا کہ یہ بات ایسی ہے - یہ واقعہ چونکہ فروری ۱۹۷۲ء کا ہے تو اس کی تفصیل بعد آئے گی - یہاں پر ہم صرف اسی پر اکتفا کریں گے کہ دونوں علاقوں کا اتحاد اسلامی فلسفہ حیات کی وجہ سے تھا - جب مغربی پاکستان میں غیر اسلامی فلسفے یعنی مغربی جمہوریت ہمارے ایمان کا حصہ بن گئے تو مشرقی پاکستان والوں نے جغرافیائی نیشنلزم اور طبقاتی سیاست اپنا لی - اسی لئے ہم سب قصوروار ہیں - لیکن تاریخ کے تانے بانے ملانے کے لئے جو کچھ راقم نے آنکھوں سے دیکھا اس کا بیان ضروری

پس منظر

مجھے پہلے پہل فروری ۱۹۴۷ء میں کلکتہ جانے اور وہاں قیام کرنے کا موقع ملا - اور سب سے پہلی چیز جس پر نظر پڑی وہ ایک مسلمانوں کی بڑی عمارت پر بہت موٹے لفظوں میں اردو میں یہ لکھا ہوا دیکھا "ہماری قوم مسلمان - ہمارا ملک پاکستان - ہماری زبان اردو" سرکاری ملازمتوں میں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر تھے لیکن وہ اپنے آپ کو بنگالی نہ کہتے تھے - صرف مسلمان کہتے تھے - ان کا لباس بھی ہندوؤں سے الگ تھا اور سب اردو بولنے کی کوشش کرتے تھے - اس کے بعد مجھے سارا بنگال دیکھنے کا موقعہ ملا اور اسلام کے لئے جو محبت میں نے ان لوگوں کے ہاں دیکھی - وہ یاد کر کے اب بھی میرے آنسو جاری ہو جاتے ہیں خاص کر کومیلا شہر کے دو مسلمان بچے جو ہمارے دفتر میں پنکھا کھینچتے تھے - ان کی یاد میں کبھی نہیں بھول سکتا - اس زمانے میں بجلی محدود شہروں میں تھی اور کومیلا شہر کے صرف دسویں حصہ میں بجلی تھی - میں جب کبھی وہاں جاتا تھا، تو ان مسلمان بچوں کے لئے میں "پیر و مرشد" تھا کہ انہوں نے اپنے دفتر میں پہلا مسلمان دیکھا جو کرسی پر بیٹھتا تھا اور ان سے اسلامی اخوت والا پیار کرتا تھا -

کلکتہ اور مسلم لیگ کا دفتر

بہر حال اس زمانے میں کلکتہ میں مسلم لیگ سرکل ذکریا سٹریٹ کے مسلمانوں اور مارننگ نیوز اخبار کے ساتھ بھی ہم نے اسلامی تعلق استوار کر لئے تھے - اور ہمارا دفتر یعنی محکمہ تعلقات عامہ اپنے افسروں کو نجی زندگی کے ایسے تعلقات سے منع نہ کرتا تھا - بلکہ ہمارے ہندو افسر تو ہر شام کسی کانگرسی کے گھر گزارتے تھے - اس زمانے کی ایک کہانی البتہ دلچسپ ہے کہ ۱۹۴۶ء کے شروع میں قائد اعظم کلکتہ تشریف لے گئے اور دھرم تلہ کے میدان میں انہوں نے ایک تقریر کرنا

تھی - میرے چند امریکن دوست اور میرے چند ماتحتوں کے ساتھ ہم بھی سویلین کپڑے پہن کر اس جلسہ میں شریک ہو گئے قائد اعظم کے بارے جو پہلے تصور بنایا ہوا تھا - آپ اس سے بھی بہت بلند نکلے اور تقریر میں ہمارے آنسو کی لڑیاں بہا دیں جو جذبہ، یاس و امید کے علاوہ ندامت کے آنسو بھی تھے کہ ہم کتنی نالائق قوم ہیں - میرے امریکن دوست تو یہ کہہ کر ہم سے جدا ہو گئے کہ یہ شخص آپ کو پاکستان لے دے گا - اور ہم ٹرام کے انتظار میں ایک جگہ رک گئے -

بنگالی مسلمان

وہاں پر چند ہندو بنگالی زبان میں قائد اعظم کے خلاف کچھ نازیبا الفاظ استعمال کر گئے - ایک بنگالی جو اپنے لباس سے مسلمان معلوم ہوتا تھا، ان کے ساتھ الجھ گیا - اور جو کچھ ہم سمجھے اس نے ان کو کہا "کہ ہم تمہارے لیڈروں کا نام عزت سے لیتے ہیں تم ہمارے لیڈر کا نام بھی عزت سے لو ورنہ بکواس بند کرو"۔ ہندو بنگالیوں نے پہلے تو کچھ سخت زبان استعمال کی کہ وہ مسلمان اکیلا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کو خوب ماریں گے کہ بنگالی مسلمان نے کہا کہ خدا مسلمان کی مدد کرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا - یہ الفاظ سن کر بنگالی ہندوؤں نے اس پر حملہ کر دیا میرے ماتحت اس کو برداشت نہ کر سکے اور حملہ آوروں کو ایک ایک تھپڑ رسید کر دیا - جس سے وہ کچھ زمین پر گر گئے - لیکن زیادہ تر وہ ہمارے پاؤں پر گرے ہوتے تھے اور کہتے تھے "کہ باپو غلطی ہو گئی معاف کر دو"۔ اور وہ مسلمان ان کو کہہ رہا تھا کہ دیکھا اللہ تعالٰی کیسے مسلمان کی مدد کرتا ہے"۔

اس واقعہ میں جہاں مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی قائد اعظم سے عشق اور اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کا اظہار ہے وہاں اصلی بات یہ ہے کہ ہندو بنگالی، مسلمان بنگالیوں کو نو خاطر میں نہ لاتے تھے لیکن پنجابی یا پٹھان کا نام سن کر وہ کانپ جاتے تھے - اور پاکستان کا نام سن کر وہ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے - یہ کلکتہ کی حالت تھی - باقی مشرقی پاکستان میں نشور جیسی جگہ میں مشرقی پاکستان کے بنگالی مسلمان سابق گورنر عبدالمنعم خاں ہندوؤں کے بنگلوں میں جوتی پہن کے داخل نہ ہو سکتا تھا تو وہ لوگ پاکستان کے نام سے اس لیئے خائف تھے کہ علاقہ میں مسلمانوں کی حکومت ہو گی - اور پنجابی و پٹھان بنگالی مسلمان کی مدد کو موجود ہوں گے - بہر حال جہاں یہ چھوٹا سا واقعہ ہوا - اس کا نقشہ اب بھی میرے ذہن میں ہے - اور کلکتہ کا فورٹ ولیم بھی وہاں سے نزدیک ہی ہے - یہ وہی فورٹ ولیم ہے جس کا ذکر آپ نے کرنل صدیق سالک کی کتابوں میں پڑھا ہو گا، کہ سرو قد سالک یا نیازی اور اس جیسے کئی اور آدمیوں

کو جب بنگالیوں نے اس قلعہ میں پایہ جولاں دیکھا ہو گا تو حیران ہوئے ہوں گے وہ پاکستان کے نام سے اتنا کیوں ڈرتے رہے ۔ اور یہ ذکر کر کے میرا سر ندامت سے جھک رہا ہے ۔

بنگال میں تعیناتی

اس کے بعد راقم کو ۱۹۵۱ء میں دوبارہ بنگال جانا پڑا ۔ اور کومیلا چھاؤنی میں مقیم ہوا ۔ جہاں کے پنکھا جھولنے والے دو بچے ، آج بھی میرے خیالوں میں دو ستاروں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں ۔ لیکن افسوس کہ ۱۹۵۱ء میں ایسے لوگ کم نظر آئے ۔ اب محبت کی جگہ رقابت اور حسد نے لے لی تھی ۔ ظاہر ہے انگریزی طرز حکومت میں ہم لوگ "بڑے صاحب لوگ" تھے اور بنگالیوں میں کچھ "چھوٹے صاحب لوگ" تھے اور کچھ نوکر لوگ ۔ سب لوگ یہ چاہتے تھے کہ ایک ہی دن میں سب لوگ "بڑے صاحب لوگ" بن جائیں ۔ وہی رانی محل جہاں کسی زمانے میں چودھویں آرمی کے کمانڈر جنرل سلم کا ہیڈ کوارٹر تھا ۔ آج ایک نیشنل گارڈ کا افسر ٹریننگ سکول بنا ہوا تھا ۔ جہاں پر ہمارے میجر شریف ۔ کچھ بنگالیوں کو "چھوٹے صاحب" بننے کی تربیت دے رہے تھے ۔ اور میجر شریف گو بڑے نمازی پرہیز گار تھے لیکن تربیت کے وہی طریقے اپنا رہے تھے جو انگریزوں نے ہم پر اپنائے تھے ۔ میجر شریف کو یاد نہ رہا تھا کہ یہ طریقہ بنگالیوں نے ۱۸۵۷ء میں رد کر دیا تھا ۔ چنانچہ "غدر" ہو گیا ۔ ہمارے کرنل صاحب اب یا تو میجر شریف کی جگہ خود جاتے یا بریگیڈ کو رپورٹ کرتے اور اس میں یونٹ کی بے عزتی تھی کہ ہماری یونٹ یہ کام آدھے مشرقی پاکستان کے لئے کر رہی تھی چنانچہ وہاں پر عارضی طور پر راقم کو بھیجنے کی سفارش ہو گئی حالانکہ میں تو صرف لفٹین تھا ۔ لیکن میری تاریخ کی واقفیت اسلام ۔ اور پاکستان بننے سے پہلے بنگالیوں کے ساتھ تعلقات کام آئے اور خدا کے فضل سے حالات کو سنبھال مل گیا اور وہ "غدر" ٹھیک ہو گیا ۔

زبان کا جھگڑا

لیکن ۱۹۵۲ء کے شروع میں سارے مشرقی پاکستان میں "غدر" ہو گیا اور ڈھاکہ کے حالات قابو سے باہر ہو گئے ۔ زبان کا جھگڑا تھا ۔ اور ڈھاکہ میں کوئی پلٹن نہ تھی ۔ بہاری پولیس اور ایسٹ پاکستان رائفلز نے گولی بھی چلا دی ۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور پروفیسر غلام اعظم دو نوجوان لیڈر تھے ۔ انہوں نے نورالامین کی حکومت کا تختہ الٹنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ۔ اور گو صرف چھ سات بنگالی مارے گئے ۔ لیکن ان کی "شہادت" کے ایسے گن گائے کہ سارے مشرقی پاکستان سے نوجوانوں نے ڈھاکہ کا رخ کر دیا ۔

جنرل محمد موسیٰ جی او سی تھے انہوں نے ہماری پلٹن کو ڈھاکہ بلالیا۔ جہاں ڈھاکہ شہر کو مجھ چھوٹے سے لفٹین کو دے دیا کہ کرنل سردار محمد افضل سے چارج سنبھال لوں۔ کہ ان کے پاس ملی جلی کوروں کے کوئی سات آٹھ سو نفری تھی۔ اور میرے پاس صرف سو نوجوان تھے۔

میرے ھتھیار

میرے پاس سب سے بڑا ہتھیار اسلام اور میری زبان تھی۔ اور خدا کے فضل سے بارہ گھنٹوں کے اندر حالات پر قابو پالیا۔ جنرل محمد موسیٰ نے صبح ہوتے ہوئے مجھے سیدھا فون کر دیا۔ اور حالات پوچھے۔ جواب دیا کہ بالکل قابو میں ہیں۔ جنرل صاحب نے پوچھا کتنے آدمی مارے ہیں۔ جواب دیا "ایک بھی" نہیں۔ کہنے لگے "پھر حالات کیسے کنٹرول کئے"۔ عرض کی "زبان سے" کہنے لگے۔ عجیب بات ہے میں آرہا ہوں"۔ حالات اتنے بہتر ہو گئے کہ جنرل موسیٰ کی کار جہاں سے گذری لوگوں نے پاکستان زندہ باد اور پاک فوج زندہ باد کے نعرے لگائے۔ جنرل محمد موسیٰ کو تسلی ہو گئی لیکن حکم دیا کہ دو دن اور مجھے ہی ڈھاکہ شہر کا کمانڈر ہونا ہو گا۔ اور شاید زیادہ دیر رکتے، کہ جنرل یحییٰ کے "سایہ" جنرل حمید جو اس زمانے میں بریگیڈیئر تھے۔ وہ بھی حالات دیکھنے اور مجھے ملنے چلے آئے کہ انہی دنوں مشرقی پاکستان میں نئے نئے تبدیل ہو کر آئے تھے۔ میں لگاتار دو دن رات میں کسی ایک وقت میں پانچ منٹ سے زیادہ نہ سو سکا تھا۔ اور انہوں نے رپورٹ دی کہ لفٹین صاحب زیادہ دیر "گذارہ" نہ کر سکیں گے۔

سبق نہ سیکھا

لیکن افسوس کہ کسی نے سبق نہ سیکھا۔ حالات تو میرے اسلام کے "لبادہ" نے کنٹرول کئے تھے جو میں نے "اوڑھ" لیا تھا۔ نہ کہ میں نے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ڈنڈے سے کنٹرول کئے کہ افسر بڑا Hard Task Master تھا۔ آخری دفعہ یہ "ڈنڈا" ہم نے ۱۹۷۱ء میں بھی استعمال کیا۔ اب یہ دو خطے کیسے اکٹھے رہ سکتے تھے۔ سول سروس میں سے عزیز احمد قسم کے لوگ ہر بنگالی کو Less Human (کم تر انسان) سمجھتے تھے۔ بے شک ہر بنگالی احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اس کی گھٹی میں ہے کہ وہ کسی سے "نفرت" ضرور کرے۔ پہلے وہ ہندوؤں سے نفرت کرتا تھا۔ لیکن اس کے ہندو استادوں نے اس کی نفرت کا رخ ہماری

طرف پھیر دیا۔ اگلے بیس سال وہ لوگ کس طرح پاکستان کا حصہ بنے رہے۔ یہ معجزہ ہے
نہیں۔ اور دونوں خطوں میں چند لوگوں کی اسلام کی وابستگی کی وجہ سے کام چلتا رہا۔

کوئی ناانصافی نہیں ہوئی

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مشرقی پاکستانیوں کے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی اور وہاں کوئی ترقی نہیں ہو
یہ سراسر شرارت ہے۔ راقم ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کو "دیکھنے" کے لئے پھر آخری دفعہ وہاں گ
جس کا ذکر بعد میں ہوگا۔ ان بیس سالوں میں اس خطہ میں ذرائع آمد و رفت، رہن سہن، علم، پیداو
اور زندگی کے ہر شعبہ میں مغربی پاکستان سے مقابلتاً اگر جائزہ لیا جائے، کہ یہاں کیا کچھ تھا کیا کچھ ہوا، تو مشرقی پاکستا
میں ترقی دوگنا ہوئی تھی اور آئندہ کے تاریخ دان تسلیم کریں گے کہ بنگالی مسلمانوں کے لئے پاکستان کا زمانہ
"سنہری زمانہ" تھا۔

طبقاتی نفرت

قائدِ اعظم شاید جانتے تھے کہ دونوں ملک اکٹھے نہ رہ سکیں گے کہ انہوں نے سہروردی کو اجازت
دی تھی کہ سرت چندر بوس کے ساتھ مل کر اگر سارے بنگال اور آسام کے کچھ حصوں کا ایک الگ ملک
بن سکے تو انہیں اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن صرف مشرقی بنگال اس زمانے میں ایک ملک بن کر نہیں رہ سک
تھا۔ حالانکہ قادیانی تو پہلے دن سے یہ چاہتے تھے کہ وہ ملک ہمارے ساتھ نہ ہو کہ وہاں کوئی قادی
نہ تھا۔ قائداعظم نے کوشش کی کہ اسلام کے رشتہ سے مشرقی بنگال کو سہارا دیا جائے۔ لیکن لیاقت علی
اور اس کے حواریوں نے جو لادینیت پھیلائی تو آگے ۱۹۵۲ء میں واضح ہو گیا تھا کہ طبقاتی نفرت
کام کر گئی ہے۔ اب معاملات ان لوگوں کے ہاتھ میں جا رہے تھے جو سیاسی شعبدہ بازی کے ماہر تھے۔
حالات کی یہ بگڑی اپنی شکل میں اس زمانے میں عروج پر آئی جب کہ ایک بنگالی وزیرِ اعظم تھا۔ اور
اگر بنگالیوں کو اسی طرح سیاسی اونچائی ملتی رہتی تو مشرقی پاکستان دس سال پہلے یا ۱۹۵۵ء ہی میں "بنگلہ دیش"
بن گیا ہوتا۔ لیاقت علی کی غیر اسلامی پالیسی البتہ ہر جگہ رنگ لا رہی تھی اور خمیازہ ناظم الدین بھگت رہا
تھا۔ مغربی پاکستان میں کیا ہو رہا تھا۔ آگے ذکر آتا ہے۔

> کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے ؟ فقیہہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی ! (اقبالؒ)

فضل حق نے جب ۱۹۴۱ء میں قائدِ اعظم سے بغاوت کی تو طنزاً[1] کہتا تھا "جناح میرا مقابلہ نہیں کر

---

[1] یہ الفاظ فضل الحق کے لہجہ میں لکھے گئے ہیں۔

سکتا - میں تو سیاست میں نہرو کو بھی پاکٹ میں ڈال سکتا ہے‘‘ اسی فضل حق کو بیانت نے گلے لگالیا -

آزاد کشمیر میں

۱۹۵۲ء میں راقم بنگال سے واپس آیا تو آزاد کشمیر چلا گیا - اور وہاں یہ افسوس ناک حالات دیکھے کہ ۴۸ - ۱۹۴۷ء کے مجاہدین کو اب ہم اپنی طرح کے ’’ انگریزی سپاہی‘‘ بنا رہے تھے - ان لوگوں نے اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت لڑائی کے جو عملی گر سیکھے تھے - اس کے تحت چند جوان بھارت کی کسی بڑی سے بڑی چوکی کو ختم کر کے ایک دن میں واپس آسکتے تھے - ایک مجاہد کو خواب آیا کہ بھارت نے حملہ کر دیا ہے - اس نے اس کو سچ سمجھ لیا - اور نیم خوابگی کی حالت میں مقبوضہ علاقے میں داخل ہو گیا - دو تین دن کے بعد واپس آیا اور دو رائفلیں پاس تھیں اور کہنے لگے کہ ایک چھری مل گئی تھی ، اس کی مدد سے کئی بھارتیوں کو واصلِ جہنم کیا - لیکن زیادہ رائفلیں نہ اٹھا سکتا تھا - اس لئے صرف دو رائفلیں لے آیا -

غلط تربیت اور غلط استعمال

۱۹۴۹ء کی فائربندی کے بعد اگر ان مجاہدوں کو صرف نئے ہتھیار سکھلا دیتے اور تدبیرات کے لئے ان کے جنگ کے تجربہ پر اکتفا کرتے تو ۱۹۵۱ء تک یہ لوگ بھارت کی پکی فوج کا مقبوضہ کشمیر میں ناک میں دم کر دیتے اور یہ تھے ’’ اصلی گوریلے‘‘ جن کے ڈر سے بھارت والے کب کے کشمیر کو چھوڑ چکے ہوتے لیکن ہم نے ان مجاہد گوریلوں کو اپنی طرح ’’ انگریزی سپاہی‘‘ بنادیا اور تیرہ چودہ سال بعد جنرل اختر ملک نے ان سے وہ کام لینا چاہا جو وہ ’’بھول‘‘ چکے تھے - حالانکہ ۱۹۵۴ء میں کرنل شیر محمد نے جو اس زمانے میں نمبر دو سیکٹر کے کمانڈر تھے - جنرل آدم خان کی وساطت سے ایوب خان کو مشورہ دیا کہ وقت تیزی سے گذر رہا تھا ان مجاہدوں کو گوریلا رہنے دیں اور ان کا استعمال کریں تو ایوب خان کا جواب تھا کہ ہم بھارت کے ساتھ جنگ مول نہیں لے سکتے - لیکن مانتے ہیں بھٹو اور اختر ملک کی ایکٹنگ کو کہ انہوں نے ۱۹۶۵ء میں ایوب خان کو جنگ میں دھکیل دیا - شیر محمد ، اختر ملک سے سینئر اور لڑائی کا زیادہ تجربہ رکھتا تھا لیکن اسلام کی طرف مائل تھا تو کرنیلی سے اوپر نہ جا سکا -

محکمہ تعلقاتِ عامہ میں واپسی

راقم آزاد کشمیر میں زیادہ دیر نہ ٹھہرا - اور چوتھی دفعہ سپاہیانہ زندگی سے ’’ فرار‘‘ اختیار کر کے یا بھر کہیں محکمہ تعلقاتِ عامہ سے پھر وابستہ ہو گیا - تھوڑا عرصہ ہی گذرا ہو گا کہ نئے سال ۱۹۵۳ء میں

قادیانیوں کے خلاف پنجاب میں تحریک شروع ہو گئی۔ اس تحریک کے بارے کچھ لوگوں کا خیال ہے
ممتاز دولتانہ نے شروع کروائی کہ وہ ناظم الدین کی حکومت کو ڈانواں ڈول کرنا چاہتا تھا۔ بعض کا خیا
ہے کہ مذہبی جماعتیں اپنی "شکست"، یعنی پاکستان بننے کے بعد اب دوبارہ "زمین" حاصل کرنا
تھیں۔ تحریک کو علمی اور لفاظی کے لحاظ سے مولانا مودودی صاحب نے شروع کیا اور عملی طور
مولانا عبدالستار نیازی نے اس میں "جان" ڈالی اور ان کو شکایت ہے کہ مودودی صاحب
بعد میں ان کی مدد نہ کی۔ اور یہ اختلاف اب سیاسی رنگ اختیار کر گیا ہے۔ بہرحال اس گنہگا
کا تجزیہ ہے کہ ممتاز دولتانہ اور مذہبی جماعتوں کے علاوہ خود قادیانی بھی اس تحریک کو شروع کر
اپنی "طاقت" کا اندازہ لگا رہے تھے اور دراصل اس تحریک نے جتنا قادیانیوں کو فائدہ
اور کسی کو نہ دیا۔ اور منیر نے ان کی خوب مدد کی۔

قادیانی اُوپر آ گئے

فوج میں انگریز جاتے جاتے ایک قادیانی بریگیڈیئر وحید حیدر کو ملٹری سیکرٹری بنا گئے تھے
لئے اس قادیانی نے ہر اچھی جگہ میں کوئی نہ کوئی قادیانی اس طرح "فٹ" کر دیا کہ اس کے اثرات
تک موجود ہیں۔ اس کے بعد یحییٰ کا "سایہ" "حمیدہ آیا جو" لبرل" تھا اور قادیانی اپنی جگہوں پر قائم ر
سول میں ایم ایم احمد۔ فاروقی اور عزیز احمد برادرنہ اب اتنے اونچے جا چکے تھے کہ قادیانیوں کے
مانڈرے تھے۔ انہوں نے کافی بے دینی۔ سی ایس پی افسروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا ورنہ ہر جگہ قا
جو چاہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ ان حالات میں قادیانیوں کے خلاف جو تحریک چلی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا
میں مارشل لاء لگ گیا۔ جنرل اعظم مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گئے۔ فوج نے مارشل لاء لگانے کی رہبر
لی۔ مذہبی لوگوں کو تہس نہس کر دیا گیا۔ مرزا غلام کے پوتے کرنل داؤد نے قادیانیوں کو فوجی و
کر سرکاری جیپوں میں بٹھا کر اپنے مخالفین کو جس طرح "کچلا" اس کی بھنک کچھ اسلامی خیال کے افسروں ک
پہنچتی تو آئندہ کوئی قادیانیوں کا نام بھی نہ لیتا کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ اس مارشل لاء کی وجہ سے پور
بیس سال کسی نے قادیانیوں کے خلاف زبان تک نہ کھولی۔ تو تحریک دراصل قادیانیوں کے
ہی گئی۔

سیاسی افراتفری

دولتانہ وزارت اعلیٰ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور چند ماہ بعد غلام محمد نے ناظم الدین کو بھی چلتا کیا۔ لیکن ظفر اللہ اپنی جگہ پر موجود رہا۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ سوائے اس کے کہ زیادہ بدنام غلام محمد ہے۔ لیکن اس نے بھی اتنی قانون کی خلاف ورزی کی جتنی ناظم الدین نے کی تھی۔ ناظم الدین کو ہٹانے کے بعد غلام محمد، نوجوان محمد علی بوگرہ کو لے آیا۔ جس کے بارے انہی دنوں کاہن کی کتاب پروارش میر صاحب کا تبصرہ آپ لوگ بھی پڑھ رہے ہوں گے۔ صرف اتنا اضافہ کیا جاتا ہے کہ ایک دن غلام محمد اور محمد علی بوگرہ کے ماڑی کی طرف اکٹھے جا رہے تھے تو لوگوں نے زندہ باد کے نعرے لگائے۔ کسی نے پوچھا کہ ان کے ساتھ اتنی محبت ہے۔ لوگ کہنے لگے نہیں۔ حب علیؓ والی بات نہیں بغض معاویہ ہے کہ ناظم الدین کچھ نہ کرتا تھا شاید یہ لوگ کچھ کر لیں"۔

عجیب و غریب سوچ

لیکن ہم فوجی اس زمانے میں ایک اور عجیب و غریب سوچ میں گرفتار تھے۔ اور اب بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ سوچ صحیح تھی یا غلط۔ لیکن ادھوری ضرور تھی۔ کوریا کی جنگ میں ترکی کا ایک برگیڈ بھی شامل ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد امریکہ نے ترکی فوج کو کافی ہتھیار فراہم کئے۔ تو ہمارے دل میں بھی یہ رشک پیدا ہوئی کہ اگر ہمیں بھی اس قسم کے کچھ ہتھیار مل جائیں تو پھر ہندوستان کے ساتھ دو دو ہاتھ کر کے کشمیر لے سکیں گے کہ نفری کی ہمارے پاس کمی نہ تھی۔ یہ سوچ کسی سرکل نے پھیلائی یا جو کچھ بھی تھا۔ ہماری فوج کا ہر سنجیدہ افسر اس کے حق میں تھا۔ اور ہم کچھ غلط فہمیوں کا شکار تھے کہ ہمارا خیال تھا کہ انگریز ہمارے سپاہیانہ اوصاف کو جانتا ہے۔ وہ امریکیوں کو اس سے آگاہ کر دے گا۔ اور ہمارے کہنے کی دیر ہے کہ امریکہ ہمارے جیسے "مضبوط اتحادی" کا گھر ہتھیاروں سے بھر دے گا۔

غلط کاریاں

اس زمانے کی ایک اور بدقسمتی یہ ہوئی کہ پنجاب اور سندھ کی زرخیز زمینیں ایسے لوگوں کو دے دی گئیں، جن کو زمینداری کا کچھ پتہ نہ تھا اور پاکستان کے پہلے آٹھ دس سالوں میں زراعت کا مسئلہ ویسے بھی بڑے نااہل لوگوں کے ہاتھ میں رہا۔ اگر نواب کالا باغ مغربی پاکستان کا گورنر نہ بنتا تو شاید آج بھی یہی حالت ہوتی اور اب بھی اس سلسلہ میں کام ٹھیک نہیں چل رہا۔ لیکن افسوس کہ اس زمانے میں حالات

اتنے خراب ہو گئے تھے کہ لوگوں کے بھوکے مرنے کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ کارخانوں اور ٹیکن
کے لئے پہلے ہاتھ پھیلا رہے تھے۔ معدنیات یعنی کوئلہ در تیل اس وقت بھی اور اب بھی زیر
ہیں اور اس زمانے میں تو "مطالعہ" ابھی مکمل نہ تھا۔ ہتھیار پاس نہ تھے۔ انگریز جو چند پرانی گاڑ
ورہتھیار دے گئے تھے وہ ختم ہونے والے تھے۔ بھارت نے فوجی سامان کا ہمارا حصہ دینے
لیا تھا۔ تو ہم صرف "ڈینگیں" مار کر زندہ تھے۔ اس لئے سب سنجیدہ لوگ تیار تھے کہ ہر معاملہ میں
پھیلایا جائے اور ہم یہ بھول گئے۔

سوال سے نہ کروں ساقی فرنگ سے۔ کہ یہ طریقہ رندان پاکباز نہیں۔

اہلِ مغرب کی جھولی میں

لیاقت علی اس کی بنیاد باندھ آئے تھے اور امریکہ کا چکر لگا آئے تھے۔ اب ناظم الدین کے ب
محمد علی بوگرہ آگئے جو امریکہ میں ہی سفیر رہ چکے تھے تو ہمیں خیال ہوا کہ امریکہ ہمارے بیلیج دلچسپی رکھتا
غلام محمد۔ مشتاق گورمانی۔ سکندر مرزا اور عزیز احمد برادرز جیسے لوگوں کے علاوہ، چوہدری محمد علی بھی
لابی کے آدمی جانے جاتے تھے اور ملک کی اکثریت اور فوج کا سنجیدہ طبقہ "ہاتھ پھیلانے" کے لئے
تیار تھا یا مجبور تھا۔ بہر حال کوئی اور جو کچھ کہے میں خود اس سے بری الذمہ نہیں اور مجھے اس زمانے
میں اکثر لوگ ہم خیال ملے۔ لیکن امریکہ کی اپنی پالیسی تھی۔ وہ بھارت کو بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتے
تھے اور لیاقت علی سے پہلے نہرو کے لئے "سرخ غالیچہ" بچھا چکے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ
کرنا چاہتے تھے کہ ان کا دشمن ہمارا دشمن ہو گا۔ لیکن ہمارا دشمن ان کا "دوست" بھی ہو سکتا ہے
اور وہ ایسے لوگوں کی "تلاش" میں تھے جو ان کی ہر بات مانیں۔

ہمارے امریکن دوست

میں نے اپنی اکثر امریکی دوستوں خاص کر بل ودس کو جو لاہور میں کونسلر تھا اور شاید اپنے زمانے
کا سی آئی اے کا نمبر ون تھا، کافی سمجھایا کہ ایسے "بے کردار" آدمی مت تلاش کرو جو تمہاری ہر
بات مانیں۔ کہ یہ لوگ کل روس یا کسی اور کی بھی ہر بات ماننے کو تیار ہو جائیں گے۔ بلکہ پاکستان میں
ایسے لوگ تلاش کریں جو دل سے پکے پاکستانی اور مسلمان ہیں کہ با اصول آدمی ہوں گے۔ اور اپنے وعدے
کا پاس کریں گے۔ بل ودس ہنس پڑتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ تو ان لوگوں سے تعلق بنائیں گے جو حکومت

میں ہوں یا کسی ذمہ دار عہدہ پر ہوں یہ ہماری حکومتِ وقت کا کام ہے کہ اچھے لوگوں کو ذمہ دار
عہدے دے وغیرہ۔

راقم دل سے امریکیوں کا دوست تھا کہ وہ ہمیں کچھ ہتھیار دیں گے۔ سامان دیں گے۔ اور مسلمان
لچ پال ہوتے ہیں۔ احسان نافراموش نہیں ہوتے۔ لیکن میرے اوپر بہت جلد یہ بات واضح ہو گئی
ہ امریکن ہر سطح اور خاص کر نچلی سطح پر "بے دین اور بے اصول" لوگوں یا لالچی اور حرص والے
گوں کے ساتھ تعلقات بڑھا کر رکھتے تھے اور میں تو امریکیوں کے ساتھ بالکل گذارہ نہ کر سکا اور
ب ۱۹۵۷ء میں محکمہ تعلقات کو چھوڑ کر پھر جا کر فن سپہگری اختیار کی تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ
ریکن جج مجھے کہتے تھے وہ میں نہیں کر سکتا تھا۔ مثال کے طور پر جب امریکیوں نے کتابیں دیں، تو میں نے
ائنس اور ٹیکنالوجی کی کتابیں مانگیں۔ لیکن امریکن ادب اور ثقافت کی کتابیں زیادہ دیتے تھے اور
تے تھے کہ سنو۔ یہ بنجمن فرینکلن کی کتابیں پڑھنے میں کیا حرج ہے کہ زندگی کے حالات بڑے پیارے
فاظ میں بیان کرتا ہے تو گذارش کی کہ فرینکلن کہتا ہے کہ میں یہ زندگی دوبارہ بھی گذارنا چاہوں گا۔
اور ہمارے حضور پاکؐ کے لحاظ سے یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے
ے جنت ہے۔ تو ہم کیوں قید دوبارہ حاصل کریں یہ باتیں ہمارے فلسفہ حیات کے ہی خلاف ہیں وغیرہ
یری. بجائے امریکن کو میجر نذیر کی قسم کے آدمی پسند آئے جنہوں نے کہا کہ ہاں What is
with wrong تو قارئین اندازہ لگا لیں کہ غیروں کو ہمارے کیسے آدمی پسند ہوتے ہیں۔

یکن کیا کرتے

یہ تمہید اس لئے باندھ دی گئی ہے کہ آگے ہم اہل مغرب کی "دوستی" کی باتوں کو سمجھیں اور
نرل حبیب اللہ نے ایجالٹی کی جنگی مشق میں مجھے کہا کہ "امیر افضل ان لوگوں سے گذارہ کرو ہمیں ان کی
مداد کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ لوگ کبھی بھی دل سے ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ ہم البتہ ان سے
بے وفائی نہ کریں گے"۔ چنانچہ ان خیالات کے ساتھ ہی جی ایچ کیو کے خفیہ محکمہ کے سربراہ کرنل (بعد
میں بریگیڈئیر) محمد حیات بھی امریکنوں کے ساتھ دوستی کے حق میں تھے اور کوشش کرتے رہے کہ امریکن
لوگ ایوب خان کو امریکہ میں بلائیں۔ اس سے پہلے ایوب خان لندن تو جاتے رہتے تھے اور وہاں
نگریزوں کی کانفرنسوں میں شرکت کرتے رہتے تھے تو ایک دفعہ مرحوم آغا خان نے ان کو کہلا بھیجا کہ

وہ جنیوا میں آکر ان کے پاس بھی چند دن قیام کریں۔

آغا خان کی نصیحت

آغا خان جو کچھ ایوب خان کو بتایا اور راقم نے اُن کی زبان سے سنا۔ وہ یہ تھا کہ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اور پاکستان میں فوجی افسروں کو اہم کردار ادا کرنا ہوگا کہ پورے ملک کو اسلام کا مضبوط قلعہ بنا دیا جائے۔ راقم کے لئے یہ بات نئی نہ تھی کہ ۱۹۵۰ء میں آغا خان مرحوم جب پاکستان آئے تو انہوں نے اہل پاکستان کو جو باتیں بتائیں اور ڈان اخبار میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ وہ اس قسم کی تھیں کہ "اے مسلمانو! پہلے سو سال کے اسلام کو تلاش کرو جہاں وحدتِ فکر اور وحدت عمل تھا۔ تفرقہ بازی اور گروہ بازی سے گریز کرو وغیرہ"۔ بہر حال البتہ مرحوم آغا خان کو شاید یہ پتہ نہ ہو کہ ایوب خان، جناب خالدؓ بن ولید یا ابو عبیدہؓ بن جراح کی قسم کا جرنیل نہیں بلکہ سینڈھرسٹ کا "کالے انگریز" ہیں لیکن آغا خان کی باتوں نے ایوب کے اندر اپنی شخصیت کے بارے کچھ تاثر ابھار دیا اور انہی دنوں ایوب خان، شکار کے لئے نواب امیر محمد خان کالا باغ کے پاس گئے تو نواب صاحب نے بھی کچھ ایسی بات کر دی کہ پاکستان کو ایوب خان جیسے مضبوط آدمی کی ضرورت ہے۔

غلام محمد میدان میں

دیکھنے میں تو یہ سب کچھ ٹھیک تھا لیکن غلام محمد گورنر جنرل کا اندازہ کچھ اور تھا۔ اس نے ایوب خان کو حکومت سنبھالنے کی دعوت دی، تو ایوب خان کچھ گھبرا گیا۔ تو اسی وجہ سے غلام محمد نے ظفر اللہ، گورمانی اور چوہدری محمد علی سے مل کر محمد علی بوگرہ کے سر پہ تاج رکھا۔ سردار نشتر ایسی سیاست سے دور رہنا چاہتے تھے تو غلام محمد نے خان قیوم کو حکومت میں زبردستی شامل کر کے ایک وار سے سردار نشتر اور ان کے "حریف"، خان قیوم کو ایک طرح سے ختم کر دیا کہ قیوم خان جو سفر میں تھا اس کو لاہور ریلوے سٹیشن سے جنرل اعظم خان نے اُتار کر کراچی واپس جانے کا حکم دیا اور کہا کہ اگر یہ حکم نہیں مانتے تو گرفتار کرنے کا حکم ہے۔ ظاہر ہے اعظم خان ایسا سکندر مرزا اور ایوب خان کے حکم پر کر رہا تھا۔ خان قیوم سرحد واپس اپنا جانشین چننے کے لئے گئے تو پہلے وزارت اعلیٰ کا یہ تاج اپنے پرائیویٹ سیکرٹری غلام اسحٰق (موجودہ سینیٹ کے چیئرمین) کے سر پہ رکھنا چاہا۔ وہ نہ مانے تو یہ "تاج" اپنے انسپکٹر جنرل پولیس سردار رشید کے سر پر رکھ دیا۔ اور چند ماہ بعد، جب سرحد

کا دورہ یہ تو سردار رشید کی مرضی سے یا کسی اور وجہ سے خان قیوم کو "سیاہ جھنڈوں" سے "خوش آمدید" کہا گیا۔ یعنی نہ صرف پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے "پرخچے" اڑ گئے۔ بلکہ مغربی جمہوریت اور مغربی سیاست بھی پاش پاش ہو گئی۔ تو ظاہر ہوا کہ مسلم لیگ کی کوئی حیثیت نہ تھی یہ صرف قائد اعظم کی ذات تھی۔ جس کا نعرہ تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں۔ اور ان کی صرف ایک جماعت ہے جس کا نام مسلم لیگ ہے۔ دراصل صحیح بات یہ تھی کہ مسلمان ایک قوم ہیں اور ان کا ایک لیڈر مسٹر جناح تھا۔ وہ گیا تو قومیت اور لیگ دونوں کا شیرازہ بکھر گیا۔

منیر کی انکوائری

پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ پاکستان بننے میں مذہبی جماعتوں اور مذہبی لوگوں کو شکست ہو گئی تھی۔ رہی سہی کسر مولانا مودودی کے کشمیر کے جہاد کے فتوای کی بحث نے پوری کر دی۔ لیکن مذہبی لوگوں کا زیادہ نقصان قادیانی تحریک ۵۳ ۱۹ اور اس کے نتیجہ میں جسٹس منیر کی انکوائری کی کارروائی اور رپورٹ نے کیا۔ یہ ایک المیہ ہے جسٹس منیر کے بے دین ہونے اور قادیانی کے ساتھ ہمدردی کے کئی قصّے مشہور ہیں۔ اور شاید باؤنڈری کمیشن کے جج کے طور پر بھی ظفراللہ اور منیر میں کوئی قدر مشترک ہو لیکن قادیانی انکوائری میں جس طرح جسٹس منیر نے اسلام کا مخول اڑایا یا جاہل لوگوں سے اسلام کے فلسفۂ حیات پر پھبتیاں کسوائیں ان سب پر کئی مضمون لکھے جا سکتے ہیں کہ خود ندامت ہو گی کہ اپنوں کے ہاتھوں سے اسلام کا یہ حشر ہوا۔ البتہ مولانا مودودی صاحب نے اسلام کے ستون کے طور پر کام کیا۔ اور منیر صاحب ان کو چاروں شانے چت نہ کر سکے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ مولانا مودودی صاحب جو "عقلی اسلام" پیش کر رہے تھے، اس کو لوگ معتزلہ کا اسلام کہتے تھے یا جسٹس امیر علی کا اسلام اور اس خطہ میں چونکہ اسلام فقراء کے ہاتھوں سے پھیلا تھا تو مودودی صاحب کو بھی "اسلام پسندوں" میں کوئی مقام نہ حاصل ہو سکا اور آج بھی اتنی اچھی تنظیم کے باوجود مودودی صاحب کے پیروکاروں کی تعداد بہت کم ہے۔ بلکہ اب تو اس جماعت کے آگے تین گروہ بھی بن چکے ہیں۔ تو بہرحال منیر انکوائری نے مذہبی لوگوں کو مسجد تک "محدود" کر دیا اور ہماری نمازیں اور اذانیں بے مقصد ہو گئیں۔

تری نمازمیں باقی جلال ہے نہ جمال　　　　تری اذان میں نہیں ہے مری سحر کا پیام　(اقبالؒ)

مغربی لابی چھا گئی

یہ ۱۹۵۴ء کا شروع ہے - غلام محمد، ظفر اللہ، گورمانی، چوہدری محمد علی، سکندر مرزا، ایوب خان
اور عزیز احمد برادرز پاکستان پر چھا چکے ہیں - اور محمد علی بوگرہ ان کے ہاتھ میں ایک "کھلونا" ہے
یہ سب مغربی لابی کے آدمی تھے - اور ملک کا سنجیدہ طبقہ ان لیڈروں کو لیڈر تسلیم کرنے پر تیار ہو
گیا تھا کہ لیاقت علی کے کمزور اور "بے دین" پاکستان کو اب امریکی ہتھیاروں سے ہم "طاقتور"
پاکستان بنانے کی فکر میں تھے اور وہ لوگ ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی کے ساتھ اپنی ثقافت کی بمباری
بھی کرنا چاہتے تھے - یہ ہے اس زمانے کے حالات کا موٹا موٹا تجزیہ -

نوری سعید

لیکن مغربی لابی والے پاکستان کے علاوہ ایران، ترکی اور کئی عرب ممالک کے علاوہ ہندوستان
سمیت ایشیاء میں ایک گروہ بنانا چاہتے تھے - تاکہ مغربی لابی، روس اور چین کے خلاف ایشیا میں
ایک محاذ بنا سکے - ایران کے شہنشاہ کو اہل مغرب مکمل طور پر اپنا آدمی بنا چکے تھے کہ ایک دفعہ
اس کے تخت کو خطرہ میں ڈال کر اس کو "دوبارہ بحال" کیا تھا - عراق کا "بادشاہ گر" نوری السعید
اور شہزادہ عبدالالہ بھی مغرب کے آدمی تھے اور "معاہدۂ بغداد" کی تیاریاں زوروں پر تھیں اس
لئے پاکستان کو کہا گیا کہ عراق کے بادشاہ فیصل مرحوم کو ایسی ہی دعوت دیں جیسی شاہ ایران کو
دی تھی اور ۱۹۵۴ء کے شروع میں شاہ فیصل مرحوم، اس کا ماموں شہزادہ عبداللہ اور نوری السعید
پاکستان کے دورے پر آئے - راقم نے بھی ان کے ہمراہ رہنا تھا - اور پہلی دفعہ کسی ملک کا
سربراہ راولپنڈی بھی آ رہا تھا - جہاں پر ایوب خان کے ہاں اس نے دوپہر کا کھانا بھی کھانا تھا -
لیکن دراصل نوری سعید، ایوب خان کو دیکھنا چاہتا تھا کہ مغربی لابی نوری پر بہت بھروسہ کرتی
تھی - نوری سعید، عراق کا باشندہ تھا - پہلی جنگِ عظیم میں سلطنتِ عثمانیہ کی فوج میں افسر تھا -
بیوی یہودی تھی - ترکوں کے ساتھ غداری کر کے انگریزوں کے ساتھ مل گیا تھا - بعد میں عراق کے
بادشاہ فیصل، جو شریف مکہ کا بیٹا تھا اور یہ لوگ بھی ترکوں کے ساتھ غداری کر چکے تھے ان کا
مشیر بھی نوری سعید تھا اور آج کل نوری کی اولاد اسرائیل میں آباد ہے - تو یہ نوری اس
زمانے میں صرف سینیٹر تھا اور پروٹوکول پر اس کا چھٹا نمبر تھا عراق کا وزیر اعظم فاضل جمالی نوری

ہی کا آدمی تھا۔ اور نوری کے "پروردہ" پروٹوکول کے لحاظ سے اس سے اُوپر تھے۔

ہاں بادشاہ کے پاکستانی ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر (بعد میں جنرل) فضل مقیم اور ہم اخبار نویسوں کو معلوم تھا کہ نوری ہی اصلی آدمی تھا۔ وزیر مہمانداری مشتاق گورمانی صاحب تھے اور ہم نوری کو عراق کا گورمانی اور گورمانی کے پاکستان کے نوری کا "خطاب" دیئے ہوئے تھے۔ ایوب خان کے ہاں دوپہر کے کھانے کا بندوبست دیکھنے کے لئے کرنل (بعد میں جنرل) محمد شریف نے جو ایوب خان کا سیکرٹری تھا۔ مجھے اور میجر (بعد میں کرنل) مسعود کو باقی لوگوں سے پہلے بلا لیا اور کہا کہ "کھڑے لنچ" کا بندوبست ہے۔ صرف بادشاہ، شہزادہ، گورمانی اور ایوب خان کے لئے چار کرسیاں ہیں، ہم کوئی مشورہ دیں"۔

ایوب کھسیانا ہو گیا

ہم دونوں نے گذارش کی کہ پانچویں کرسی نوری کے لئے بھی رکھ دی جائے اور ایوب خان تک یہ بات جب پہنچائی تو انہوں نے پوچھا "نوری کون ہے"؟ ان کو سیدھا بتایا گیا کہ "عراق کا بادشاہ گر"۔ لیکن ایوب نے ہنس کر ٹال دیا کہ پروٹوکول میں تو کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا۔ بہرحال ایوب خان نے جو کرسی گورمانی صاحب کو دی وہ اُس نے نوری کو دے دی اور ایوب خان کو اپنی کرسی گورمانی کو دینا پڑی۔ لیکن راقم نے نزدیک ہی ایک کرسی رکھوالی تھی اور وہ جب ایوب خان کو دی تو وہ "مسکرایا" اور کچھ شکر گزار بھی تھا۔

ایوب خان عام عقل کا آدمی تھا

یہ کہانی لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ایوب خان زمانے کے حالات سے واقف نہ تھا۔ لیکن چند سال بعد وہ سمجھتا تھا کہ بین الاقوامی اور دنیاوی حالات کا وہ "افلاطون" ہے۔ لیکن اس وقت اسے مکمل طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ اس کو "دیکھا" اور "پرکھا" جا رہا ہے اور اہلِ مغرب ایسے ہی آدمی کی تلاش میں تھے۔ اب تو نوائے وقت میں چند دن پہلے خبر بھی چھپ چکی ہے کہ اہل امریکہ ایوب خان کو آگے لے آئے۔ بہرحال نوری بڑے لمبے چوڑے مشن پر تھے۔ ہم پنڈی سے لاہور پہنچے اور آگے بادشاہ نے بہاولپور اور سکھر وغیرہ جانا تھا۔ لیکن نوری، ایوب خان کو "دیکھنے" کے بعد لاہور سے دہلی چلا گیا کہ نہرو کو بھی "بغداد پیکٹ" میں شریک کرے۔ لیکن وہاں اس کو کامیابی نہ ہوئی۔

مشرقی پاکستان کے انتخاب

اسی سفر کے دوران ایک اور راز بھی کھلا کہ مشرقی پاکستان میں انتخاب کے نتائج ہم نے کچھ کراچی سے

چیتے وقت سنے اور کچھ کوئٹہ اور پشاور کے درمیان سفر کے دوران۔ جگتو محاذ کو مکمل کامیابی ہو رہی تھی۔ مسلم لیگ کی شکست فاش ہوئی۔ عنیفہ مسلم لیگ لیڈ۔ نور الدین ایک طالب علم کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ مولانا اکرم خان فوت ہو چکے تھے۔ مولوی تمیز الدین خان کا خاتمہ ہونے والا تھا۔ بنگال سے بھی تحریک پاکستان والوں کا "جنازہ" نکل گیا۔ فضل حق لیڈر کے طور پر کامیاب ہو۔ اور پاکستان کی مخالفت کرنے والے اس کے ساتھی ابوحسین سرکار وغیرہ بھی کامیاب ہو گئے۔ مسلم لیگ کا غنی حمید الحق چوہدری بھی کامیاب ہوا۔ اور سہروردی کے چند سواری بھی ضرور کامیاب ہوئے لیکن وہ عطاء الرحمٰن اور مجیب الرحمٰن قسم کے لوگ تھے۔ جو مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلا رہے تھے۔

ہماری فکرمندی

یہ خبر سن کر مسعود اور میں بڑے فکرمند تھے کہ پشاور کے ڈین ہوٹل میں پہنچے تو وہاں فیلڈ مارشل آکنلک کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ وہ ہماری فکرمندی تاڑ گیا اور کہنے لگا تمھاری مغربی پاکستان کی لیڈرشپ تو خوش ہے کہ اب مشرقی پاکستان سے بھان متی کے کنبے میں سے کسی ایک آدھ کو لالچ دے کر ساتھ ملالیں گے اور لیڈری اپنے پاس رہے گی۔ جب پنڈی پہنچے تو ہماری طرح ایوب خان بھی فکرمند تھا۔ خیر ہم تو اس کو آکنلیک والی بات نہ بتا سکے لیکن گورمانی صاحب کے ساتھ ایوب خان نے چند منٹ الگ بات کی تو وہ بھی "ہشاش بشاش" ہو گئے۔ اور گورمانی صاحب تو اپنے حقے کے ساتھ اور خوش تھے۔ کش پر کش لگاتے تھے۔ قارئین یہ ہیں تاشقند کے اصلی راز کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنانے والے ملک کو کیسے لیڈر ملے:۔ اس راز کو اب فاش کرائے روئے محمدؐ! آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے۔ اور ہماری حالت یہ ہے:۔

میر سپاہ ناسزا لشکریاں شکستہ صف
آہ! وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف

قارئین! مضمون بہت لمبا ہوتا جاتا ہے۔ لیکن کیا کروں۔ اتنے سال اس ملک کو اللہ تعالےٰ اپنی قدرت سے چلا رہا ہے کہ کسی جگہ ایک آدھ کوئی مخلص آدمی ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کی وجہ سے گاڑی کچھ چل رہی ہے آج تک ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ پاکستان بنانے کا مقصد کیا تھا۔ کیونکہ قومی حکمت عملی تب ہی بن سکتی ہے کہ مقصد واضح ہو اور آگے فوجی حکمتِ عملی اور فوجی تدبیر کو

ں قومی حکمتِ عملی کے تابع کرنا ہوتا ہے۔

نِ سپہ گری سے دوری

یہاں پر ایک وضاحت کی بھی ضرورت ہے کہ قوم کئی سو سالوں سے فنِ سپہ گری سے دور جا چکی ہے
اول تو اُردو زبان میں ہمارے پاس موجودہ زمانے کے فنِ سپہ گری کے لئے صحیح اصطلاحات موجود
ں لیکن چند سویلین "وردی پوش" یا عسکری تاریخ کی ایک آدھ کتاب پڑھ لینے والے دانشور جب
فوجی اصطلاحوں کو استعمال کرتے ہیں تو معاملات کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کر دیتے ہیں۔
فنِ سپہ گری اس زمانے میں بہت وسیع مضمون ہو گیا ہے اور اس کی ہر اصطلاح کسی خاص مقصد
ود معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان کی وضاحت ہو جائے تاکہ قارئین یا ان مضمون
تنقید یا تبصرہ کرنے والے اصحاب الفاظ صحیح استعمال کریں۔

کمتِ عملی اور تدبیرات کی وضاحت

فوجی حکمتِ عملی (سٹریٹیجی) اور فوجی تدبیرات (ٹیکٹکس) کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور ان دونوں کے
میان میں لکیر لگانا مشکل ہے لیکن فرق یہ ہے کہ حکمتِ عملی اس طرح ہوتی ہے جیسے برج کی کھیل میں
کال دینا" اور تدبیرات کھیلنے کے مشابہ ہے۔ یعنی فوجوں کو منظم اور تیار کر کے میدانِ جنگ کی تیاری
ں حکمتِ عملی کے تحت آتا ہے۔ اور لڑائی لڑنا تدبیرات کے تحت آتا ہے۔ پیشہ ورانہ صلاحیت کا مطلب
ہ ہے کہ اپنے عہدہ یا کام کے لحاظ سے اپنی ذمہ داری پر مکمل عبور ہو۔ مثال کے طور پر مجھ میجر کے
لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں ایک کمپنی یا ایک پلٹن کو میدانِ جنگ میں لڑا سکوں۔ لیکن ایک جنرل کی ذمہ داری
کا مجھے جب خیال آتا ہے تو میں اکثر حیران ہوتا ہوں کہ ان لوگوں کو نیند کیسے آتی ہو گی۔ کہ ان کی ذمہ داری
کو بیان کرنے کے لئے کئی مضامین کی ضرورت ہے۔ فنِ سپہ گری کے تحت سب کچھ آتا ہے کہ فلاں کو
فنِ سپہ گری کی کتنی شُدھ بُدھ ہے۔

مقصد سامنے نہ تھا

تو بہر حال ہم کہہ رہے تھے قوم کے سامنے کوئی مقصد واضح نہ ہو رہا تھا کہ ہم نے پاکستان کیوں
بنایا۔ پس فلاحی مملکت، طبقاتی نفرت، حقوق وغیرہ کی بات ہوتی تھی۔ ذمہ داری کی طرف کسی
کا دھیان نہ تھا اور جو جہاں بیٹھ جاتا اپنی چلاتا اور اپنے "فلاح" کو سوچتا کہ میں کچھ دن اور نکال

جاؤں۔ فوج میں البتہ کچھ لوگ تھے جنہوں نے ایوب خان پر زور دیا کہ فوج میں کچھ اسلامی تشخص ابھرنا چاہیے اور ہمیں طرزِ جنگ میں کچھ اسلامی روایات کو اپنانا چاہیئے۔ ایوب خان مان گیا اور تمام کرنل اور اس سے اوپر کے عہدہ والوں کو کہا کہ وہ اس سلسلہ میں تجاویز بھیجیں۔ اس سلسلہ میں کافی تجاویز آئیں لیکن اکثر تجاویز ایسی تھیں کہ جذبہ جہاد کو بڑھایا جائے۔ عملی تجاویز بہت کم تھیں۔ سوائے بریگیڈیر توشیروان کے جس نے لکھا کہ تمام انگریزی روایات کو بحیرۂ عرب میں ڈبو دیا جائے اور کرنل شیر محمد کے جس نے لکھا کہ جنگ کے اصول قرآن پاک میں موجود ہیں اور حضورؐ پاک کی سنّت اور صحابہ کے عمل میں فلسفۂ جنگ کے طریق کار بھی موجود ہیں۔ ان کو پوری قوم پر لاگو کیا جائے اور قوم کو اللہ کی فوج بنایا جائے اور آگے پیشہ ور فوج کی بنیاد اس قوم میں ہو۔

اسلامی تجاوین کا قادیانی سربراہ

یہ تجاویز اچھی تھیں اور معاملات آگے بڑھ سکتے تھے لیکن ۱۹۵۸ء میں ان کو بالکل دوسری شکل میں بڑھا گیا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس وقت تماشہ یہ بنا کہ جی ایچ کیو میں کرنل صفدر بیگ کو اس کام پر لگایا گیا کہ ان سوچوں اور تحقیقوں کا خلاصہ تیار کرے۔ صفدر بیگ نہ صرف قادیانی تھا بلکہ مرزا غلام کی ایک بیوی کا رشتہ دار تھا تو اس نے ان تمام تجاویزات سے روحِ محمدیؐ کا نکال کر باہر پھینک دیا۔ ایوب خان کے پاس اب وقت نہ تھا کہ ایسی باتوں کی طرف دھیان دے۔ ظفر اللہ کو بھی اب پاکستان میں رہنے کی ضرورت نہ تھی کہ قادیانی ہر جگہ چھا چکے تھے۔ فوج کا چیف آف جنرل سٹاف حیا الدین قادیانی تھا۔ جو اسلام کی کوئی بات نہ سننا چاہتا تھا۔ ظفر اللہ اب جج بن کر بین الاقوامی دنیا میں جا رہا تھا کہ پاکستان میں سب "خیریت،، تھی۔ ایوب کو اوپر اٹھایا جا رہا تھا اور وہ ترکی، یورپ اور امریکہ کا دورہ کر رہا تھا۔ ساتھ سکندر مرزا تھا۔ فوج کے معاملات ناصر علی کے ہاتھ میں تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ ہمیں کاغذی فوج بنا رہے تھے اور حیا الدین اور ان کی بنتی نہ تھی۔

دو مرتبہ قانون بنانے والی اسمبلی بھی گئی

محمد علی بوگرہ نے غلام محمد کی طاقت کو کم کیا، تو ساتھ ہی ملک کی قانون ساز اسمبلی کو بھی غلام محمد نے چلتا کیا۔ نام ہی غلط تھا۔ یہ کیسے قانون بناتی۔ یہ ملک تو اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنا تھا۔ اور اللہ کے قانون کو جاری کرنا تھا نہ کہ بنانا تھا۔ بہرحال یہ اسمبلی اپنے ساتھ سیاستدانوں کو بھی لے گئی۔ اور سویلین سرکاری نوکر اب مکمل کرتا دھرتا بن گئے۔ البتہ ایوب خان کو ساتھ ملا کر اسے وزیر دفاع بنا دیا کہ وہ

کمانڈر انچیف بھی رہیں گے۔ ایسا ہونے پر حیاء الدین نے ہمیں بتایا کہ شکر ہے کہ ملک بچ گیا اب حالات "ٹھیک" ہو گئے ہیں۔ ایوب خان، پنڈی آیا تو سارا جی ایچ کیو ہوائی اڈے پر موجود تھا کہ اس کو خوش آمدید کہے۔ کہ وہ بڑی فتح حاصل کر کے آ رہے تھے۔ دوسرے دن ایوب خان نے ہمیں خطاب کیا کہ جب تک وہ اور سکندر مرزا ہیں۔ وہ سیاسی افراتفری نہ ہونے دیں گے۔ لیکن یہ سیاست صرف انہی تک "محدود" ہو گی۔ ہم لوگ سیاست میں ٹانگ نہ اڑائیں۔ کچھ لوگوں کو یہ بات "پسند" نہ آئی۔ حالانکہ یہ "خوشی" کی بات تھی :-

مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لادیں
کنیزِ اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر

ایوب خان بلند ہو رہا تھا اور جنگی مشق کرائی

بہر حال ایوب خان کو اوپر جانے کا شوق تھا یا جو کچھ بھی تھا اس زمانے یعنی ۱۹۵۴ء کے نومبر، دسمبر میں ایوب خان نے ایک اچھا کام بھی کیا کہ فوج کی بڑی تعداد کو ایک بہت بڑی جنگی مشق کرائی جو نومبر ہیڈی کیمپ کے نام سے مشہور ہے۔ ہمارے ڈی پی آر مقبول صاحب ترکی گئے ہوئے تھے اور میجر ابن الحسن و راقم نے بڑی کوشش کی کہ اخباروں کے ذریعہ سے قوم کو بھی ایسے کاموں سے روشناس کرائیں لیکن ناصر علی کی حیاء الدین کے ساتھ دشمنی نے ہماری محنتوں پر پانی پھیر دیا۔ اور قوم اب بھی دفاع کے معاملات سے کافی نابلد ہے۔

غیر ملکی مبصر

اس مشق میں برطانیہ، امریکہ، ترکی، ایران، عراق حتیٰ کہ سیلون وغیرہ سے فوجی مبصر بلائے گئے کہ وہ یہ مشق دیکھیں اور وہ لوگ کافی متاثر ہوئے۔ ہمارے جونیئر افسروں اور جوانوں نے تو ان پر بہت اچھے اثرات چھوڑے۔ اور یہ جنگی مشق ایک لحاظ سے تو کافی کامیاب رہی تھی کہ اس کے بعد امریکنوں نے ہمیں امداد دینا شروع کر دی لیکن راقم کو محسوس ہوا کہ ہمارے سینئر افسر ایک دوسرے کے ساتھ بہت حسد کرتے ہیں اور کافی کارروائیاں ایسی تھیں جو جنگ کی حقیقتوں سے بہت بعید تھیں۔ خاص کر بکتر بند دستوں کا استعمال اور اس سے جو دو "کامیابیاں" حاصل کیں۔ وہ حقیقت پسندانہ نہ تھیں ہمارے پاس کوئی کارخانہ نہیں تھا اور نہ اب ہے۔ ہم ایسی لڑائی لڑنے

کے قابل نہیں جو ہمارے بکتر بند دستوں نے ان مشقوں میں لڑی - مجھ سے اتفاق کرنے والے بر
نوشیروان قسم کے لوگ تھے جن کی کوئی نہ سنتا تھا - اور افسوس کہ ایسی ہی غلط "روایتوں" اور عقید
کی وجہ سے ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ہم فتح حاصل نہ کر سکے -

مغرب کی جھولی میں

اب ہم مکمل طور پر ایک طرف بغداد پیکٹ اور دوسری طرف سیٹو کے ممبر تھے - اور اس کو
میں تھے کہ شام، اردن اور سعودی عرب وغیرہ تک کو بھی بغداد پیکٹ میں شامل کریں اور مصر کو
عربوں سے الگ کریں - یہ بڑی لمبی بحث ہو جائے گی کہ مصر کا جمال عبدالناصر کس کا آدمی تھا - لیک
مسلمانوں کی وحدت میں جتنے روڑے اس نے اٹکائے اور مسلمانوں میں عرب اور غیر عرب کے
کو جتنی ہوا اس نے دی یہ ایک المیہ ہے - مصر یا عربوں کو اس کی ذات سے کوئی فائدہ پہنچا ہے
نہیں - یہ بھی مشکل سوال ہے - اور راقم کو تو یہ خیال ہے کہ وہ بھی کسی سازش کے تحت مسلمانوں
بے دین کر رہا تھا اور ان میں تفرقہ ڈال رہا تھا - بہر حال ناصر نے ہمیں بغداد پیکٹ وسیع نہ کرنے دیا
بھارت کے ساتھ دوستی کر کے اسلامی دنیا میں ہماری وقعت کو کم کر دیا - یعنی امریکہ سے ہتھیار
جو "طاقت" ہم نے پکڑی - اس سے یہ نقصان بھی ہوا کہ ہماری "ساکھ" کو ناصر نے نہ گرا دیا -

حالات کا مختصر جائزہ

اگلے چند سال یعنی ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء تک ملک میں کیا ہوتا رہا - اس کی کہانی کو تفصیل
دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں - ون یونٹ بنا کر اور ڈاکٹر خان صاحب کو اس کا وزیر اعلیٰ بنا کر مسلم لیگ ک
ایک طرح سے دفن کر دیا گیا - انہی خان صاحب کو جب غلام محمد نے مرکزی حکومت میں وزیر بنایا
انہوں نے وزیر کشمیر بننے سے انکار کر دیا اور کشمیر کا معاملہ بھی "دفن" ہو گیا - مشرقی پاکستان میں جو تو
میں دال بٹ رہی تھی اور جسٹس منیر نے "قانون ساز اسمبلی کے مردے کو پکی قبر میں دفن کر دیا - ساتھ ہ
مشورہ دیا کہ اس مردے کو کسی اور طرح سے زندہ کیا جائے اور ایک اور قانون ساز اسمبلی بنائی گئی -
محمد علی بوگرہ گئے اور چوہدری محمد علی آ گئے - اور آکنلیک کی بات صحیح ثابت ہوئی - مغربی پنجاب کی لیڈر
شپ نے فضل حق سے یارانہ گانٹھا - وہی فضل حق جس کو قائد اعظم "سیاسی مردہ" کا خطاب دے چکے
تھے - اور پھر ایک قانون بن گیا - جس نے سب سے "پہلا وار" اپنے لیڈر چوہدری محمد علی پر کیا اور اس

کو چاروں شانے چت کر دیا۔ اس کے بعد اس قانون کے تحت وزیر اعظم سہروردی بن گیا جس نے اس قانون کے بنتے وقت اس کو تسلیم بھی نہ کیا تھا اور اسمبلی سے واک آؤٹ کر گیا تھا اس لئے وہ بھی چند دن ہی رہا اور اس قانون کا دوسرا خالق "چندریگر" آگے آیا جو چند دن بھی نہ گذار سکا۔ و۔ پھر آخر میں ملک فیروز خان نون آئے۔ جن کی جب وکالت نہ چلتی تھی تو ان کے والد مرحوم علامہ اقبال کے پاس آئے کہ لڑکے کا کام کچھ ٹھیک نہیں چل رہا۔ علامہ نے فرمایا فکر مت کریں بہت جلدی منسٹر ہو جائیں گے۔ اور اللہ کی شان کہ وہ "پرائم منسٹری" تک پہنچ گئے۔ لیکن اس کی ضرورت تھی کہ اب ایوب خان کو لانا تھا۔ میجر جنرل کا تھورن سال ڈیڑھ سال سے واپس آ چکے تھے۔ اب وہ آسٹریلیا کے ہائی کمشنر تھے۔ کہ جنرل ایوب خان نے جنرل یوسف کی چھٹی کر دی تھی کہ وہ جلدی کمانڈر انچیف بننا چاہتے تھے تو ان کو آسٹریلیا میں ہائی کمشنر بنا کر بھیج دیا گیا تھا جنرل کا تھورن کی امریکن کو ضرورت تھی اور برطانیہ کے بجائے وہ اب آسٹریلیا کا شہری تھا تو وہاں سے واپس آ کر اپنے پرانے دوست سکندر مرزا سے آ کر مل گیا۔

موسیٰ کو اوپر کیا گیا

سکندر مرزا فوج پر چھا چکا تھا۔ اس کا آدمی ناصر علی اب کافی بدنام ہو گیا تھا۔ اور اس کی جگہ اب وہ محمد موسیٰ کو لانا چاہتا تھا جو بہت جونیئر تھا اور اس سے جنرل اعظم، جنرل شیخ، جنرل حیاء الدین، جنرل افضل، جنرل آدم خان، جنرل شیر علی، جنرل لطیف اور جنرل شاہد حامد سینئر تھے۔ یوسف تو آسٹریلیا جا چکے تھے۔ اور اعظم و شیخ کو ترقی تو دے دی گئی تھی۔ باقیوں کو راستے سے ہٹانا تھا اور محمد موسیٰ کو کراچی میں لایا گیا تھا کہ سکندر مرزا اور کا تھورن کے ساتھ ذرا اس کا "رابطہ" پکا ہو جائے۔ چنانچہ پہلے تو حیاء الدین کو امریکہ بھیج گیا اور لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ قادیانی تھا اس سے چھٹکارا حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن ایک سال بعد تھہ جرنیلوں کو کراس کر کے محمد موسیٰ کو چیف آف سٹاف بنا دیا گیا۔ کسی فوج یا کسی محکمہ میں ایسی دھاندلی نہ ہوگی نہ ہوئی ہے۔ اور شیر علی یا لطیف جیسے پڑھے لکھے اور پیشہ ور افسروں پر محمد موسیٰ کو ترجیح دینا ایک عظیم المیہ ہے کہ اب پاکستان کی قسمت کے مالک سکندر مرزا، ایوب اور موسیٰ تھے۔ چند ... ن حبیب اللہ کو بھی ان لوگوں نے ساتھ رکھا کہ اس کی اور ایوب کی رشتہ داری ہو رہی تھی۔ لیکن اس کو جلدی ولایت کورس کے لئے بھیج دیا گیا۔ اور اب ایوب خان اور محمد موسیٰ

نے اپنے خاص آدمیوں جنرل یحییٰ اور جنرل حمید کو اُوپر کیا۔ ساتھ بریگیڈیئر پیرزادہ کو بھی شامل کیا۔
ملک پر مارشل لاء لگانے یا فوجی حکومت بنانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

ایوب کی گرفتاری کی افواہ

بیچ میں ایک خلا پیدا ہوگیا۔ یہ کام ۱۹۵۷ء میں ہی ہوجاتا سکندر مرزا نے ۱۹۵۸ء کے شروع میں ایوب خان کو چلتا کرنے کی کوشش کی تھی۔ سکندر مرزا ایران اور پاکستان کو اکٹھا کرکے ایک ملک بنا کر شہنشاہِ ایران کا وزیراعظم بننا چاہتا تھا۔ اور یحییٰ خان جو اس وقت چیف آف دی جنرل سٹاف بن گیا تھا۔ وہ اس کام کے لئے تیار تھا۔ لیکن محمد موسیٰ کو کچھ ہمت نہ پڑتی تھی۔ بہرحال اس سلسلہ میں پیش رفت ہوگئی کہ یہ مشہور کر دیا گیا کہ ایوب خان، بھارت کا جاسوس تھا۔ اس لئے اس کو قید کر دیا گیا ہے۔ یہ افواہ دیہاتوں تک پھیل گئی۔ اور ایوب کا لڑکا لیفٹیننٹ اختر ایوب جو اس زمانے میں کاکول میں پی ٹی کورس کر رہا تھا اس نے بھی یہ خبر سُنی تو ایبٹ آباد اپنے گھر سے ایک نوکر کو پنڈی دوڑایا۔ لیکن اسی دوران جنرل سرفراز اور جنرل رانا وغیرہ نے یہ افواہ سن کر ایوب خان سے بات کی کہ یہ کوئی سازش ہے۔

اب لطف کی بات ہے کہ افواہ تو کئی لوگوں نے سنی تھی لیکن کئی وجوہات کے تحت لوگ آگے بات نہ کرتے تھے بلکہ جب سرکاری طور پر یونٹوں کو بتایا گیا کہ یہ افواہ تھی اور اس سلسلے میں جس کسی نے کچھ سنا وہ لکھا جائے، تو بہت کم لوگوں کو ہمت ہوئی کہ وہ تسلیم کرتے کہ انہوں نے یہ افواہ سنی تھی۔

اختر ایوب میرے ماتحت تھا۔ وہ کورس سے واپس آیا تو میری اس کے ساتھ تفصیل سے بات ہوئی کہ یہ معاملہ کیسے شروع ہوا۔ اختر کہتا تھا کہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ سکندر مرزا، موسیٰ، اور یحییٰ کی سازش تھی۔ لیکن "خان جی"، (ایوب کے بیٹے اپنے والد کو خان جی کہتے تھے)۔ نہیں مانتے کہ موسیٰ میں اتنی ہمت ہو اور یحییٰ ایوب کا دست ہے بے وفائی نہ کرے گا۔ پھر اختر کا خیال تھا کہ اگر کوئی سازش تھی بھی تو وہ کامیاب نہ ہوسکتی تھی کہ راولپنڈی کے علاقہ کا ڈویژن کمانڈر جنرل سرفراز "خان جی"، کے چھوٹے بھائی کی طرح ہے اور جنرل رانا نے بھی وفاداری دکھائی کہ جیسے افواہ سُنی، خود بات کی۔

مغربی لابی ایوب کو رکھنا چاہتی تھی

معلوم ہوتا ہے کہ مغربی لابی نے اس کی اجازت نہ دی کہ وہ مسلمان ملکوں کے درمیان "کچے دھاگے" کا اتحاد بھی پسند نہیں کرتے۔ کہ یہ اتحاد پکا نہ ہوجائے۔ وہ صرف "تنظیمی اتحاد" کی کسی حد تک اجازت دینے

ہیں کہ وہاں ان کے "آدمی" موجود رہتے ہیں۔ اور ان کو بروقت رپورٹ مل جاتی ہے۔ بہرحال یحییٰ کے تعلق شاہ ایران سے ۱۹۵۰ء میں شروع ہوئے جب شاہ ایران پہلی دفعہ پاکستان آیا۔ اور مسلح افواج گارڈ کا کمانڈر کرنل یحییٰ خان تھا اور اس کو شاہ نے "شرف ملاقات" بخشا۔ اور یحییٰ ایرانی نسل ہونے کی وجہ سے شاہ کے پاس باقی ملاقاتیوں کی نسبت بہت زیادہ ٹھہرا۔ اور کافی قدریں مشترک تھیں دونوں بڑے "لبرل" تھے۔ شاہ کے بارے ہم نے خود ایوب خان کی زبانی یہ سنا کہ ایک دفعہ کھانے کی میز پر کھانا کھاتے وقت ایوب کے منہ سے نکل گیا کہ ہم پاکستان میں جنگلی سوروں سے بڑے تنگ ہیں وہ فصلوں کو کھا جاتے ہیں تو شاہ نے کہا کہ تم ان کو کھا کیوں نہیں جاتے؟ ایوب آخر اتنا گیا گزرا تو نہ تھا۔ یہ سن کر حیران ہو گیا اور پوچھا "وہ کیسے"؟ تو شاہ نے اپنی تھالی میں موجود کھانے کا ایک لقمہ اٹھاتے ہوئے منہ میں ڈالا۔ اور جواب دیا۔ "ایسے"۔

ایوب کو کن پر بھروسہ تھا

بہرحال ایوب خان دل میں کچھ فکرمند ضرور تھا اور اس کے بعد جنرل رانا، جنرل سرفراز اور جنرل ملک شیر بہادر کو کافی حد تک اپنے نزدیک رکھتا تھا۔ کہ ان کی وفاداری پر اس کو کوئی شک نہ تھا۔

اصغر خان کو اوپر لایا گیا

اس سے پہلے ۱۹۵۶ء کے آخری ایام میں جنگی مشق "ایجلیٹ" کے دوران ایوب خان خانکی کے مقام پر فضائی فوج کی سربراہی کے لئے اصغر خان کے حق میں فیصلہ کرا چکے تھے۔ اس مشق میں ترکی، ایران، آسٹریلیا، انڈونیشیا وغیرہ کے ممبروں کے علاوہ امریکہ کا ایک بہت سینئر افسر جنرل ڈیکر بھی آیا ہوا تھا۔ ہوائی افواج بھی بری افواج کی "مدد" کر رہی تھیں۔ اور کموڈور اصغر خان نے اس جنگی مشق میں نمایاں کام کیا۔ جس کی جنرل ڈیکر نے بہت تعریف کی۔ گو سکندر مرزا، کموڈور رضا کو کمانڈر انچیف بنانا چاہتے تھے۔ اور اس وقت کے وزیراعظم سہروردی بھی سکندر مرزا کے ساتھ جنگی مشق دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ در جنرل ڈیکر کی سفارش، اور ایوب خان کی "خواہش" اور سہروردی کی ہمدردیوں کی وجہ سے یہ تاج رکھنے کا فیصلہ خانکی کے مقام پر اصغر خان کے حق میں ہوا۔

جنگی مشق اور اخباریں

کمانڈر مقبول ڈی پی آر صاحب اس زمانے میں بھی ملک سے غیر حاضر تھے یعنی امریکہ گئے ہوئے تھے۔

تو یہ پہلی جنگی مشق تھی جس میں نوائے وقت کے نمائندہ سمیت چار پاکستانی اور چار غیر ملکی اخباری نمائندے شریک ہوئے۔ اور رابطے کا کام راقم کے حوالے تھا۔ بلکہ کھانگی کے مقام پر راقم نے فوٹو تیار کرنے کا سامان بھی نصب کر رکھا تھا، کہ مہمانوں کو فوٹو البم پیش کئے جائیں۔ اور میرے رفقاء میجر مسعود اور کپتان عبدالرحمٰن صدیقی بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن ایوب خان کے ساتھ نزدیکی مجھے حاصل تھی اور مجھے یہ بات سب سے پہلے معلوم ہوئی کہ میں ہی نے اپنے رفیق سکواڈرن لیڈر قدوس (اصغر خان کے ہم زلف بننے والے تھے یا بن چکے تھے) کو اس کی مبارک دی۔ اصغر خان نے ایوب خان کے اس احسان کا بدلہ ۱۹۵۸ء میں تو دیا لیکن ۶۹-۱۹۶۸ء میں کسی "مایوسی" کی وجہ سے ایوب خان سے مقابلہ کرنے کو تیار ہو گیا۔

اصغر خان ڈیرہ دون کے رائل ملٹری کالج کے تعلیم یافتہ ہیں لیکن اس زمانے کے رواج کے مطابق آپ کو بھی رائل دکن یا اس میں "امیدوار" ہونے کی وجہ سے سوار کے طور پر ۱۹۳۷ء میں بھرتی ہونا پڑا۔ ۱۹۴۰ء میں بری فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ آپ کے ساتھیوں میں ایک کرنل شیر محمد موجود ہیں جو ۱۹۴۸ء میں کیرن بندوازہ کے محاذ پر جنرل تھمایا کے مقابلے میں جنرل "خالد" کے طور پر بڑے کامیاب رہے لیکن اسلام کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے اور کشمیر میں اچھا کام کرنے کی وجہ سے ایوب خان نے ان کو اپنے "مقام" پر رکھا جس کا ذکر وہ اپنی کتاب فرینڈز ناٹ ماسٹرز میں کرتا ہے۔ دوسرے ساتھی ہیں موجودہ وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب ہیں۔ علاوہ کرنل طریف، کرنل ایوب، کرنل مصطفیٰ، بریگیڈیئر سردار علی وغیرہ کئی اور بھی ساتھی تھے۔ لیکن اصغر خان چونکہ فضائی فوج میں چلا گیا تھا۔ اس لئے جلد ترقی کر گیا کہ وہاں مواقع زیادہ تھے۔

اصغر خان بہادر آدمی ہے اور اس کی حب الوطنی پر کسی شک کی گنجائش نہیں۔ بے شک ان کے والد نے مہاراجہ کشمیر کی بڑی خدمت انجام دی۔ لیکن اس سلسلہ میں ہمارے سب "بڑوں" دولتانوں، ٹوانوں، لغاریوں، کھوڑوں، مزاریوں، نیازیوں، میروں، سومروں، کھوسوں یا کسی بڑے خاندان کو لے لیں، سب نے انگریزوں کی خدمت کی۔ بہرحال جب وقت آیا تو اصغر خان اور اس کے بڑے بھائی اسلم نے کشمیر کے سلسلہ میں مجاہدانہ کارروائیاں کیں۔ بلکہ اور بھائی بھی جہاد میں شریک تھے اور یہ پروا نہ کی کہ ان کا والد مہاراجہ کی قید میں تھا۔ علاوہ اصغر خان اور نور خان نے فضائی فوج کو جس جگہ پہنچایا ۱۹۶۵ء میں جو کام کیا وہ ہماری تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھا ہوا ہے۔ لیکن اگر اصغر خان کسی طرح ایوب خان

کے لحاظ سے احسان فراموش ہے یا قوم کی توقعات پر پورا نہیں اترا تو اس کو اول انسانی کمزوریوں پر محمول کرنا چاہیئے اور دوم یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سفارش کرنے والا ایوب اکیلا نہ تھا، جنرل ڈیکر بھی تھا۔

چین کے ساتھ دوستی

ہم لیاقت کے قتل کے بعد ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۸ء کے حالات کا موٹا موٹا تجزیہ قوم کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ ایک ایک فقرے میں غوطہ لگانے کی ضرورت ہے کہ میں صرف نچوڑ پیش کر رہا ہوں۔ اس سارے زمانے میں صرف ایک اہم کام ہوا۔ اور وہ تھا چین کے ساتھ دوستی۔ اس کی بنیاد محمد علی بوگرہ نے جکارتہ کے مقام پر باندھی اور ہمارے موجودہ سمندر پار معاملات کے وزیر معظم علی جو اس زمانے میں صرف اخباری نمائندے تھے۔ انہوں نے اہم کام کیا۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارا ہر حاکم چین کے ساتھ دوستی کے معاملے میں کامیاب رہا۔ اور قوم کی توقعات پر پورا اُترا۔ بلکہ سب سفیر اور فوجی اتاشی کامیاب رہے تو اس سلسلے میں اگر سہرا چین کے سر باندھ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

اول سہرا چو این لائی کے سر ہے اور راقم نے ان کو نزدیک سے دیکھا بھی، اور کئی چین میں کام کرنے والوں سے تفصیلی بحث بھی ہوئی۔ چینیوں کو شاید ہماری ضرورت بھی ہے۔ لیکن وہ ذرا حقیقت پسند ہیں اور وہ ہمارے "مقام" کو جانتے ہیں۔ راقم صرف اسی پر اکتفا کرے گا کہ اہل چین جانتے ہیں کہ اگر ہم "متاع تیموری" دوبارہ حاصل کر لیں تو اپنے مقام پر واپس آ سکتے ہیں۔

نہ فقر کے لئے موزوں نہ سلطنت کے لئے
وہ قوم جس نے گنوایا متاعِ تیموری

کیا کھویا کیا پایا

ان چھ سات سالوں میں ہم نے کیا کھویا کیا حاصل کیا اس سب پر دھندلاہٹ چھائی ہوئی ہے کہ ہم نے نہ کوئی سیاسی فلسفہ اپنایا تھا اور نہ ہمارے سامنے کوئی واضح مقصد تھا۔ اس وقت دنیا میں دو بڑے سیاسی فلسفے چل رہے ہیں۔ ایک مغرب کا سرمایہ داری نظام۔ اور دوسرا سوشلسٹ نظام۔ اہلِ مغرب نظریاتی طور پر ہندوانہ جغرافیائی نیشنلزم کے پیرو ہیں کہ ملک کی پوجا کرتے ہیں سیاسی طور پر یونانی جمہوریت کے پیروکار ہیں۔ عقیدہ کے لحاظ سے زیادہ تر عیسائی ہیں۔ لیکن مذہب ہر کسی کا نجی معاملہ ہے اور مادر پدر آزادی کی بھی اجازت ہے، جہاں مرد کی شادی مرد کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مالیاتی طور پر "نظریہ ضرورت"

کے پیروکار ہیں ۔ ثقافت کے لحاظ سے بے دین ہیں اور معاشرت میں ذہنی عیاشی یا عام عیاشی کی کھلی چھوٹ
وغیرہ ۔ دوسرا نظام سوشلسٹ ہے جو عقیدہ کے لحاظ سے خدا کے منکر ہیں اور اسی دنیا کو سب کچھ سمجھے بیٹھے
نظریاتی لحاظ سے جغرافیائی سرحدوں میں یقین نہیں رکھتے لیکن عملی طور پر اس میں ناکام رہے ہے
مساوات کا نعرہ لگایا ۔ اس میں بھی ناکام ہیں ۔ اور آج وہاں بھی ایک علاقہ یا ملک میں کسی ایک
گروہ کی حکومت چلتی ہے اور وہ عوام کے نام پر حکومت کرتے ہیں ۔ ان دونوں نظاموں کے لئے
علامہ اقبال کچھ اس طرح فرما گئے :-

تری حریف ہے یا رب سیاستِ افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

غیروں کی پیروکاری

حکیم الامت کے اتنے واضح افکار کے باوجود میں قوم سے پوچھتا ہوں کہ مغربی یا سوشلسٹ نظام
کا ایسا کونسا اصول ہے جس کو ہم نے رد کیا ہو ۔ ہم نے وطن کی پوجا کی اور کر رہے ہیں کہ پاک
سرزمین شاد باد ہمارا قومی نعرہ ہے ، اور ہمیں یہ خیال نہیں کہ یہ بندے ماترم کا فارسی ترجمہ ہے
اور بندے ماترم سے نفرت کی وجہ سے ہم نے پاکستان بنایا تھا ۔ پھر مادر وطن یا شہید وطن جیسی غ
اسلامی اصطلاحیں ہمارے ایمان کا حصہ ہوگئیں ۔ اور ہڑپہ ۔ موہنجوداڑو اور ٹیکسلا کی تہذیبوں پر
فخر کرنا شروع کر دیا اور یہ بھول گئے کہ ہم مصطفوی ہیں احمد ہمارا ان باطل تہذیبوں کے ساتھ کوئی واسطہ
نہیں ۔ سیاسی فلسفہ کے طور پر مغربی جمہوریت ہمارا " ایمان " ہوگئی اور اب ایک اور غلط اصطلاح
" اسلامی جمہوریت " کو اپنا رہے ہیں حالانکہ اسلام سراسر اللہ کی آمریت ہے اور جمہوریت اس
کی ضد ہے ۔

یہی نہیں بلکہ معیشت کے لئے اسلامی سوشلزم اور فرد آزادی کے لئے مدر پدر آزادی تک ہر
بات میں غیروں کی نقالی کر رہے ہیں ۔ اور یہ بھول گئے کہ یہ جمہوریت ، یہ ووٹ دینا ، یہ سوشلزم
ہمیں متحدہ ہجارت میں بھی " میسر " تھے ۔ اور مذہب اگر مسجدوں تک محدود ہے یا نجی معاملہ ہے

...اس کی تو بھارت میں بھی اجازت ہے - پھر الگ ملک بنانے کا کیا مقصد تھا - اگر اسلام کو دین
...طور پر اور عملی و اجتماعی طور پر نافذ کرنا مقصود نہ تھا - قوم جواب دے - کتنی افسوسناک بات
...کہ مقننہ ، قانون ساز اسمبلی پارلیمانی نظام ، صدارتی نظام ، ممبری ، کونسل ، صدارت ، حق
...تعداد ، آزادی اور معلوم نہیں کتنی اہلِ باطل کی اصطلاحیں آج ہمارے ایمان کا حصہ بنی ہوئی ہیں
...حالانکہ علامہ اقبال کہہ گئے تھے :-

اُٹھا کے پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن ممبری ، کونسل ، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے
جہاں بجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت بہتر ہیں یورپ کے رندے

...ی کا بنایا ہوا قانون نہ چل سکا

چوہدری محمد علی ، چندریگر اور سہروردی وغیرہ اپنے بنائے ہوئے قانون کے تحت ایک دن بھی
...مت نہ کر سکے بلکہ اس قانون کے تحت انتخاب ہونے سے پہلے وہ زخمی ہو کر چاروں شانے چت
...چکے تھے اب ملک کس طرح چلتا رہا ، تو اللہ کی مہربانی ہے - مالیات کے ایک ماہر حسنی صاحب
...میں کوئٹہ میں مالیات پر ایک لمبا چوڑا لیکچر دیا جس میں لفاظی کے بغیر کچھ نہ تھا - ان سے راقم
...گذارش کی کہ یہ جو قرضے لئے جا رہے ہیں تو اندازاً کتنے سالوں بعد ان سے خلاصی ہو گی - سخت
...اض ہوئے کہنے لگے کہ وہ کوئی پیغمبر ہیں کہ اس کا جواب دیں اور کئی بے معنی مالیاتی اصطلاحوں
...لانے کر راقم کو کہنے لگا کہ ان اصطلاحوں کو سمجھنے کے لئے کئی سال چاہئیں -
راقم چپ نہ رہ سکا - عرض کی کہ میں سمجھا تھا کہ حکومت کی سطح پر مالیات کی کوئی آگے کی سوچ
...تجویزات ہوتی ہوں گی اور میں ایک سنٹر کا اکاؤنٹ افسر ہوتے ہوئے بھی کچھ ایسی تجویزات
...کے تحت کام کرتا ہوں لیکن بہرحال آپ کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بھی پاکستان کے
...اکاؤنٹ افسر ہیں لیکن بغیر کسی طریقہ کار کے کام چلا رہے ہیں - سارا ہال ہنسی سے گونج اٹھا -

اور حسنی صاحب تھماتے رہے گے۔

غدر یا جنگِ آزادی

افواجِ پاکستان کے یہ سال کیسے گذرے اس کی تفصیل تو بہت لمبی ہے لیکن کئی لوگوں نے
بڑی محنتیں کیں اور جو کچھ میسر تھا اس کو مغربی طرز پر دفاع، حکمتِ عملی اور تدبیرات کے طور پر اچھی
طرح سے سمجھایا اور کم از کم تدبیرات یا چھوٹی سطح پر ہتھیاروں اور سامان کے استعمال پر بڑا
زور دیئے گئے۔ حکمتِ عملی انگریز نے ہمیں پڑھائی نہ تھی۔ اور اپنی ہم نہ بنا سکے کہ فوجی مق
اور فوجی حکمتِ عملی کی وضاحت نہ کی گئی۔ البتہ ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۸ء والے سال ایک لحا
کافی بُرے ہیں کہ ہم فوجیوں کو یہ نہ نظر آیا کہ قوم کے کچھ لوگ تو ان لوگوں کی یاد منا رہے تھ
جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں قربانیاں دے کر انگریز کی غلامی کے جوئے کو پھینکنے کی کوشش کی۔ ا
ہم ان یونٹوں کے سو سالہ منا رہے تھے۔ جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں دہلی کی اینٹ سے اینٹ ب
اور راقم کو جب یہ باتیں یاد آتی ہیں تو میرا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔

سوچ میں تبدیلی

راقم کی سوچ میں تبدیلی ستمبر ۱۹۶۵ء کے میدانِ جنگ میں ہوئی جب گڑگڑا کر کامیابی کی دعا
مانگتا تو وہ دعائیں میرے منہ پر ماردی جاتی تھیں کہ تو اپنے آپ کو اسلامی فوج کا سپاہی کہتا۔
شرم نہیں آتی کہ تو نے اپنی اس یونٹ کا سو سالہ منانے میں دن رات ایک کر دی جس نے ۱۸۵۷
میں دہلی پر حملہ بولا تھا اور تو نے ایسی یونٹوں کی آن کی آن تراتی بہادریوں اور دلیریوں کا ذکر کیا جو آج
اپنے کوٹوں پر اس صوبیدار میجر کی یاد میں ایک لال پٹی لگاتے ہیں جس نے لال قلعہ کا دروازہ کھ
رکھنے کے لئے اپنا ہاتھ بیچ دے دیا تھا کہ گورا فوج لال قلعہ کے اندر داخل ہو جائے۔

دوغلہ پن

قارئین یہ ہے ہمارا دوغلہ پن جو اب بھی کسی نہ کسی شکل میں چل رہا ہے جب تک ہم غی
سے مرعوبیت والے معاملہ سے چھٹکارا حاصل نہیں کرتے ہم راہ راست پر کبھی نہیں آسکتے اور
سب تبھی ہو سکتا ہے جب ہر میدان میں غیروں کی نقالی کو ختم کر دیں یہ خواہ ثقافت کی بات ہو یا کھ
کی یا تعلیم و تربیت کی یا باقی مادی ذرائع کی۔ ہاں اگر کہیں سے ہنر یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی کو
مل سکے تو وہ ضرور سیکھیں۔

چھٹا باب

ایوبی دور

مارشل لاء کی تیاری

اب ۱۹۵۸ء اختتام کو پہنچنے والا ہے اور ملک میں مارشل لاء لگانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں سویلین بھی سیاستدانوں سے تنگ آچکے تھے کہتے تھے کہ فوج آکر ہمیں مضبوط کرے گی تو کشمیر بھی مل جائے گا وغیرہ۔ بہرحال فوج کی ساکھ تو تھی کہ مواقع نہ ملتے تھے یا جو بھی وجہ تھی فوج میں مقابلتاً کافی لوگ دیانتدار تھے۔ پھر اسلام کا مزاج فوجی ہے۔ اور دنیاوی فوجیں کافی حد تک اسلام کی بھونڈی نقلیں ہیں۔ اس لئے بھی لوگ فوج کو پسند کرتے تھے بلکہ مرزا غالب جیسا نوحہ خواں بھی اپنے آباؤ اجداد کے پیشۂ سپہ گری کا ذکر کرتا ہے۔ پھر فوجیوں نے ہمیں عبرت دی اور حجاج بن یوسف کا ظالم مشہور ہے۔ لیکن اس نے بھی اسلام کی دو بیٹیوں کی عزت کی خاطر موجودہ مغربی پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اب ہماری بیٹیوں کے ساتھ مشرقی پنجاب میں کیا ہوا۔ اور کشمیر میں کیا ہو رہا ہے۔ اس لئے کچھ لوگوں کو خیال تھا فوج کے آنے سے سب معاملات حل ہو جائیں گے۔

ایوب خان البتہ فکرمند تھا، جنرل موسیٰ بھی سوچتا تھا کہ آگے کیا ہوگا۔ لیکن سکندر مرزا اب سویلین سے تنگ آگیا تھا۔ اب وہ فوجی ڈکٹیٹر بننا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایوب خان کو کہا کہ وقت آگیا ہے۔ ایوب کافی گھبرایا ہوا تھا اور حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے بیٹے اختر ایوب کو بھی ہماری یونٹ سے چھٹی دلوائی کہ ان کے نام کسی زمین کا انتقال ہونا ہے اختر ایوب ویسے اے ڈی سی تھا۔ اختر کی چھٹی کے لئے ہمیں حکم اوپر سے ملا کہ ہمارے بریگیڈ کمانڈر اور عارضی ڈویژن کمانڈر جنرل مقیم صاحب کے ساتھ بات کی گئی۔ ہم تاڑ گئے کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے اور چند دن بعد ایوب خان یحییٰ اور حمید کو ساتھ لے کر کراچی پہنچ گیا۔ بریگیڈئر پیرزادہ بھی ساتھ گیا۔ لیکن یحییٰ اور حمید پر آنکھ رکھنے کے لئے جنرل ملک شیر بہادر اور بریگیڈئر محمد حیات بھی کراچی میں موجود تھے۔ پنڈی کی "گدی" محمد موسیٰ کے حوالے کر دی گئی۔ لیکن ایوب کا دوست جنرل سرفراز پنڈی میں موجود تھا اور جنرل حق نواز بھی نزدیک ہی مری میں موجود تھا، اور ان دونوں پر ایوب خان کو کافی بھروسہ تھا کہ اعوان ہیں نمک پال ہوتے ہیں کسی سے بے وفائی نہیں کرتے۔ سرفراز، ایوب کی یونٹ کا بھی تھا۔

ایوب اور اس کے ساتھیوں کی حیرانگی

لیکن ایوب خان اور اس کے ساتھیوں کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ الٹا لوگوں نے شکرانے کے نفل پڑھے۔ البتہ
ہر فوجی یونٹ نے ایوب خان اور مارشل لا والوں کو یہ لکھا کہ سکندر مرزا کو بیچ میں کیوں رکھا ہوا ہے۔ اور شاید کوئی تج
کر اب عزیز احمد چپکے سے ڈپٹی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بن گیا۔ اور سکندر مرزا کے پاس کوئی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی بس
سٹ پٹایا۔ اور اول ایوب خان کی جگہ محمد موسیٰ کو بری فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا اور جب اعلان ہو گیا تو ایوب خا
تب پتہ چلا۔ دوم سکندر مرزا نے فضائی فوج کے ائیر مارشل اصغر خان اور بحری فوج کے صدیقی چوہدری سے رابطہ قائم کیا
سے غلطی ہو گئی تھی جو ایوب کو طاقت دے بیٹھا تھا۔ تم لوگ میری مدد کرو۔ چوہدری نے تو کچھ حامی بھر لی۔ لیکن اصغر خان
صرف انکار کیا بلکہ جنرل ملک شیر بہادر کو اس کی اطلاع بھی دے دی، جس نے باقی جرنیلوں کو بھی آگاہ کر دیا۔ گو ایوب خان مش
پاکستان گیا ہوا تھا۔ محمد موسیٰ اور سکندر مرزا کے درمیان کیا بات ہوئی، عام تاثر ہے کہ محمد موسیٰ نے بھی سکندر مرزا کا ساتھ
سے انکار کر دیا اور یحییٰ خان نے بھی۔ لیکن اس کی وجوہات تھیں۔ کراچی میں جنرل ملک شیر بہادر اور بریگیڈیر حیات تھے۔
اور مری میں جنرل سرفراز اور جنرل حق نواز تھے، لاہور میں جنرل سید غواص تھا اور پشاور میں بریگیڈیر فضل مقیم۔ ان میں
کوئی ایک بھی محمد موسیٰ اور یحییٰ کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس لئے یہ دونوں یعنی موسیٰ اور یحییٰ ایوب کے "وفادار" رہے۔ یہی و
بعد میں موسیٰ اور یحییٰ نے فضل مقیم اور حیات کا نقصان کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو

البتہ سکندر مرزا جانے سے پہلے ذوالفقار بھٹو کو وزیر بنوا گئے تھے کہ نئی کابینہ میں سندھ کا بھی کوئی نمائندہ ہو۔ اور
آدمی کی ضرورت تھی تو اس کے لئے نوجوان بھٹو شاید بہتر آدمی تھا۔ یا امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے وقت کسی کی اس پر وہاں نظر
اور ممکن ہے وہاں سے سفارش "آئی ہو، کہ اب معاملات زیادہ عزیز احمد کے ہاتھ میں تھے اور نہ صرف اس کا مغر
کے ساتھ رابطہ تھا بلکہ وہ ۱۹۷۷ء تک پاکستان کی سیاست پر چھائے رہے۔ اور بھٹو کے دست راست بنے رہے۔ بھ
راقم نے طالب علم کی حیثیت سے ۱۹۴۹ء میں کوہاٹ میں دیکھا تھا کہ جنرل ضیا الحق اور میرے بڑے بھائی رسالدار فیروز خان کی
ریونٹ گائیڈ کیولری کا کمانڈنگ افسر کرنل مصطفیٰ بھٹو کا بہنوئی تھا۔ اور بھٹو بھارت کے شہری کے طور پر پاکستان آ
اور گائیڈ کیولری میں ایک اجتماع ہوا تھا۔ شاید جنرل ضیا الحق سے بھی ملاقات ہوئی ہو۔ گو جنرل ضیا اس زمانے
اپنی یونٹ سے باہر چراٹ میں متعین تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ بھارت نے بھٹو کے والد سے جو کام لینا تھا وہ تو لے لیا کہ جوناگڑھ کی پاکستان میں شمولیت، مہارا

کے لئے بھارت میں شمولیت کے لئے راستہ تھی اور بعد میں اُسی شاہ نواز نے جوناگڑھ میں بھارتی فوج کو بُلالیا۔ لیکن شاید ذوالفقار کو بمبئی والی جاگیر نہ مل سکی۔ کہ وہ پاکستان آگیا اور یہاں پر اس کی وزارت سے "خوش آمدید" کی گئی۔ اور سکندر مرزا کو نکالنے کے بعد بھی بھٹو کو کوئی نہ "چھیڑ" سکا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی "واسطوں" سے یہاں براجمان ہوئے تھے۔ اب تاشقند کے اصل راز ظاہر ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ البتہ سکندر مرزا کی اب کسی کو ضرورت نہ تھی یعنی نہ مغربی لابی کو کہ ان کو عزیز احمد مل گیا تھا اور نہ فوج کو ضرورت تھی کہ سکندر مرزا بدنام تھا۔ علاوہ سکندر مرزا سازشوں میں بھی مصروف تھا۔ اسی دوران جنرل اعظم خان اور جنرل شیخ بھی وزیر بن کر کراچی پہنچ چکے تھے۔ اور ایوب خان کا "مشیرِ خاص" جنرل برکی جو ڈاکٹر تھا وہ بھی وزیر بن چکا تھا۔ ایوب خان سکندر مرزا کو رکھنا چاہتا تھا کہ کچھ نہ کچھ لچ پالی ہونا چاہیئے۔ لیکن باقی جنرل نہ مانے کہ ہر وقت سازش کرتا رہے گا۔ پھر شاید عزیز احمد کو بھی اشارہ تھا کہ سکندر مرزا کی چھٹی کر دو۔

سکندر مرزا بھی گیا

چنانچہ سکندر مرزا کے پرانے دوست جنرل اعظم خان اور جنرل برکی نے جاکر سکندر مرزا کو بتایا کہ وہ قید ہے اور اس کو فی الحال کوئٹہ لے جائیں گے۔ بعد میں جس ملک نے اس کو پناہ دی اس کو وہاں بھیجا جائے گا۔ سکندر مرزا شور پر شور کر رہا تھا کہ اس کو کم از کم اس کے پرانے دوست جنرل کا تھورن سے ملاقات کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن جرنیل نہ مانے اور بریگیڈئر بہادر شیر پٹھان و کرنل خورشید ربّانی کی نگرانی میں اس کے کراچی کے ہوائی اڈے پر پہنچا دیا گیا۔ اسی دوران جنرل کا تھورن کو آگاہی ہوگئی اور اس نے جنرل ملک شیر بہادر اور بریگیڈئر ملک محمد حیات کے ذریعہ ایوب خان سے سکندر مرزا کیساتھ کراچی کے ہوائی اڈے پر ملنے کی اجازت لے ہی لی۔ اور سکندر مرزا کو وی آئی پی روم میں روک دیا گیا۔ جیسے ہی جنرل کا تھورن وہاں پہنچا، سکندر مرزا اس کو دیکھ کر اس پر برس پڑا۔ اور جو کچھ انگریزی میں کہا اس کا مطلب کچھ اس طرح بنتا ہے "۔ حرامی! تم نے بھی مجھے نہ بتایا کہ اب میں نمبر ون نہیں ہوں"۔ جنرل کا تھورن نے کہا کہ خدا کی قسم! الیگزنڈر اس سلسلہ میں میں تو اندھیرے میں ہوں"۔

یہ بات بریگیڈئر بہادر شیر اور کرنل ربانی کو کچھ عجیب لگی اور انہوں نے کئی جگہ ذکر بھی کیا۔ لیکن باقی باتیں ان کو سمجھ نہ آئیں کہ کچھ گلے شکوے تھے۔ البتہ کا تھورن نے سکندر مرزا کے ساتھ یہ وعدہ ضرور کیا کہ اس کو برطانیہ میں پناہ مل جائے گی۔

مغربی لابی اور ایوب

قارئین! یہ واقعات تفصیل سے لکھنے میں مقصد یہ ہے کہ سب باتیں میں ہی لکھوں اور سب جائزے میں ہی کیوں پیش کروں۔ آپ خود سمجھ لیں کہ ایوب خان کو کون اوپر لایا۔ ۱۹۵۶ء تک مغربی لابی کے صدر

انگریز تھے اور امریکن ان کی بھرپور مدد کر رہے تھے۔ ۱۹۵۶ء میں سویز پر حملے کے بعد مغربی لابی کی صف بٹ
امریکہ کے ساتھ چلی گئی۔ اور انگریز و آسٹریلیا وغیرہ سب ان کی مدد کرتے ہیں اس میں کوئی بات چھپی ہوئی نہیں
ہے۔ ایوب خان جب کمانڈر انچیف تھا تو مشرق و مغرب سے جو انگریز جنرل یا بڑے لوگ اس کو پنڈی میں ملنے آتے
تھے تو راقم اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا کہ ان "مہمانوں" کو ایسے لگتا تھا کہ وہ کسی اپنے آدمی کے "مہمان" ہیں اور یہی
بات اب امریکنوں کے لئے ہو چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امریکہ والوں کو مدد دینے کے لئے جنرل کا تصور بھی آیا ہوا
تھا۔ لیکن صرف مدد۔ اب امریکہ کے لئے ضروری نہ تھا کہ کا تصورن کی ہر بات مانتے۔

عزیز احمد کی تقریریں

اب اگلے دس سال ایوب خان نے حکومت کی۔ عزیز احمد چند دنوں کے لئے ہر چھاونی میں جا کر افسروں کے اجتماع
کو خطاب کرتے تھے۔ سیاستدانوں کو بڑا بھلا کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ بہت گندگی مچی ہوئی ہے اس کو ٹھیک کرنا
ہوگا۔ کس فلسفہ کے تحت، اس کا جواب عزیز احمد دینے کو تیار نہ تھے اور پشاور کے ایک ایسے ہی خطاب کے دوران راقم
خاموش نہ رہ سکا اور کہا کہ "عزیز احمد صاحب! جو کچھ ہوا وہ کردار کی کمی کی وجہ سے ہوا۔ کیا موجودہ حکومت قومی کردار
پر بھی کوئی توجہ دے گی؟" عزیز احمد صاحب نے مجھے انگریزی کے بڑے بڑے الفاظ استعمال کر کے وہ لیکچر پلا دیا کہ لوگ
میری طرف دیکھنے لگے کہ تو "چھوٹا" سا میجر اتنے بڑے آدمی سے اُلجھنے کا مزہ چکھ۔ عزیز احمد صاحب کا زیادہ زور اس
بات پر تھا کہ کردار ذو معنی لفظ ہے اور یہ کہنا کہ کون آدمی اچھے کردار والا ہے بڑا مشکل ہے اور مغربی معاشرہ میں اس
لفظ کے کئی معنی ہیں اور اس سلسلہ میں ساری باطل فلسفہ کی اصطلاحات کی مجھ پر بوچھاڑ کر دی۔ میں بھی خاموش نہ رہ سکا
اور عرض کی کہ تمہارا جواب نہ صرف غیر اسلامی ہے بلکہ اگر پاکستان کی باگ ڈور تمہارے جیسے آدمیوں کے ہاتھ میں رہی تو
اللہ تعالےٰ ہی پاکستان کا حافظ ہے"۔ میں تو بہت کچھ کہنے والا تھا کہ بریگیڈیئر فضل مقیم نے دور سے ہاتھ جوڑ کر اشارہ
کیا کہ "مہمان ہے اس کو معاف کر دو"۔

عزیز احمد کے ساتھ ایک دو اور جگہوں پر بھی ایسا ہی ہوا۔ اور فوجیوں نے عزیز احمد کے خلاف بھی لکھنا شروع
کر دیا۔ اس لئے عزیز احمد کو کچھ دنوں کے لئے ملک سے باہر بھیج دیا گیا اور ستمبر ۶۵ء سے پہلے پھر پاکستان میں موجود
تھا کہ ایک اور "سازش" کی بنیاد باندھے۔ اور ۷۷ء تک ہمارا حاکم رہا۔ بلکہ بعد میں بھی اس کو کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔

ایوب خان کو موقع اچھا ملا

ایوب خان کو اللہ تعالےٰ نے بڑا اچھا موقع دیا تھا۔ اگر وہ آغا خان کی بات یاد رکھتا تو پوری قوم کو اللہ کی فوج بنا
سکتا تھا۔ اس کے وزیروں میں کچھ اچھے لوگ بھی تھے جنہوں نے محنت سے کام کیا۔ لیکن دین اسلام کو سمجھنے والوں کو ایوب

نے اپنے سے دور ہی رکھا۔ اس کے مشیروں میں فاروقی کی قسم کے لوگ تھے جو لاہوری قادیانی تھے۔ پھر ایک
فضل الرحمن آیا جو "ماڈرن اسلام" کا دعویدار تھا۔ انگریزوں کے پرانے تنخواہ دار غلام پرویز جس کا ذکر بلال کے
مدیر اکرام قمر کی زبان سے ہو چکا ہے۔ وہ بھی ایوب خان کا خاص دوست تھا۔ آخری دنوں میں ایک اور
بے دین الطاف گوہر آگیا۔ تو اسلام کے لحاظ سے ایوب خان کا دور تاریک ترین ہے کہ اہلِ مغرب مکمل طور پر ہمارے
اوپر چھا چکے تھے۔

ہوائیں ان کی، فضائیں ان کی سمندر ان کے جہاز ان کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر؟ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ (اقبال)

ایوبی دور کے دس سال

ایوب خان کے دس سالہ دور میں کچھ اچھے کام ضرور ہوئے جن کو فلاحی کام کہا جا سکتا ہے یا مادی ترقی اور معاشرت
میں سہولت وغیرہ۔ لیکن ان نتائج کی بنیاد وقتی تھی اور نظریہ ضرورت کے تحت کچھ میدانوں میں دنیاوی ترقی کر لی گئی۔ لیکن
نقصانات کی تو کوئی حد نہیں کہ ایوب گیا، تو اس کے بعد دو سالوں کے اندر ملک وملت دولخت ہو گئے اور فوجی لحاظ سے ہماری
قومی عزت ختم ہو گئی۔ کلنک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر لگ گیا اور اسلام کی تاریخ میں اس سے بڑھ کر بے حیائی اور بے غیرتی
کا مظاہرہ نہیں ہوا کہ نوے ہزار سولین اور فوجیوں کو جن میں سے کم از کم اسی فیصد لڑنے مارنے کو تیار تھے، ہتھیار ڈالنے
پر مجبور کر دیا گیا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ مغربی پاکستان کے ہم آٹھ کروڑ باشندے بھی اس بے غیرتی اور بے عزتی
سے ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اس کی وجہ کیا تھی۔

۱ "ایوب خان کے دور کی مادی ترقی اور ماڈرن اسلام" اور علامہ کی ہم یہ بات بھول گئے تھے۔

سب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں

اور آگے اسی چیز کو یوں واضح کرتا ہے۔

تیغ و تفنگ دستِ مسلمان میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

یا کہتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اور یہاں پر علامہ اقبال ایوب خان اور عزیز احمد سے مخاطب ہوتے ہیں۔

؎ وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

اب علامہ مرحوم تو بتا گئے تھے کہ ہمیں کس قسم کے لیڈر چاہئیں اگر ہم نہ سمجھیں تو ہماری قسمت کہتے ہیں۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست زندگی تیرے لئے اور دشوار کرے

اور قوم ایوب خان اور ہم فوجیوں سے یہی توقع کر رہی تھی کہ ہم ایسے امام ہیں۔ لیکن قوم کو اللہ کی فوج بنانے کی بجائے ہم خود سویلین بن گئے۔ اور پیشہ ور فوج سے جو ایوب خان نے اپنے دونوں بیٹوں کو ڈسچارج کرا کے سویلین بنا دیا کہ سول کے کاروبار میں سونے کی کانیں ہیں تو ہماری پیشہ ور فوج پر بڑے بُرے اثرات پڑے ہیں۔

ایوب کی بے مقصد ریفارمز

ایوب خان کے زمانے میں سیاسی لیڈر اپنے کئے کا خمیازہ بھگت رہے تھے۔ خاموشی تھی اور تسلی کے ساتھ کام ہو رہا تھا۔ لیکن کوئی بنیادی کام نہ ہو سکا اور جو کچھ ایوب کے زمانے میں ہوا۔ وہ ایوب کے جانے کے بعد بھس کی طرح اُڑ گیا۔ تمام ریفارمز بے مقصد تھیں۔ تعلیم کے سلسلہ میں جو ریفارمز ہوئیں وہ بے مقصد تھیں وہی طرزِ تعلیم۔ وہی بے مقصد ہدف، وہی لارڈ میکالے کے طور طریقے، وہی انگریزی، سب کچھ اسی طرح موجود ہے کہ مقصد واضح نہ تھا کہ تعلیم میں کیا خرابی ہے اور کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور پھر اسلامی فلسفۂ حیات تو سامنے تھا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی تعلیم تین طریقوں سے جاری ہے۔ اول مشنری سکول جو روز بروز ترقی پر ہیں اور مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان نہ چھوڑو دوم سرکاری ادارے کہ لوگوں کو روزگار یا پیٹ پالنے کے لئے کسی قابل کر چھوڑتے ہیں۔

؎ شکایت ہے مجھے یا رب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

بے مقصد تعلیم

تیسرے دینی مدارس ہیں جہاں پر تعلیم حاصل کرنے میں زیادہ مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ کسی مسجد کی امامت

ل جائے۔ یا کہیں درس پڑھا لیں ہاں چلو اللہ اور رسولؐ کا نام بھی لے لیا۔ البتہ ان لوگوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور کچھ بھی کہہ لیں اسلام کا نام تو لیتے ہیں لیکن یہ تمام درس نظامیہ کے طرز پر سلجوق زمانے کا فقہ ہی پڑھاتے ہیں اور اسی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں تو اس طرح اسلام کو مسجدوں میں محدود کر دیا ہے۔ اور مسلمان مسجدوں سے باہر آزاد پھر رہے ہیں۔

ے ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد!!

اور یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے آگے یہ بھی کہہ دیا

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال ۔۔۔ تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

اب ظاہر ہے کہ جس قوم کے تعلیم کے طریقے ہی الگ الگ ہوں اور مقاصد بھی الگ الگ تو وہ قوم حزب اللہ کیسے بن سکتی ہے تو ایوب خان کی تعلیمی ریفارمز نے صحیح بات کی طرف تو دھیان ہی نہ دیا البتہ لارڈ میکالے کا جو طریقہ رائج تو اس میں کافی اُلجھنیں پیدا کر دیں اور تعلیم کے سلسلہ میں بھی ہم غیروں کے محتاج ہیں بلکہ حکیم محمد سعید کے مطابق اس سلسلہ میں ہدایات بھی باہر سے ملتی ہیں۔

لینڈ ریفارمز

ایوب خان کا لینڈ ریفارمز اس سے بھی زیادہ بے معنی تھا اور کوئی مقصد سامنے نہ تھا۔ اگر جاگیرداری ختم کرنا مقصود تھی تو سرمایہ داری بھی ختم کرتے، اور خیر کتنے کسانوں کو زمین ملی یہ تعداد سینکڑوں میں ہے تو غریب کو امیر بھی نہ کیا جا سکا۔ اور اگر پیداوار بڑھانا مقصود تھا تو وہاں بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آج بھی دنیا میں ہمارے فصلوں کی اوسط پیداوار فی ایکڑ دنیا میں نچلے درجوں پر ہے۔ ایسی ریفارمز کسی سیاسی فلسفہ کے تحت اور پیداوار بڑھانے کے لئے کی جاتی ہیں اور اس کے لئے کچھ اصول اپنانے پڑتے ہیں۔ یہاں ایوب خان نے جو سرکاری زمین حاصل کر کے اپنی جائداد بنالی تھی اسی کو حد مان لیا گیا ورنہ ایوب خان خاندانی طور پر کوئی جاگیردار تو نہ تھا۔ وہ بھی ہماری طرح تھا کہ اس کا والد ہڈسن ہارس میں پہلے ناگر بھرتی ہوا تھا اور بعد میں سوار بنا۔ اور میرے نین بزرگ اسی زمانے میں اسی رسالے میں دو دو سو روپے ادا کر کے سلیدار سوار بھرتی ہو گئے تھے۔ کہ اس زمانے میں رسالہ میں سوار بھرتی ہونے کے لئے بھی یا اپنا گھوڑا ہونا چاہیئے تھا یا دو سو روپے ادا کرنے پڑتے تھے جو مشکل کام تھا کہ پلٹن کے

سپاہی کی تنخواہ سات روپے ماہوار ہوتی تھی۔ اور رسالہ والوں کی کچھ زیادہ ہوتی تھی۔ کہ گھوڑے کے لئے بھی سرکار پیسے دیتی تھی۔

سندھ طاس کا منصوبہ

سندھ طاس منصوبہ کے سلسلہ میں تو پاکستان کا سخت نقصان ہوا۔ راوی اور ستلج کا سارا پانی بھارت کو دینا اور چناب پر بھی آدھا حق بھارت کو دے کر "قیمت" وصول کر لی کہ ہم ان پیسوں سے سندھ اور جہلم پر ڈیم بنائیں گے۔ یہ ایک افسوسناک سمجھوتہ ہے۔ بھارت جب چاہے ہمارے ملک میں سیلاب لا سکتا ہے اور جب چاہے سیالکوٹ اور لاہور ضلع کے کئی علاقوں کو خشک رکھ سکتا ہے۔

اور کشمیر بھارت کو دینے میں یہی سازش تھی اسی سازش کے تحت گورداسپور کا بڑا علاقہ امرتسر کی دو تحصیلیں جالندھر کی ایک تحصیل اور فیروز پور کی دو تحصیلیں جہاں مسلمانوں کی زیادتی تھی، وہ پاکستان کو نہ دی گئیں۔ پھر افسوسناک بات ہے کہ ایک طرف ہم ڈیم بنا رہے ہیں لیکن ہم نے علاقوں میں سیم و تھور پر قابو نہیں پا سکے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اب ضرورت تو اس امر کی تھی کہ دریاؤں کے پھیلاؤ کو ختم کرتے اور وہ ایک گہری کھائی کی طرح ایک گزرگاہ سے گزرتے اور تمام سیم کے علاقوں سے پانی اس گہری کھائی میں ڈال کر آبپاشی کے لئے استعمال کیا جاتا اور یہ پانی اتنا زیادہ ہے کہ صوبوں کے پانی کے جھگڑے بھی ختم ہو جاتے لیکن افسوس کہ ہمارے ماہر زیادہ وقت اس میں گزارتے ہیں کہ ہم نے جو ڈیم بنائے ہیں ان پر مٹی کتنی خرچ ہوئی۔ اور دنیا میں وہ اپنی قسم کے پہلے بڑے ڈیم ہیں وغیرہ۔ قوم کو یہ لفاظی نہیں چاہئیے ان کو نتائج کی ضرورت ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

ایوب سیاسی فلسفہ نہ دے سکا

ایوب خان کا دعویٰ تھا کہ وہ قوم کو صاف ستھری سیاست اور ایک ایسا قانون یا آئین دیں گے جو قوم کی امنگوں کے مطابق ہوگا۔ بے شک اس سلسلہ میں بنیادی جمہوریتوں کے تحت گاؤں یا تحصیل و ضلع کی سطح تک کچھ اچھے کام ہوئے۔ لیکن اس قانون کی دھجیاں اس کے نفاذ کے وقت سے اڑنا شروع ہو

گئیں ۔ ایوب نے انتخابات غیر سیاسی بنیادوں پر کرائے ۔ لیکن چند دن بعد ایوب کو خود سرکاری مسلم لیگ کو جنم دینا پڑا ۔ اور اس طرح باقی سیاسی جماعتیں بھی میدان میں آگئیں ۔ مس فاطمہ جناح کی آڑ میں فائدہ شیخ مجیب الرحمٰن اور ولی خان نے اٹھایا اور ایوب جاتے جاتے سیاسی حالات پہلے سے بھی بدتر کر گیا ایوب کو اپنے جنائے ہوئے قانون میں "ترمیم" تو پہلے دن ہی کرنا پڑ گئی کہ جن لوگوں کو اس نے وزیر بنایا انہوں نے قانون کے مطابق اسمبلی کی اپنی سیٹوں سے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا ۔ لیکن مکمل طور راول ڈیم میں اس آئین کو ایوب خان کے حواری جنرل یحییٰ خان نے ڈبو دیا ۔ ایوب خان جمہوریت کو کنٹرول کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے ایک اور جونیئر حواری بھٹو نے فیلڈ مارشل کو ہتھیار ڈلوانے کے لئے اسی جمہوریت کا سہارا لیا کہ وہ جمہوریت کو کنٹرول کرنے کی بجائے "آزاد" کر دے گا ۔

یہ لمبی کہانیاں ہیں کہ جب مقصد سامنے نہ ہو ، اصول کوئی نہ ہو طریق دکار وضع نہ ہوں تو ایسا تیر ٹبیر کام ہی چلے گا ۔ افراتفری ہوگی اور طاقت حاصل کرنے کے لئے رسہ کشی ہوگی کہ اسلامی نظامِ حیات آنکھوں سے اوجھل ہے ۔ اور ایوب کے زمانے میں ہم جتنے اسلام سے دور ہوئے آئندہ کے تاریخ دان اس کو اسلام کا ایک المناک دور کہیں گے کہ اگر رائٹرز گلڈ بنائی تو وہاں باطل فلسفہ والوں اور اسلام دشمن ادیبوں کی 'پرورش' بھی ہوئی ۔ ثقافت کے نام پر غیر ملکی لوگوں نے ہم پر یلغار کر دیا ۔ طائفے ، فن ، فن کاری اور پتہ نہیں کون کون سے باطل معاشرت کے طریقے ہماری زندگی پر چھا گئے ۔ یحییٰ اور بھٹو دونوں ایوب خان کے سایہ تلے پل کر 'جوان' ہوئے ۔ اور ایوب خان کے دور کی "پرورش" ہمیں یہ "دو تحفے" دے گئی ۔ اس لئے اس بحث کو یہاں ختم کیا جائے کہ نتیجہ یہ نکلا ۔ ؎

ترا وجود سراپا تجلّیٔ افرنگ — کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر

پیشہ ور فوج کی تربیت

ایوب خان کے زمانے میں پیشہ ور افواج میں کچھ اچھے کام ہوئے کہ باہر سے جو سامان ملا اس کے استعمال کو سیکھنے پر ہماری افواج نے بڑی محنتیں کیں ۔ اور جو لوگ امریکہ کورس کرنے گئے ۔ وہاں پر بھی انہوں نے بڑا نام پیدا کیا ۔ البتہ ایسے لوگوں پر مغربی ثقافت کا یلغار ضرور ہو گیا ۔ اور ان سب پر اس کے اثرات ضرور رہیں ۔ صرف وہی لوگ مکمل طور پر بچ سکے جن کی پرورش سخت اسلامی ماحول میں ہوئی تھی لیکن یہ بچاؤ کب تک ہوگا ۔ یہاں بھی ایسے "یلغار" چاروں طرف سے جاری ہیں اور "مرعوبیت" سے تو کوئی مشکل

ہی سے بچا ہوگا۔ یہی بڑا المیہ ہے۔

نئی سوچیں

پچھلے ایک باب میں گزارش کی تھی کہ افواج میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ہم اپنے دفاعی طریقوں ک
اسلامی رنگ دیں۔ لیکن یہ سب کچھ ایک قادیانی کے ہاتھوں ردی کی ٹوکری میں چلا گیا۔ اب ایک اور خیال نے
لیا کہ ہم اپنے جنگ کے طریقوں کو علاقے اور زمین کی ضرورت کے مطابق کریں۔ اور امریکہ وغیرہ سے جو ہتھ
مل رہے ہیں ان کے فائر سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ اور اس طرح اگر کچھ نفری کم کر سکیں تو
فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ خیال بڑا اچھا تھا اور ہے لیکن یہ چیز تو اتنی معمولی نوعیت کی ہے کہ یہ بات ہم
پر چھوڑ دیتے اور ہم نہ صرف اس کے لئے کوئی طریقِ کار وضع کرتے بلکہ یہ بھی کرتے کہ ان طریقِ کار پر ہر
نظرِ ثانی ہونا چاہیئے اور ہر پیشہ ور فوج میں ایسا ہوتا ہے اور ہمارے آرمز یا سروسز کے سکولوں کو یہ
لگاتار کرتے رہنا چاہیئے۔

لڑنے کی تدبیرات میں تبدیلی

یہ ساری کہانی سویلین صاحبان کو کچھ اچھی نہ لگے گی لیکن راقم نے پہلے مضمون میں یہ واضح کیا
کہ ستمبر ۶۵ سے پہلے افواج کی لڑنے کی تدبیرات میں جو تبدیلیاں کی گئی تھیں وہ غلط کارروائی تھی جس
زیادہ ذمہ داری جنرل محمد موسیٰ اور یحییٰ کے "سایہ" جنرل حمید پر آتی ہے۔ اس لئے یہ پہلو خوب تر وا
کرنا ہوگا کہ سویلین صاحبان کو ایک اہم فوجی پہلو سمجھ بھی آ جائے گا۔

اب فوج کے لڑنے کی تدبیرات میں تبدیلی دو طرفہ ہوتی ہے جس میں سے نچلی طرف کا ذکر کیا جا چکا
ہے کہ وہ کام ہم "میجروں" کو کرتے رہنا چاہیئے۔ اور اوپر والی تبدیلی حکمتِ عملی کے تحت ہوتی ہے کہ ہم کتن
اور کس قسم کی فوج رکھ سکتے ہیں اور اس کو محاذ پر کس طرح استعمال کریں گے اور اپنی تمام تر تدبیرات
کو ایسی حکمتِ عملی کے تابع کرنا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے پاس بکتر بند گاڑیوں کی کمی ہو اور
کسی محاذ پر دشمن کے مقابلے میں حکمتِ عملی کے طور پر ہم بکتر بند گاڑیاں چند یا بالکل نہیں لے جا سکتے
تو پھر ہم کو "شب خونی" کی تدبیرات اپنانا پڑیں گی یا مجاہدین کو ایسی تربیت دینا پڑے گی کہ وہ چھوٹ
ہتھیاروں سے دشمن کی بکتر بند گاڑیوں کو تباہ کر دیں۔ اور یہ مشکل نہیں ہے۔ راقم کے جوانوں نے
ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں اس کام کو ۲۲ ستمبر تک نبھایا۔ اور اگر ہمیں گھیرا نہ پڑ جاتا اور دشمن ہمارے

پیچھے پہنچ کر ہمارے بارود پر قبضہ نہ کر لیتا تو آخری چند گھنٹوں میں دشمن نے ہمارا جو نقصان کیا ہم انشاءاللہ اس کو وہ نقصان نہ کرنے دیتے۔ لیکن افسوس کہ اوپر والے ہمارے عقب کی حفاظت نہ کر سکے۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

نقالی

بہرحال ہم بحث یہ کر رہے تھے کہ تدبیرات میں تبدیلی کے اصول کیا ہیں۔ اب بدقسمتی سے جنرل حمید نے ایک جرمن کی کتاب پڑھ لی تھی جس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہو گیا تھا۔ یہ کتاب اتنی اہم نہ تھی اور ہر یونٹ نے تو نہ منگوائی۔ البتہ ہر سٹیشن کی لائبریری کے لئے ایک ایک کتاب منگوائی گئی۔ لیکن جنرل حمید نے اس کی بانٹ روک دی اور اس کتاب میں تدبیرات کے لئے دفاع کے سلسلہ میں کھلے میدانوں میں دو رمار ہتھیاروں کی مدد سے کم نفری کے ساتھ دشمن کے روکنے کے طریقوں کو بنیاد بنایا اور ہر ڈویژن کا تیسرا حصہ اگلے محاذ پر دفاع کی دو تین پتلی لائنیں بنائے گا اور دشمن کو روکے گا۔ جب دشمن تھک کر چور ہو جائے گا اور ہماری مار میں آ جائے گا تو ہم ڈویژن کے باقی دو تہائی سے حملہ کر کے دشمن کو تہس نہس کر دیں گے۔ لیکن یہاں جنرل حمید اس کے موجد بن گئے۔ اصولی طور پر تو ایسی تدابیر سے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن ہمارے تین بڑے اعتراض تھے۔ اور راقم اس بحث میں شامل تھا جو اس سلسلہ میں ۵۹ - ۱۹۵۸ میں پشاور کے علاقے میں ہوئی۔ اول اختلاف یہ تھا کہ پھیلاؤ بہت زیادہ ہے۔ دشمن بیچ سے گزر جائے گا۔ دوم جب وقت ہو گا تو کمپنی کمانڈر اتنے لمبے چوڑے علاقے کی دیکھ بھال کیسے کرے گا اور علاقہ کیسے بانٹے گا اور سوم جب حملہ کر کے دشمن سے کوئی علاقہ چھین لیں گے تو کمپنی اتنے لمبے چوڑے علاقے میں نہ پھیل سکے گی۔

نامکمل مطالعہ

جنرل حمید نے کہا کہ بڑے اچھے سوال ہیں۔ آپ بھی ان سوالوں کا جواب تلاش کریں۔ اور وہ بھی تلاش کریں گے اور اپنے لبرل ہونے کا ثبوت پیش کر دیا۔ لوگ خوش ہو گئے لیکن دراصل بات یہ تھی کہ حمید اور اس کا گروہ صرف وقت گزارنے کے لئے ایک شوشہ چھوڑے ہوئے تھا۔ سر پہاڑی میں جاتے تھے وہاں شراب لنڈھاتے تھے۔ نیچے والے کچھ کام کر چھوڑتے تھے۔ معاملات کی گہرائی میں کوئی نہ جاتا تھا۔

ساری بات اصولاً غلط تھی کہ حکمتِ عملی وضع نہ تھی ۔ تو تدبیرات بھی وقتی تھیں کہ فائر بندی سے گزارہ ہو جائے گا ۔

غلط اصول

البتہ دفاع کے اس نئے طریقہ کار کا مطالعہ ہوتا رہا ۔ اور حملے کے لئے بھی کئی تنقیصات کر لی گئیں ۔ اور ایک غلط اصول بھی اپنایا گیا کہ دشمن پر بھرپور حملہ (ASSAULT) کی بجائے فائر اور حرکت کی مدد سے آہستہ آہستہ آگے بڑھا جائے یہ بڑی غلط بات تھی ۔ جو جوان ایک دفعہ زمین پر لیٹ جائے وہ حملہ مشکل سے کرتا ہے ۔ اور ویسے پرانے طریقِ کار میں بھی جب دشمن آگے سے سخت فائر کرے ۔ تو جواباً فائر اور حرکت کے اصول کو اپنا کر حملہ کیا جاتا ہے لیکن کوشش دھاوے کی ہوتی ہے کہ جو رک گیا وہ رُک گیا ۔

بہرحال ہمارے سخت اعتراضات کو کچھ مانا گیا اور ہم زیادہ اعتراض کرتے بھی نہ تھے کہ " قدامت پسندی " کا لیبل نہ لگ جائے ۔ اور پھیلاؤ کچھ کم کئے گئے اور کچھ مان لیا گیا کہ وقتی طور پر کمپنی کمانڈر جو کچھ " بہتر " سمجھے وہ کرے ۔ اور قارئین سنیئے نہ یہ طریقِ کار میدانِ جنگ میں ایک دن بھی نہ چل سکا ۔ ہم نے وہی کیا ، جو " مناسب " تھا ۔ تو ظاہر تھا کہ طریقِ کار وضع کرنے والوں نے اپنا وقت بھی ضائع کیا اور ہمارا بھی اور ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے بعد اس طریقِ کار کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا ۔ اب انصاف تو یہ تھا کہ اس طریقِ کار کے بانیوں کو نہ صرف گھر بھیج دیا جاتا ۔ بلکہ سزا بھی دی جاتی ۔ لیکن اُلٹا ان سب کو ترقیاں دی گئیں ۔ اور کیوں نہ دیتے ان لوگوں نے ایوب خان اور محمد موسیٰ کو یہ طریقِ کار عملی طور پر " زمین " اور " ماڈلوں " پر دکھائے ۔ انہوں نے واہ واہ بھی کی تھی ۔ مخالفت کرنل قیوم یا مجھ جیسے کچھ سر پھرے میجروں نے کی ۔ اس لئے ہمیں بقول ایوب خان اپنے " مقام "[۱] پر رکھا گیا ۔

ستمبر ۶۵ء کی جنگ جونیئر افسروں نے لڑی

بہرحال یہ بھی مشہور ہے کہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میجروں نے لڑی اور اسی سطح پر کامیابی ہوئی ۔ تو کچھ عزت رہ گئی ۔ ورنہ اوپر والی سطح پر تو معاملہ " صاف " تھا ۔ البتہ ہم یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑیں گے اور اگلے باب میں ہم ستمبر ۶۵ء کی جنگ کا ذکر تفصیل سے کریں گے اور قوم کو معلوم ہو جائے گا

---

[۱] ایوب کی کتاب فرینڈز ناٹ ماسٹرز سے استفادہ کریں ۔

کہ جنگ کس نے لڑی۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد فرانس کے ایک جنرل نے کہا کہ پاکستان کی فوج میں کپتان تو بڑے اچھے اچھے ہیں لیکن جنرل اچھے نہیں۔ جنرل ٹکا خان کو اس پر اعتراض تھا کہنے لگا ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے میجر دسمبر ۷۱ء کی جنگ میں بریگیڈیئر تھے۔ اگر ۱۹۶۵ء میں وہ اچھے تھے، تو دسمبر ۱۹۷۱ء میں وہ لوگ خراب کیسے ہو سکتے ہیں۔" راقم کا جواب تھا کہ گہرائی میں جائیں ۱۹۶۵ء کا ثبوت موجود ہے ان لوگوں نے اچھا کیا ۱۹۷۱ء کا ثبوت موجود ہے کہ یہی لوگ بریگیڈیئر تھے اور اچھا کام نہ کیا تو ظاہر ہوا کہ اوپر جانے کے لئے یا کردار میں فرق پڑا ہے یا ایسے عہدوں کی ضرورت ہے کہ لوگ بے اصول بن جائیں تب یہ عہدے ملیں گے۔ یا ویسے ہی ایسا ہے کہ آدمی جب اوپر چلا جاتا ہے تو وہ "مطمئن" ہو جاتا ہے اور لیاقت علی کی طرح کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔

تو نتیجہ یہ نکلا کہ طریق کار غلط ہے کہ اچھے بھلے لوگ اوپر جا کر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ راقم اس فوج میں دوسری جنگ عظیم سے پہلے شامل ہوا۔ اور تقریباً اُنتالیس سال نوکری کے بعد ۱۹۷۹ء میں ریٹائرڈ ہوا۔ لیکن فوج کے ساتھ تعلق اب بھی قائم ہے۔ ایوب خان کو کپتان دیکھا اور جب میں فوج میں آیا تو ایسے لوگ بھی فوج میں موجود تھے جنہوں نے پہلی جنگ عظیم میں حصہ لیا تھا۔ اب ان میں سے کئی صاحبان کے پوتے بھی اس فوج کے سینئر افسر ہیں میں نے لوگوں کو تبدیل ہوتے دیکھا۔ اسلام سے دُور ہوتے دیکھا، اسلام کی طرف واپس آتے دیکھا۔ لیکن مجھے جو کچھ ان لوگوں سے حاصل ہوا جو اپنے کئے پر نادم تھے، اور خود ندامت کی تو اس سے ایمان کا لطف آیا اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا چونکہ ہم ستمبر ۶۵ء کی جنگ کی طرف بڑھ رہے ہیں تو آیئے ایک دفعہ پھر اپنے من میں ڈوب کر دیکھیں کریں اور اپنے آپ کو ندامت کریں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

جنگی مشقیں اور دفاعی طریقوں پر غور

ستمبر ۶۵ء کی جنگ سے پہلے اوپر والی سطح پر کئی جنگی مشقیں ہوئیں اور دفاع کے نئے طریق کار پر بڑے بحث مباحثے بھی ہوئے لیکن اوپر والی سطح پر معاملہ پہلے ہی دن سے "صفر"

تھا۔ اس دفاع کا بڑا اصول یہ تھا کہ فوج کا ایک تہائی حصہ دفاع میں ہو گا اور دو تہائی پیچھے ہو
جو دشمن پر اس وقت حملہ کرے گا جب وہ آگے والے دفاع والوں سے کافی مار کھا چکا ہو گا۔ یہ ح
کسی محاذ پر نہ تھی۔ بلکہ بعض جگہوں پر جوابی حملہ کرنے کے لئے بھی کوئی فوج باقی نہ تھی۔ تو اس
طریق کار کے "خالق" اور اوپر سطح والے کمانڈر خواہ جنرل موسٰی ہو یا باقی وہ اسی ایک بات
جواب نہیں دے سکتے۔

تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر والی سطح پر اتنی خامیوں کے ہوتے ہوئے ہم ستمبر ۶۵ء
بچ کیسے گئے۔ تو جواب یہ ہے کہ اوپر والے جب طریقِ کار وضع کرتے رہے تو انہوں نے فوج
استعمال تو خوب کیا۔ خوب جنگی مشقیں ہوتی رہیں اور چونکہ نیچی سطح پر ہدف دیکھ کر نمبر مارا جاتا
اور نتیجے آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ اس لئے نچلی سطح پر لوگ کافی تربیت یافتہ ہو گئے اور نچلی
پر اسلام کا جذبہ بھی کچھ قائم تھا اوپر والی سطح نے کچھ احکام دیئے۔ اور وہ بھی زیادہ تر کسی مجبوری کے ت
کہ نیچے والے لوگوں نے ان کو مجبور کیا اور بتایا کہ اس حکم کی ضرورت ہے یا فلاں کامیابی وہ حاصل کر
ہیں تو تب اُوپر والوں نے کچھ کارروائی کے احکام دیئے اور عزت رہ گئی۔ اوپر بھی کچھ اچھے لوگ
اور ہم کسی کی نیّت پر شک نہیں کرتے۔ لیکن خطرہ لینے کو کوئی اوپر والا تیار نہ تھا۔

بنیادی طور پر فوج میں اچھے لوگ ہیں

بہرحال فوج کا مورال ضرور اچھا تھا۔ اور ۱۹۶۲ء میں بھی فوج کے کئی لوگوں نے ایوب خان
صلاح دی تھی یعنی جب چین اور بھارت کی جنگ چھڑی کہ بڑا اچھا موقع ہے اور بھارت سے کشمیر
جا سکتا ہے۔ ایوب خان از خود اس بات کو بعد میں تسلیم کرتے رہے۔ لیکن اِدھر حالات یہ
کہ ہمارے امریکن دوستوں نے ہمیں کہا کہ ہم بھارتی فوجوں کو اجازت دیں کہ وہ مشرقی پاکستان کو
BASE کے طور پر استعمال کریں۔ نہرو گھبرایا ہوا تھا اس نے امریکنوں اور برطانیہ سے کہا کہ پاکستا
مشرقی پاکستان کے علاقہ کے استعمال کی بات تو نہیں مانے گا۔ کہیں کشمیر میں کوئی کارروائی نہ کر دے۔

مغربی طاقتیں بھارت نواز نکلیں

مغربی طاقتوں نے برطانیہ کے کامن ویلتھ کے وزیر مسٹر ڈنکن سنڈے کو دوڑایا کہ پاکستان کو ہر کار
سے باز رکھا جائے چنانچہ سنڈے پہلے بھارت گیا اور نہرو کو تسلی دی اور کہا کہ میں تمہاری طرف سے پاکستا

کو یقین دہانی کراؤں گا کہ تم ان کے ساتھ کشمیر کے سلسلہ میں کوئی باعزت سمجھوتہ کرنے کو تیار ہو اور پھر پاکستان کو کسی کارروائی سے روکا جا سکتا ہے۔ ڈلکن جب پاکستان آیا تو وزارتِ خارجہ کا کام بھٹو عارضی طور پر کر رہا تھا۔ اور ایوب خان کے ساتھ اس کی ساری باتیں بھٹو کے سامنے ہوئیں۔ ایوب نے اس کو یہ تاثر دیا کہ ہمارے پاس کشمیر فتح کرنے کی تجویز موجود ہے۔ یہ بات خود بھٹو نے ایوب ہال میں تسلیم کی۔ لیکن ہم لوگوں کے کہنے پر ہم رُک جاتے ہیں۔ بہر حال اس زمانے میں کچھ نہ ہوا۔ اور پھر چین والوں نے بھارت کو شکست دے کر زیادہ پیچھا بھی نہ کیا۔ وہ وہاں واپس چلے گئے، جہاں تک کا علاقہ وہ اپنا سمجھتے تھے۔ بھارت نے شکر کیا اور ہم نے ایک اچھا موقع کھو دیا۔

امریکہ کی سازش

اب معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد امریکنوں نے سوچا کہ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کر دیا جائے تاکہ کمزور مشرقی پاکستان بھارت کی ہر بات مانے گا۔ ادھر بھٹو کو جب معلوم ہوا کہ فوج کافی مضبوط ہے اور بھارت سے کشمیر کسی طرح لیا جا سکتا ہے تو اس نے سوچا کہ کچھ تماشا ہو جائے کشمیر میں کچھ کارروائی کی جائے اگر فتح ہو گئی تو ایوب کے علاوہ سہرا اس کو بھی بندھے گا۔ اور شکست کی صورت میں ساری بدنامی ایوب خان پر آئے گی۔ اسی زمانے میں راقم بھی اپنی یونٹ کے ساتھ پنڈی پہنچ گیا تھا۔ اور صدر ہاؤس کی حفاظت کی ذمہ داری ہماری یونٹ کے پاس تھی اس لئے راقم کو بھی اکثر صدر ہاؤس جانا پڑتا۔ جب ہم پنڈی پہنچے تو اسی زمانے میں نئے قانون کے تحت اسمبلی کے ممبر منتخب ہو کر آئے تھے۔ اور پہلے ہی اجلاس میں سپیکر کے عہدہ کے لئے ایوب خان کا نمائندہ حبیب الرحمٰن شکست کھا گیا اور مولانا تمیز الدین سپیکر بن گئے۔

ایوب کی فکرمندی

ایوب فکرمند تھا کہ گو انتخابات غیر سیاسی تھے لیکن اسمبلی میں آکر حالات نے سیاسی صورت اختیار کر لی اور ایوب نے پہلے تو اپنے بھائی سردار بہادر کو کہا کہ "سیاسی معاملات" کی دیکھ بھال وہ کرے لیکن سردار بہادر کامیاب نہ ہوا۔ یا اس کے اپنے مقاصد تھے کہ وہ بھی دل سے ایوب خان سے خوش نہ تھا کہ خاندانی رواج کے مطابق دونوں بھائیوں کے رشتے آگے نہ بڑھ سکے تھے بہر حال مجھے اختر ایوب کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ ان کا چچا ان کی اُمیدوں پر پورا نہ اُترا۔ حالانکہ اختر ایوب اپنے چچا کی بہت

عزت کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے باپ اور چچا کے تعلقات ٹھیک رہیں۔
لیکن ایوب خان کو جلد معلوم ہوگیا کہ ہر "منتخب" آدمی کی کچھ "قیمت" ہوتی ہے۔ کسی
وزارت، کسی کو سفارت اور کسی کو تجارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی وظیفوں اور لائسنسوں پر را
ہو جائے گا۔ کوئی بیٹے یا کسی رشتہ دار کے لئے کسی عہدہ کا خواہش مند ہو گا۔ اس لئے ایوب خان نے جا
ہی کافی ممبروں کو "راضی" کرلیا۔ لیکن وہ ان کو کچھ "مرعوب" بھی رکھنا چاہتا تھا۔ اور کوئی ایسا فوج
کام دکھانا چاہتا تھا جس سے "یہ لوگ" ایوب کی فوجی شخصیت سے مرعوب ہو جائیں۔

ایوب عام ذہن کا آدمی تھا

پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ ایوب خان اتنی زیادہ فوجی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا حامل نہ تھا۔ نہ
دوسری جنگِ عظیم میں کام کیا اور نہ کشمیر کی جنگ میں۔ اس لئے بعض دفعہ کسی معمولی کارروائی سے
بھی بہت زیادہ متاثر ہو جاتا تھا۔ اور ہر چیز کو کھلے زاویہ سے پرکھ کر اس کا باقی چیزوں سے موازنہ
کرکے اس چیز کو اپنے اصلی مقام پر رکھنے کی بجائے بعض دفعہ معمولی چیز کو بھی بہت زیادہ اہم
سمجھ لیتا تھا۔ اور ایوب خان کی اسی کمزوری کی وجہ سے وہ "عامیانہ" آدمی ہی تھا چنانچہ وہ مجھے کہنے
لگا کہ ۱۹۵۶ء میں کوئٹہ انفنٹری سکول میں جو فائر پاور کا ڈیمانسٹریشن اس نے دیکھا تھا اور میں بھی
ساتھ تھا کیا اس جیسا ڈیمانسٹریشن ہماری پلٹن پنڈی میں بھی دکھا سکتی ہے۔ تو گزارش کہ اب تو
اور ہتھیار آ گئے تھے اور اس سے دس گنا بہتر "تماشا" دکھایا جاسکتا ہے۔

فائر پاور کا "تماشا"

کوئٹہ میں ہر سال ایسے ڈیمانسٹریشن کئی دفعہ ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہوں گے۔ ۱۹۵۶ء
میں صرف اتنی زیادتی کی گئی کہ میجر نور محمد نے ایوب خان کو متاثر کرنے کے لئے، دیکھنے والوں کے
نزدیک ذرا زیادہ دھماکے کر دیئے تھے اور "لڑائی کا ٹیکہ" ذرا سخت لگا دیا تھا کہ ساتھ ہی نئے
آئے ہوئے امریکن ہتھیاروں کی کارکردگی بھی دکھانا تھا۔ چنانچہ ایوب خان یہی "لڑائی کا ٹیکہ" اسمبلی
کے ممبروں کو بھی لگانا چاہتا تھا جس سے وہ خود "مرعوب" ہو چکا تھا اس لئے ایوب خان نے اپنے
ملٹری سیکرٹری کے ذریعہ سے جی ایچ کیو کو ایسے احکام دے دیئے کہ بارہ کہو میں سولہ پنجاب یعنی
ہماری پلٹن اسمبلی کے ممبروں کے لئے ایسا ڈیمانسٹریشن تیار کرے گی۔

اب پوری پلٹن میں ہمارے کرنل صاحب سمیت بڑے بڑے ماہر لوگ تھے اور راقم بھی مشورہ دیتا رہا۔ کمپنی کا محاذ بھی موجودہ طرز کے تحت بڑا رکھا اور ڈیمانسٹریشن کا وقت بھی شام کو رکھا۔ اور تیاری بھی خوب کی۔ سب وزیر، اسمبلی کے ممبر، جی ایچ کیو کے بڑے افسر حتیٰ کہ گورنر مغربی پاکستان نواب کالاباغ بھی موجود تھے۔ بہرحال اس ڈیمانسٹریشن سے ایوب خان اتنا متاثر ہوا کہ اس کے خاتمہ پر بغیر پروگرام کے نو مائک پر پہنچ گیا اور ایک تقریر بھی کر دی۔ اور ایوب خان کو تسلی ہو گئی کہ فوج میں بڑی صلاحیتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ بعد میں شاہ ایران آیا تو ہم کو دوبارہ یہی ڈیمانسٹریشن اس کو بھی دکھانا پڑا اور ایوب خان، شاہ ایران کو لاہور لے گیا کہ ہم نے لڑائی لڑنے کا اپنا ایک نیا طریقہ نکالا ہے اور ہم اب فن حرب کے ماہر ہو گئے ہیں۔ یہ بات اس حد تک صحیح تھی کہ چھوٹی سطح پر حالات بہت اچھے تھے۔ لیکن یہ "محدود" اچھی کارروائیاں تھیں ان کو اوپر جوڑنے والا کوئی نہ تھا۔ بہرحال انہی دنوں چین کے وزیراعظم چواین لائی بھی پاکستان آئے تو انہوں نے بھی کہا کہ اس کا اندازہ ہے کہ پاکستان کی فوج اب بھارت کی فوج سے کئی معاملات میں برتر ہے۔ یہ بات کئی لحاظ سے صحیح تھی کہ چھوٹی سطح پر ہم نے محنتیں بہت کی تھیں۔ علاوہ توپخانہ اور بکتر بند دستوں کے لحاظ سے ہمارے پاس بھارتی فوج کی نسبت بہتر ہتھیار تھے۔ لیکن افسوس کہ پیدل فوج کی کمی تھی۔ البتہ ہم اس سلسلہ میں فکرمند نہ تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمارے پاس ریزرو (RESERVE) نفری کافی ہے۔ اور ضرورت کے وقت ایک ماہ میں بتیس ۳۲ پلٹنیں کھڑی کی جا سکتی ہیں۔ اور ہمارے بڑوں کے پاس جرمن جنرل فان سیکٹ کی طرح ایسی کوئی چھپی ہوئی تجویز ضرور ہو گی۔ اور ہمارا مورال بڑا اونچا تھا۔

ایوب کو دھکا دے دیا گیا

یہی حال ایوب خان کا تھا، اور اگر ۱۹۵۴ء میں اس نے کرنل شیر محمد کی بات نہ مانی لیکن اب اگر اس کو کوئی دھکا دے دیتا تو وہ آگے سے زیادہ نہ ہچکچاتے۔ البتہ یہ چیز ایوب کے ذہن سے بالا تھی کہ مکمل فتح کے لئے یا بھرپور جنگ کے لئے کتنی یا کس قسم کی فوج اور کیسی فوج کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ اپنے ماتحتوں پر بھروسہ کرتا تھا۔ جو جتنا اچھا ایکٹر ہوتا، اتنے ہی ایوب خان پر اثرات ہوتے۔ البتہ محمد موسیٰ کے بارے میں ایوب کو معلوم تھا کہ وہ بالکل گزارہ ہے کہ جب محمد موسیٰ بعد میں گورنر بنے تو کچھ لوگوں نے ایوب خان سے یہ بات بھی منسوب کی کہ

پہلا یعنی کالا باغ میری مانتا نہیں تھا اور یہ یعنی موسیٰ کچھ "سمجھتا" ہی نہیں۔

موسیٰ کو کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا

توان حالات میں اندازہ لگائیں کہ فوجی معاملات زیادہ تر جنرل موسیٰ سے نیچے جرنیلوں کے
ہاتھ میں تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھٹو کو بھی محمد موسیٰ کے بارے معلوم تھا کہ وہ کوئی خطرہ مول نہ لے
لیکن ایوب خان کے حکم کے آگے بول بھی نہ سکے گا۔ اس لئے وہ ایسے آدمیوں کی تلاش میں تھا
اس کے ہم پیالہ بھی ہوں اور ایوب خان کو جنگ میں دھکا دینے کے لئے بھٹو ان کو استعمال
کر سکے تو اس کی نظر جنرل یحیٰی، جنرل اختر اور بریگیڈیئر گل حسن پہ پڑی جو تینوں پینے پلانے والے بھی
اب راقم نہ تو سازش کا چشم دید گواہ ہے اور نہ کسی سازش میں شریک آدمی سے رابطہ تھا یا بعد میں
تو میرا جائزہ واقعات اور ان کے نتائج کی روشنی میں ہی ہے۔

اختر ملک کی خواہشات

اختر ملک کے اپنے مقاصد تھے، کہ وہ نام پیدا کر کے پاکستان کی بری فوج کا کمانڈر انچیف بننا چا
تھا۔ اور یحیٰی تو بالکل پُرامید تھا کہ موسیٰ کے بعد وہی کمانڈر انچیف ہوگا۔ تو بھٹو نے دونوں کے ساتھ الگ
دوستی رکھی کہ اس کو ان کی ضرورت تھی۔ اور گل حسن سے بھی دوستی بڑھائی کہ وہ اہم مقام یعنی ڈائرکٹر ملٹ
اوپریشن تھا۔ پینے پلانے والا آدمی تھا۔ اور جنرل موسیٰ کو خاطر میں بھی نہ لاتا تھا۔ ہاں اپنے بڑے افسر جنرل مل
شیر بہادر کی عزت کرتا تھا اور جنرل شیر بہادر کو بھی گل حسن پر بھروسہ تھا۔ بلکہ گل حسن راقم سمیت کئی لو
میں خاصا پاپولر تھا کہ اس کے کچھ اچھے اصول بھی تھے۔ دل کی باتیں تو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔

اختر کی مری میں ایوب سے ملاقات

اختر ملک قادیانی تھا۔ لیکن عام لوگوں کو اس نے اِس سلسلہ میں ہمیشہ اندھیرے میں رکھا
اچھا ایکٹر ہونے کی وجہ سے وہ بھی فوج میں خاصا پاپولر تھا۔ بہر حال وہ ایم ایم احمد، مرزا غلام کے پو
اور حکومت کے مالیاتی سیکرٹری کے ساتھ اکثر ملاقاتیں کرتا تھا اور ایک آدھ دفعہ وہاں پر بھٹو کو
بھی دیکھا گیا اور ہم جب صدر ہاؤس میں تھے تو ایک دن یہ بات بھی سُنی کہ سیکورٹی والوں کو کچھ کاغذا
ملے ہیں یا زبانی کچھ پتہ چلا ہے کہ شاید اختر ملک کسی سازش میں ملوث ہے اور اس کا گرفتار کر لیا
جائے گا۔ لیکن انہی دنوں ایوب خان نے مری جانا تھا اور راقم بھی حفاظتی دستوں کے ساتھ وہاں گی

لیکن میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ جنرل اختر ملک نہ صرف ایوب خان کو آ کر صدر ہاؤس ملا اور ٹیلی کانفرنس کی ، بلکہ فون کر کے اپنے جی ٹو میجر عطا محمد ملک سے کچھ کاغذات بھی منگوانے اور ایک نقشہ بھی ۔ اور حکم بھی دیا کہ مال روڈ کو استعمال کریں ۔ لمبا راستہ اختیار نہ کریں ۔ قارئین کو معلوم ہوگا کہ گرمیوں کے موسم میں مال روڈ کو ملک کا صدر بھی استعمال نہیں کرتا ۔ میجر عطا محمد فوج میں بعد میں بریگیڈیئر ہو کر ریٹائر ہوئے میرے عزیز بھی ہیں اور کسی زمانے میں ہماری رجمنٹ میں کلرک تھے اور ان کا بڑا بھائی صوبیدار حافظ فتح محمد میرا بانڈیوال تھا ۔ عطا محمد ، ایک مخلص اور نیک آدمی ہیں ۔ اور ان پر بھی اختر ملک "چھائے" ہوئے تھے ۔ میجر عطا محمد اور اختر ملک کے باقی ماتحتوں سے اُن باتوں میں جو کچھ مری میں ، مَیں نے سُنا اُس کا نچوڑ یہ تھا ۔

اختر ملک کے گرد قلعہ بنایا جا رہا تھا

"اختر ملک کشمیر کے معاملہ کو زندہ کرنا چاہتے ہیں ۔ اور ہمیں کشمیر میں کچھ گوریلا کارروائیاں کرنا ہوں گی اور اس کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے ۔ اور اختر ملک نے مالیاتی سیکرٹری سے مشورہ کرنا چاہا تو اس کے غلط معنی نکال لیے گئے ۔ خیر وہ تو بھٹو نے معاملہ رفع دفع کرا دیا کہ ایک دفعہ اختر ملک کے پیچھے سیکورٹی والے بھی پھر رہے تھے ۔ لیکن بھٹو نے کہا کہ اختر سے خود اُس نے بات کی ہے کہ کشمیر میں کچھ کرنا چاہیئے اور اختر اس سلسلہ میں سرکاری طور پرسش کی بجائے نجی طور پر کسی سے بات کر کے حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا وغیرہ ۔ بہرحال اب معلوم ہوتا ہے کہ ایوب خان اجازت دے گئے ہیں ۔ اور کشمیر میں ہم کچھ کریں گے ۔"

تجاویز کا کچا پن

قارئین ! اس قسم کی تجاویز کا ذکر کسی ڈویژن کا کوئی افسر کسی غیر سے نہ کرے گا ۔ لیکن یاد رہے کہ ہم صدر ہاؤس سے منسلک تھے ۔ اس لئے ہمارے جیسے لوگوں کو بھی "ہموار" لیا جاتا تھا ۔ لیکن مجھ پر ان باتوں کے اچھے اثرات نہ ہوئے ۔ کشمیر میں گوریلا کارروائی کے لئے تیاری کی ضرورت تھی اور کشمیر کے "گوریلوں" کو ہم "انگریزی سپاہی"[صلہ] بنا چکے تھے ۔ گوریلا پیدا کرنے کی ضرورت تھی اور کشمیر میں سول آبادی کو "ہموار" کرنے کی ضرورت تھی ۔ یہ کام نہ کئے گئے تھے ۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ہم پوری قوم کو مکمل طور پر جنگ کے لئے تیار کرنے ۔ ہمارے پاس اعلیٰ ترین ہتھیار امریکہ سے انعام خداوندی کے

صلہ ۔ پانچویں باب میں وضاحت ہو چکی ہے ۔

طور پر آچکے تھے۔ اپنے دونوں خطوں کی سرحدوں پر دفاع کے لئے فوجوں کو تیار کرنے اور ا
کی فوجوں کو کشمیر میں داخل کر دیتے اور بھارت کو صاف صاف کہہ دیتے کہ ہم ان فوجوں کی مد
گے۔ یا تخت یا تختہ۔ عزت کی موت تو مرتے۔ یہ کشمیر کے معاملہ کے ساتھ ہم نے کیا ڈرامہ کیا ہوا
اس لئے اختر کے حواری مجھے "ہموار" نہ کر سکے۔

فائر بندی لائن پر جھڑپیں

اب کچھ دنوں کے بعد فائر بندی لائن پر جھڑپوں کی خبر آنے لگ گئی اور انٹیلیجنس رپو
میں اپنی کارروائی کے کچھ ذکر بھی ہوتے تھے ویسے بھی راقم تقریباً ہر روز یا دوسرے د
صدر ہاؤس ضرور جاتا تھا تو گپ شپ چل رہی ہوتی تھی کہ کشمیر میں کچھ ہو رہا ہے۔ اور مری
کچھ افسر ہماری میس میں آکر ٹھہرتے تھے۔ راقم نے اس زمانے میں بھی اس کارروائی پر مایوسی ظا
کی اور میرے کمانڈنگ کرنل مصطفےٰ میرے ساتھ متفق تھے اور ہم نے انٹیلی جنس رپورٹ میں لکھا
یہ غلط کاروائیاں ہیں۔ یہ بھارتی چوکیوں کو چوکنا کیا جا رہا ہے۔ اور بھارتیوں نے اپنے دفاع کو کانٹے
تاروں وغیرہ سے اور مضبوط کر دیا اور مائنز لگائیں۔ لیکن ہمارے "کرتا دھرتا" خوش ہو رہے تھے کہ
بھارت کو ہم اُلجھا رہے ہیں کہ وہ تمام تر توجہ کشمیر کے دفاع کی طرف مبذول کر دے گا۔

بھٹو فوج میں گھس گیا

اب حیرانگی کی بات یہ تھی کہ ہم نے جب اپنے خدشات کسی اور جگہ بیان کئے تو ہمیں "ندامت" سے
کہا گیا۔ اور پتہ چلا کہ سب کچھ بریگیڈیئر گل حسن کی مرضی سے ہو رہا ہے اور جی ایچ کیو چوکنا ہے
اب گل حسن اس سب میں کب اور کیسے شریک ہوئے راقم کے پاس کوئی خاص شہادت موجود نہیں
البتہ پنڈی کا سٹیشن کمانڈر کرنل صاحبزادہ مصطفےٰ، بھٹو کا بہنوئی تھا۔ اور گل حسن رسالہ کا تھا اور
صاحبزادہ مصطفےٰ کے ماتحت نوکری کر چکا تھا۔ اور بھٹو نے فوجیوں کی پارٹیوں میں شریک ہونا شروع
کر دیا تھا۔ اور ایوب خان کا "بیٹا" بنا ہوا تھا اس لئے گل حسن سے بھی تعلقات گانٹھ لئے ہوں گے۔
اب بھٹو کے صحیح مقاصد تو طاقت اور حکومت تھی لیکن امریکہ والے بھٹو کو کیوں لانا چاہتے تھے راقم
اس سلسلہ میں صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایوب سے ناراض تھے کہ مشرقی پاکستان کی زمین بھارت کو نہ استعمال
کرنے دی۔ اس لئے شاید وہ ملک کو دولخت کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ان کی نظر ایک طرف بھٹو پر پڑی اور

دوسری طرف مجیب پر جو امریکہ کے دوست یوسف ہارون کا تنخواہ دار تھا۔ یہ میرا اندازہ ہے اور میں غلط بھی ہو سکتا ہوں۔

بھٹو اور امریکہ کا گھر مکہ

اب بھٹو اور امریکہ ایوب کا زوال جنگ میں شکست کے طور پر چاہتے تھے۔ یا بھٹو اور امریکہ کے درمیان کیا "گھر مکہ" پکا اس سلسلہ میں راقم کچھ کہنے سے قاصر ہے۔ ممکن ہے بھٹو نے اپنی اصلی خواہشات سے امریکہ کو باخبر نہ کیا ہو۔ اور امریکہ والوں نے بھٹو کو اپنے مقاصد سے بے خبر رکھا ہو۔ بڑی بات یہ تھی کہ بھٹو نے، ایوب خان اور محمد موسیٰ وغیرہ کو یہ ضرور باور کرا دیا تھا کہ اگر ہم کشمیر میں کچھ کریں تو بھارت پورے پاکستان پر حملہ نہ کرے گا۔ اور یہاں تک گیا کہ کسی جھگڑے والی جگہ پر کچھ کارروائیاں کر کے دیکھ لیا جائے بھارت بھرپور حملہ نہ کرے گا۔ اس سلسلہ میں بھٹو نے امریکہ والوں کی طرف سے کچھ یقین دہانی یا چین کے دباؤ کا ذکر کیا، ہماری حکومت نے رن آف کچھ کی کارروائی کر کے دیکھ لیا کہ بھٹو "صحیح" تھا۔

سازش سے ایوب اور موسیٰ کو الگ نہیں کیا جا سکتا

اب جنرل ایوب خان اور جنرل موسیٰ نے اس وقت تو بھٹو کی ساری باتوں کو صحیح سمجھ لیا۔ اور جنرل موسیٰ اپنی کتاب میں ہزار دفعہ کہیں کہ اس نے یہ کیا، وہ کیا اور وہ مجبوری تھی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ مجھ جیسا چھوٹا میجر ان باتوں سے بے خبر نہ تھا۔ کیا جنرل موسیٰ کی عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ بلکہ میرے لحاظ سے تو سازش اتنی گہری تھی کہ لاہور کے محاذ پر اچانک حملہ کرا کے جنرل سرفراز کو بھی بدنام کرنا تھا کہ بعد میں وہ کمانڈر انچیف نہ بن جائے اور سیالکوٹ کا کام مشکل تھا۔ وہاں سے یحییٰ کو بھی ہٹانا تھا کہ وہ بدنام نہ ہو اور بعد میں اوپر آ سکے۔ اس سلسلہ میں یحییٰ کا بھائی آغا محمد علی لاہور میں سرفراز کو "بے خبر" رکھنے اور بعد میں بدنام کرنے کا کام پر لگا ہوا تھا۔ اور یہ سب تفصیل بعد میں آئے گی۔

اختر ملک نے جو کچھ کیا اور جنگ کا ہیرو بھی بن گیا۔ اس میں اس کی دوہری شخصیت کو داد دینا پڑتی ہے۔ حالانکہ جنگ کے بعد انصاف کا تقاضا تو یہ تھا، کہ اختر ملک پر مقدمہ چلایا جاتا لیکن مقدمہ کون چلاتا۔ ایوب خان، جس خود کو "دھکا" دیا گیا تھا اور اس کے بعد اس نے کہا

" میری توبہ "۔ یا محمد موسٰے مقدمہ چلاتا ۔ جو ایوب خان کے مطابق "سمجھتا" کچھ نہ تھا ۔ یا یحیٰی
چلاتا جو خود بھٹو کے ساتھ ملا ہوا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو اور عزیز احمد کو کچھ نہ کہا گیا اور تاشقند
کے معاہدے کا ڈرافٹ تیار کرنے والا بھٹو ، قوم کو بیوقوف بناتا رہا کہ میں تاشقند کے راز ظاہر
دوں گا ۔ اب اگلے باب میں ستمبر کی جنگ ۶۵ ء کے "اسباب" اور واقعات سے بسم اللہ ہوگی
اس تمہید کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں اپنے قافلہ کے سالاروں کے بارے سمجھ آجائے اور اپنا مختصر جائزہ
اسی لئے پہلے پیش کر دیا گیا ہے ۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

اقبال

پچھلے دنوں میرے محترم اور دیرینہ رفیق کرنل غفار مہدی نے اخبار میں بیان دیا ہے کہ ستمبر ۶۵
کی جنگ کے بعد موسٰے ، یحیٰی ، حمید ، ارشاد اور گل حسن کا کورٹ مارشل ہو جاتا تو دسمبر ۷۱ ء میں
سقوطِ ڈھاکہ نہ ہوتا ۔ آگے آئے گا کہ راقم نے جنگ کے فوراً بعد انکوائری کی درخواست دی اور میری
لمبی چوڑی ہے کہ محمد غوری کی طرح تو برے تو بہتوں کو چڑھانا پڑتے ۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نہ آبلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

ں باب

ستمبر ۶۵ء کی جنگ

ر ہاؤس ۱۹۶۴ء

۱۹۶ء میں راقم کو صدر ہاؤس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی وابستہ رہنا پڑ گیا میجر ظفر جو سیکورٹی
وہ جانے والے تھے میجر چراغ شاہ ان کی جگہ پہنچ گئے تھے۔ پولیس کے ملک یارن خان میرے
یلو اور میرے بڑے بھائی کے ہم جماعت تھے۔ ملٹری سیکرٹری میجر جنرل رفی اور کرنل سلامت
جمنٹ سے تھے۔ اور سارا صدر ہاؤس مجھے جانتا تھا۔ اس لئے گپ شپ خوب ہوتی تھی۔
کی تیاری تھی، اور مس فاطمہ جناح نے ایک دفعہ تو صدر ہاؤس کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہر ضلع کے
شنر کے ساتھ رابطہ کے لئے الگ فون تھا، اور ایک آدمی ہر ضلع کے لئے اسی کام پر لگا رہتا
بنی صدر ہاؤس ایوب کا ایک "انتخابی سیل" بن گیا تھا۔ البتہ راقم کی ذمہ داری چونکہ جنرل موسٰی
ب کے گھر سے لے کر تمام علاقہ کی اور باہر کی سیکورٹی کی تھی، اس لئے مجھے اندرونی ڈیوٹی
ی گئی۔ لیکن مجھے اندرونی حالات کی بڑی واقفیت رہتی تھی۔ تمام وزیر اور سیکرٹری بڑی
عدگی سے حاضری دیتے تھے اور وہاں سے احکام لیتے تھے اور اپنی رپورٹیں پیش کرتے تھے۔

شن کی مہم

پنجاب والوں پر بھروسہ تھا کہ ولی خان اور مجیب چونکہ مس فاطمہ جناح کے ساتھ ہیں اس
وہ ایوب خان کو ووٹ دیں گے۔ اور اسی چیز کا ۱۹۷۰ء میں بھٹو نے بھی فائدہ اٹھایا۔ بہر حال
پی کو چھوڑ کر سندھ والے فوج کے ڈر کی وجہ سے ایوب کو ووٹ دے رہے تھے۔ بلوچستان اور
بائلی علاقوں میں تمام تر ذمہ داری پولیٹیکل ایجنٹوں کو دی گئی اور انہوں نے یہ کام "خوب" نبھایا
طرہ صرف مردان، کراچی اور مشرقی بنگال کے بارے میں تھا۔ اور مشرقی بنگال میں بھی سلہٹ اور
اجشاہی کے لوگ اور خاص کر بہاری آباد کار ایوب کے ساتھ تھے۔ اب ووٹ خرید ے گئے یا
شاید کچھ دھاندلی ہوئی ہو۔ لیکن راقم کا خیال ہے کہ مس فاطمہ جناح کا جیتنا مشکل تھا اور اگر وہ
جیت بھی جاتیں تو کتنا عرصہ پاکستان کو سنبھالا دیتیں۔ مشرقی پاکستان اگر ان کو ووٹ دے رہا

تھا، تو وہ حبِ علیؓ کی وجہ سے نہیں بلکہ بغضِ معاویہؓ کی وجہ سے تھا۔ ورنہ ۱۹۵۶ء میں مس فا
کے وہاں جانے کے باوجود نورالامین شکست کھا گیا تھا۔ اس لئے اس ملک کو چلانے کے لئے
کی تلاش کے اصول کو ختم کرنا چاہئیے۔ اور طریقِ کار کو تلاش کیا جائے۔

عصر کی نماز

بہر حال ایوب خان جیت گیا۔ اور وہ اتنی جلدی میں تھا کہ سرکاری نتائج آنے سے پہ
معین الدین کو صدر ہاؤس سے اعلان کرنے پر مجبور کر دیا کہ ایوب خان جیت گیا ہے۔ سا
قوم کو کہا کہ کل عصر کی نماز کے وقت پوری قوم مسجدوں میں جا کر شکرانہ کی نماز ادا کرے کہ ملک
گیا تھا۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ دوسرے دن ایوب خان نے از خود عصر کی نماز نہ پڑھی
نے حکم دے دیا تھا کہ کل گاف کورس میں وائرلیس سیٹ والے جوان بھیجنے کی ضرورت نہیں
ہمیں ایوب خان کے بارے رپورٹ دیتے رہتے تھے کہ وہ کہاں ہے کہ ایوب خان تو کسی م
میں اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوگا۔ میں دوپہر کا کھانا کھا کر ابھی ظہر کی نماز ہی ادا کر رہا تھا کہ ایو
خان کے بارے مجھے خبر ملی کہ وہ تو گاف کھیلنے جا رہا ہے۔ جلدی سے سیٹ والوں کو روانہ کر
ذمہ واری کی وجہ سے میں خود بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور سورج غروب ہونے تک ایوب خان گا
کھیلتا رہا۔ میں نے عصر کی نماز گاف کورس میں ایک جگہ پڑھی اور "شکرانہ" میں شامل نہ ہو سکا۔
دراصل ایوب خان اپنی کامیابی کے بعد بہت "مطمئن" ہو گیا تھا۔ اور انتخابات کے بع
بوجھ کی تھکان اتارنے کے لئے مسجد کی بجائے، مغربی طرزِ زندگی اپنانے کی وجہ سے ایوب خان گاف
کورس میں زیادہ مطمئن نظر آتا تھا۔ اس کو اب کشمیر کی جنگ کے سلسلہ میں دھکا دیا جا سکتا
تھا۔ اور گو ہم نے نئے سال کے اپریل تک لاہور چلا جانا تھا۔ لیکن ہم پنڈی ہی میں تھے تو رَن
آف کچھ کا "جھگڑا" شروع ہو گیا یا کر دیا گیا۔ اور راقم جب اپنی یونٹ کی ایڈوانس پارٹی لے
کر لاہور پہنچا تو رَن آف کچھ کے سلسلہ میں موسمِ گرما کی آمد کے ساتھ "گرمی" بڑھ رہی تھی۔

رَن آف کچھ کا جھگڑا

رَن آف کچھ کے سارے جھگڑے کی کہانی لکھ کر مضمونوں کو لمبا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بس موٹی
بات یہ ہے کہ اس علاقہ کی حد بندی پر کچھ اختلافات تھے، اور بھارتی آگے ہی آگے بڑھ رہے

تھے اس لئے بھارتیوں کو آگے بڑھنے سے روکنے میں کئی مقصد تھے ایک تو اب ہم "طاقتور" بن گئے تھے اور اپنی طاقت کا کچھ رُعب بٹھانا چاہتے تھے۔ دوم بھٹو نے تسلی دی ہوئی تھی کہ بھارت والے جھڑپوں کو اسی علاقے میں محدود ہی رکھیں گے اس لئے ایوب خان نے موسیٰ صاحب کو اجازت دے دی کہ اپنا علاقہ بھارتیوں سے واپس لے لیا جائے۔ اور اس وقت تک میں ابھی پنڈی میں ہی تھا۔ بریگیڈیئر اظہر کے بریگیڈ کی یونٹوں نے بڑا اچھا کام کیا اور بھارتیوں کو فرار اختیار کرنا پڑ گیا۔ جب بھارتیوں نے جوابی طور پر بھرپور کارروائی کرنے کی کوشش کی تو اتنے میں جنرل ٹکا خان، بریگیڈیئر افتخار جنجوعہ کا بریگیڈ لے کر محاذ پر پہنچ گیا اور بھارتیوں کو اس طرح بھگا دیا گیا جیسے چینیوں نے ۱۹۶۲ء میں ان کو نیفا کے علاقے میں بھگایا تھا اور جنرل ٹکا خان اگر زیادہ پیچھا کرتے تو ان کی پیش قدمی کو روکنے والا کوئی نہ تھا لیکن ایسا نہ کیا گیا کہ محدود کارروائی کی اجازت تھی۔ لیکن بھارت کے لحاظ سے ہم نے ان کے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا اور انہوں نے وہاں پر اور فوج اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔

لیکن ہم تیار نہ تھے

مختصر طور پر کہانی تو اتنی ہے لیکن ہماری نالائقی کی حد یہ ہے کہ لاہور میں ہمیں حکم ملا کہ ہم اپنی بکتر توڑ گنیں لے کر میانمیر ریلوے سٹیشن پر پہنچیں کہ وہ سندھ میں جانی ہیں۔ یعنی ایسے حکم دینے والوں کو یہ خیال نہ تھا کہ ردِ عمل کے طور پر بھارت کسی جگہ پر بھی حملہ کر سکتا ہے۔ دو دن بعد شاستری نے دوسرا محاذ کھولنے کی دھمکی بھی دے دی اور بھارتیوں نے اپنی فوجوں کو کچھ حصہ کو لاہور محاذ پر آگے بھی کیا۔ اور رات کو حکم ملا کہ اپنی ذمہ داری کا علاقہ سنبھال لو۔ میری پلٹن ابھی پنڈی ہی میں تھی۔ اور جن لوگوں سے ہم نے چارج لیا وہ اسی دن لاہور سے گاڑی میں بیٹھے تھے اور راستے میں ہوں گے اس لئے میں تو بڑی مشکل سے اس سامان کی حفاظت کر سکتا تھا جو جانے والی پلٹن سے لیا تھا۔ اس لئے اوپر والوں کو بتایا کہ، میرے پاس کُل ساٹھ آدمی ہیں لیکن ان میں سے آدھے محاذ پر لے جانے کو تیار ہوں۔ گو مجھے یہ نہ بتایا گیا تھا کہ محاذ پر میری ذمہ داری کس جگہ ہے کہ یہ چیز صرف پلٹن کے پکے کمانڈنگ افسر کو بتائی جاتی تھی۔ اس لئے مجھے حکم ملا کہ ڈویژن ہیڈ کوارٹر پہنچوں اور اپنی ذمہ داری سمجھ لوں۔ اور پلٹن کے آنے تک ۱۸ بلوچ والے ہماری مدد کریں گے۔ یہ ساری بڑی

کچی باتیں تھیں اور ان سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہم دشمن کے بارے زیادہ چوکنے یا فکر مند نہیں ہوتے۔ بلکہ جب ہماری پلٹن پہنچ بھی گئی تو آدھی نفری تھی کہ آدھی نفری صدر ہاؤس میں رہ گئی جو پلٹن لاہور سے گئی تھی ان کی سیکیورٹی کی جانچ پڑتال مکمل نہ تھی۔

غیر اہم جگہ پر دفاع

البتہ جہاں پر ہم نے دفاع لینا تھا وہ جگہ میرے لحاظ سے اتنی اہم نہ تھی، وہاں صرف ایک مقام اہم تھا جو ہماری ذمہ داری کی حد سے تھوڑا باہر تھا۔ پلٹن کی نفری کم ہونے کی وجہ سے اور میری یہ تسلی کرنے کے بعد کہ اس سارے علاقے کا دفاع میں ایک کمپنی سے کر سکتا ہوں پلٹن کی نفری سے ایک کمپنی بنا کر، مجھ اکیلے کو ہی اس علاقہ میں بھیجا گیا۔ اور جنرل سرفراز صاحب پہلی دفعہ وہ علاقہ دیکھنے آئے۔ اور زمین و حالات سے آگاہی چاہی۔ جنرل سرفراز صاحب نے چھوٹا راستہ اختیار کیا اور میرے کمانڈنگ افسر صاحب نے اپنا اور لمبا راستہ اختیار کرنا تھا۔ اس لئے دونوں مقررہ جگہ پر میرے پاس پہنچے ایک ہی وقت میں۔ جنرل صاحب نے حال احوال پوچھا اور ذمہ داری کی بات کی تو راقم نے ان کو تسلی دی کہ اس علاقہ میں سب خیر ہوگی کہ چند آدمی بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں کہ زمین ایسی تھی۔[1]"

جنرل سرفراز کہنے لگا کہ کیا یہ خفیفت ہے یا کہ میں اپنے خاندانی تفاخر کی وجہ سے اتنا مطمئن ہوں۔ عرض کی کہ جو کچھ میری ذمہ داری ہے وہ تو حقیقت ہے اور میرے قابو میں ہے۔ لیکن جہاں ہم کھڑے ہیں، یہاں سے دو سو گز فلاں مقام پر کوئی فوج نہیں۔ اور بھارتی صرف ڈیڑھ میل دور ہیں مانا کہ بیچ دریا ہے لیکن اگر بھارتی کمانڈو کی ایک پلٹن وہاں پہنچ جائے، تو آپ کی جی آر بی میں پانی جانا بند ہو سکتا ہے اور ہم تو گزارہ کر لیں گے، لیکن آپ کو بڑی تکلیف ہوگی۔" سرفراز نے حیرانگی سے اپنے جی ون کرنل افتخار بشیر سے پوچھا" کہ وہاں کوئی آدمی کیوں نہیں ہے، اور یہ جو تجویز ہے یہ ہمارے ڈویژن نے بنائی ہے یا جی ایچ کیو نے ہمیں دی ہے" کرنل افتخار کہنے لگا کہ "تجویز جی ایچ کیو کی منظور شدہ ہے"۔ بہرحال وہ بات کو مہمل رکھنا چاہتا تھا کہ نیچے والوں کو معلوم نہ ہو کہ نالائقی کس کی ہے۔ جنرل سرفراز نے ایک دن اور رات کے لئے وہ جگہ بھی میری ذمہ داری میں دے دی، اور بعد میں کسی اور کی ذمہ داری میں دے دی۔

---

[1] جگہ کے سدوواریہ کر سیکیورٹی کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا۔

کہانی لکھنے کا مقصد

یہ کہانی لکھنے میں مقصد یہ ہے کہ جنرل سرفراز کو لاہور ڈویژن کی کمانڈ سنبھالے ایک سال
ہونے والا تھا، لیکن شاید زمین پر وہ پہلی دفعہ باہر آیا تھا۔ اور اس وقت تک عملی طور پر وہ یا اس
کے سٹاف افسر اس سے بالکل بے خبر تھے کہ ان کے ماتحت جنگ کس طرح لڑیں گے۔

ے میرِ سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف — آہ وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف

بے شک بڑے افسر نقشوں پر جنگ لڑتے ہیں۔ لیکن بسم اللہ کے لئے تو ان کو چپہ چپہ زمین دیکھ
دشمن کے ساتھ تصور میں کئی جنگیں "لڑنا" چاہئیں۔ لیکن افسوس کہ اس سلسلہ میں ہمارے اوپر
کے افسروں نے محنتیں نہ کی تھیں۔ اور اس کی تفصیل آگے آئے گی کہ کیسے تجویز میں تبدیلیاں
کرنی پڑیں کہ پہلی تجویزیں کاغذی تھیں، عملی نہ تھیں۔ یہ مئی کے مہینے کی بات ہے۔ چند دنوں کے
اندر ہماری پوری پلٹن محاذ پر آگئی اور بڑے پکے دفاع تیار ہونے لگ گئے۔ مائنز لگ گیں تاریں
لگ گئیں اور پورے محاذ پر یہ کام زور و شور سے جاری تھا۔ مورچے بن گئے۔ مورچوں پر چھتیں
ڈالی گئیں وغیرہ۔

سرفراز کا دوسرا دورہ

جب یہ مورچے تیار ہو گئے، تو جنرل سرفراز صاحب پھر آئے اور ان کے ساتھ ان کے کرنل
سٹاف کرنل افضل تھے۔ اب کہ وہ ہر پوزیشن کو دیکھتے تھے کہ ہم وہاں سے حملہ آور دشمن کا مقابلہ
کیسے کریں گے۔ اور بعض پوزیشنوں پر کچھ اعتراض بھی کیا۔ خاص کر ان کے کرنل سٹاف کو بکتر بند
رجمنٹوں کے ایک آدھ پوزیشن پر اعتراض تھا۔ ہمارے کرنل صاحب بھی ساتھ تھے۔ لیکن
چونکہ یہ پوزیشن میں نے لگائی تھیں اس لئے جواب مجھے ہی دینا پڑتا تھا۔ ایک آدھ دفعہ تو
میں مصلحت میں خاموش رہا اور کہا کہ ہاں کچھ تبدیلی کر دیں گے۔ لیکن کرنل افضل صاحب کچھ
زیادہ ہی اعتراض کرنے لگ گئے تو پھر میں خاموش نہ رہ سکا اور ان کو دعوت دی کہ زمین
یہاں موجود ہے، آپ کوئی بہتر جگہ تلاش کر دیں، وہاں پوزیشن لگا دیں گے۔ اب کرنل صاحب نے
جو ایک آدھ پوزیشن چنا تو اس پر خود جنرل سرفراز کو بھی ہنسی آگئی۔ جنرل سرفراز چونکہ کسی زمانے
میں میری طرح ہتھیاروں کے استعمال کے انسٹرکٹر رہے تھے تو ان کو اپنے اعتراضات بھی غلط نظر

آئے ۔ اور سمجھ گئے کہ "جس کا کام اسی کو ساجھے"۔ یہ کہانی لکھنے میں بھی یہ مقصد ہے کہ اکثر او
والے اپنا کام سمجھنے کی بجائے زیادہ وقت دوسروں کے کام میں ٹانگ اڑانے میں گزارتے ہیں۔ ا
ہر جگہ آگے میرے جیسا "منہ پھٹ" ملتا نہیں تو اس وجہ سے کئی کام اُلٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک
اہم مسئلہ ہے کہ سٹاف افسروں کی غلطیوں کی وجہ سے کئی افواج نے بڑے بڑے خمیازے بھگتے۔
ہماری بدقسمتی اوروں سے زیادہ ہے کہ جنرل ناصر علی نے کاغذی کارروائی بڑھا کر، سٹاف افسرا
عملی سپاہیوں پر سوار کر دیا۔ معلوم نہیں یہ لوگ کب اپنے مقام پر پہنچیں گے۔ جرمن جنرل رو
بھی ان سے بڑا تنگ تھا۔

دفاع اور سویلین آبادی

اب کرنل صاحب نے ہمارے علاقے کی ذمہ داری خود سنبھال لی اور مجھے اپنے بائیں بازو
کئی میلوں کے علاقہ کی ذمہ داری دے دی، جس کا دفاع مجھے سویلین آبادی کے مجاہدوں سے ک
تھا اس کام میں مجھے بڑا لطف آیا، کہ یہ اسلامی فلسفۂ دفاع کے نزدیک والا طریقہ تھا اور میں
جو مجاہد تیار کئے، انہوں نے ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں اس علاقے میں کپتان اب جنرل محمد صفدر کی
مدد کی جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ سبق یہ ہے کہ پوری قوم کو لڑائی لڑنا چاہیئے۔

بھارت کے ساتھ سمجھوتہ

رن آف کچھ کا جھگڑا چلتا رہا لیکن جولائی ۱۹۶۵ء میں سمجھوتہ ہو گیا اور ہمیں حکم ملا کہ تمام دفا
مورچوں اور رکاوٹوں کو ختم کر کے واپس چھاؤنیوں میں چلے جائیں۔ بھٹو کا کلیہ "ٹھیک" نکلا۔ بھارت
کسی اور جگہ حملہ نہ کیا۔ اور بھارت رن آف کچھ کے چند ٹیلوں کے جھگڑے کے لئے اتنا خطرہ کیوں
لیتا۔ ہمیں البتہ رن آف کچھ میں جو فوجی کامیابیاں ہوئیں اس سے قوم اور فوج کا مورال بڑا او
ہو گیا۔ لیکن سمجھدار فوجی جانتے تھے کہ رن آف کچھ میں مقابلہ دوسرے درجہ کی پلٹنوں یعنی غیر لڑاکا
علاقہ کی رجمنٹوں کے ساتھ تھا جیسے مدراس رجمنٹ اور بہار رجمنٹ وغیرہ۔ بھارت کی لڑاکا فوج کشم
اور پنجاب کے محاذ پر تھی۔

دفاع پاکستان اور راقم

رن آف کچھ کے جھگڑے سے پہلے راقم نے پاکستان کے پورے دفاع کے طریقِ کار کے بار

کچھ نہ سوچا تھا کہ میں معمولی میجر تھا یہ بڑوں کا کام تھا۔ اور ایسی تجاویز پوشیدہ بھی ہوتی
ں۔ لیکن اب معاملات کھل گئے تھے۔ تو میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ میں نے دیکھا کہ تمام تر
اگلے مورچوں پر تھی۔ دو تہائی چھوڑ کر لاہور محاذ پر صرف ایک آدھ پلٹن ریزرو میں تھی سیالکوٹ
ذ پر تو ایک پلٹن بھی فالتو نہ تھی۔ بلکہ محاذ پر کئی علاقے خالی پڑے تھے۔ صرف بکتر بند ڈویژن
اتواں ڈویژن، قصور اور چھانگا مانگا کے علاقوں میں ریزرو تھے۔ اور ظاہر ہے کہ بھارت کی
سے دوگنا فوج ریزرو میں تھی۔ تو مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا ہم دفاع ہی کرتے رہیں گے اور
ن تک۔ اور اگر بکتر بند دستوں یا کسی اور فوج کی مدد سے کوئی جارحانہ کارروائی نہ کر سکیں گے
ردن یہ دفاع ختم ہو جائے گا۔ لیکن جارحانہ کارروائی یا کسی کامیابی کو قائم رکھنے کے لئے ہمارے
لن یا پیدل نفری بہت کم ہے۔ خدا جانے خفیہ طور پر ہمارے سنٹروں میں کچھ پلٹنیں کھڑی کی جارہی
راقم نے یہ باتیں کپتان اور اب جنرل محمد صفدر کے ساتھ کئی دفعہ کیں اور وہ تازہ تازہ کیمرلے سے
کورس کر کے آئے تھے اور میرے ساتھ متفق تھے۔ لیکن اگر اس زمانے میں کچھ لکھتے تو شاید بات
ل جاتی۔ لیکن جیسے ہی ہم چھاؤنی میں پہنچے ہماری پہلی انٹیلیجنس رپورٹ میں ہمارے کرنل صاحب
ری بات مان کر لکھا کہ پیدل نفری کی کمی تھی۔ اور اگر لڑائی ہو جاتی تو ہمیں بڑی تکلیف ہوتی۔ سولہ
ں پرانی فائلوں میں یہ بات آج بھی موجود ہوگی۔ لیکن افسوس کہ جنرل موسٰے صاحب نے یہ سارا
سٹر شعیب پر ڈال دیا ہے۔ لیکن وہ ہرگز بری الذمہ نہیں اور نہ ہی ایوب خان۔ اور
ی جنرل موسٰے صاحب ایک دو پلٹنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن کم از کم بیس پلٹنوں کی
تھی اور ستمبر میں ہی یہ پلٹنیں کھڑی کرنی پڑیں۔ لیکن جب یہ محاذ پر پہنچیں تو کامیابی کا
زر چکا تھا اور پھر فائر بندی بھی ہو گئی تھی۔ اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی تو

ع ؎ آئیں گے غسّال کابل سے کفن جاپان سے

اقم نے وہ کچھ لکھا ہے جس کے ساتھ اس کو خود واسطہ پڑا، اور کئی اور تھے اور رہوں
ں نے اس پر اعتراض کیا کہ پیدل دستوں کی اہمیت کو کم کیوں کیا جا رہا ہے۔ لیکن لطف
یہ ہے کہ اس غرض کے لئے تجرباتی مشقیں ہوتی تھیں۔ لوگ اس پہلو پر زور دیتے
کن اوپر والے وہی کرتے تھے جو ان کی مرضی ہوتی تھی۔ یا کہیں سے اشارہ ہوتا تھا۔

اور زیادہ بھروسہ بکتر بند گاڑیوں یا توپخانہ وغیرہ پر کیا جاتا تھا جو ملک میں نہیں بنتی تھیں
ہے کہ چھپے ہوئے ہاتھ یہ چاہتے تھے کہ ہم ان کے زیادہ "محتاج" رہیں حالانکہ

؎ فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مومن
قدم اُٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں

قارئین! اس غلط فہمی میں نہ پڑنا کہ میں پرانے زمانے کی ہاتھوں ہاتھ لڑائی کا قائل
میں تو ماڈرن سامان اور ٹیکنالوجی کو انعام خداوندی سمجھتا ہوں لیکن زور اس پر دیتا ہوں
بھروسہ اس پر ہونا چاہیئے جو اپنے پاس موجود ہو۔ یعنی جذبہ، ہاتھ پاؤں اور وہ ہتھیار
خود بنا سکتے ہیں۔

جنگی مشقیں

بہرحال ۱۹۶۰ء میں بھی ایک جنگی مشق ہوئی، کہ پنجاب کے میدانوں میں ہم بکتر بند گاڑ
کی "حرکت" پر کتنا بھروسہ کر کے، کتنا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق جو اس وقت میجر تھے
سکواڈرن کے علاوہ کوئی اور دستہ اپنی منزلِ مقصود پر بھی نہ پہنچ سکا۔ اور اس کا بوجھ اس وقت
بکتر بند ڈویژن کے کمانڈر جنرل سرفراز پر ڈال دیا گیا کہ اس نے حفاظتی کاروائیوں پر دھیان نہ
یہ نہ سوچا گیا کہ بکتر بند گاڑیاں اتنا کچھ ہی کر سکتی ہیں اور ہمیں پیدل فوج پر زیادہ بھروسہ کرنا

ایک تجرباتی مشق

پھر ۶۲-۱۹۶۱ء میں لاہور کے ارد گرد ایک بڑی تجرباتی جنگی مشق Mile stone
جس میں شرکت کی راقم نے بہت کوشش کی۔ لیکن ہم لنڈی کوتل میں تھے اور افغانستان کے
تعلقات بہت خراب تھے تو میرے کرنل صاحب مجھے یونٹ میں چھوڑ گئے۔ بہرحال جو کچھ بعد میں
چلا کہ اس مشق میں کیا ہوا وہ یہ تھا کہ اختر ملک اس وقت بریگیڈئر تھے اور تجرباتی بریگیڈ کے کمانڈ
تھے اور نتیجتاً سفارش کی گئی کہ پیدل دستوں کی تعداد گھٹا دی جائے۔ کرنل شیر محمد جو اختر ملک سے سین
تھے اور "اسلام پسند" ہونے کی وجہ سے اوپر نہ جا سکے تھے، انہوں نے پروٹسٹ بھی کیا لیکن ان پر "قد
پسندی" کا بہتان لگایا گیا۔ جنرل شریف جو اس وقت بریگیڈئر تھے، انہوں نے شیر محمد کے ساتھ
اتفاق کیا کہ میں مانتا ہوں کہ پلٹنوں کی "ایسی تیسی" کر دی گئی ہے تو اوپر والوں نے بعد میں کہا

ر شریف اپنے ایک بزرگ کی ویسے دلجوئی کر رہا تھا۔ آخر ملک صحیح ہے۔ پیدل فوجوں
اتنی ضرورت نہیں رہی اور علامہ اقبال کہہ گئے تھے کہ ایسی غلطیوں سے کیا تماشہ بنے گا۔

یہ ڈرامہ دکھائے گا ہمیں　　پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

ں کی تعداد کیوں کم کردی

س کے بعد ڈویژن میں پلٹنوں کی تعداد کو گھٹا کر نو کی بجائے سات کر دیا اور بریگیڈوں میں
ین کی بجائے دو دو پلٹنیں کر دیں۔ سپاہیوں نے نام بھی رکھ دیئے کہ "ٹیڈی بریگیڈ" اور
ڈویژن" ہیں۔ لیکن بہتر نام لنگڑا بریگیڈ وغیرہ تھے۔ اور راقم نے کئی دفعہ پروٹسٹ کیا کہ
تاریخ میں ہر جزل جب کسی جگہ کامیاب نہیں ہوتا تو کہتا ہے کہ اگر میرے پاس ایک صد
بند جواں اور ہوتے تو میں کامیاب ہو جاتا۔ خدارا پیدل دستوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کرو
ہماری بات کو ہنسی میں ٹال دیا جاتا تھا۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

اٹے کی جنگی مشق

۱۹۶۲ء میں ہمارے ڈویژن نے کوہاٹ کے علاقہ میں ٹیڈی ڈویژن کے طور پر ایک سگنل
ائز کی۔ بریگیڈئر امجد چوہدری نے مشق لکھی اور چلائی۔ اور راقم لوئر کنٹرول میں تھا۔ یعنی
ت کے تمام عملی نتائج ہیں نے دینے تھے۔ اور میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہر تجویز کا نتیجہ
اور فاصلوں کے لحاظ سے دوں گا۔ اور میرے نتائج پر ہر کمانڈر کو اعتراض کا حق ہوگا۔ بہرحال
اپنی طرف سے لڑائی کا پورا سماں باندھ دیا۔ اور جزل الطاف قادر جو خود اپنے ڈویژن کی
ر رہے تھے۔ میرے ہر نتیجہ کو تسلیم کرتے رہے۔ بریگیڈئر شیر بہادر نے البتہ کچھ اعتراضات
ن میرے مثبت جوابات سن کر وہ بھی خاموش ہو گئے۔

اب نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ڈویژن جو کچھ ایک دن میں کرنا چاہتا تھا اس کا تیسرا حصہ بھی نہ کر سکا۔
ورج غروب ہوتے وقت ڈویژن کی ساتوں پلٹنیں "دشمن" کے ایک کمزور بریگیڈ
تھ اُلجھ کر اپنے اپنے مقامات پر رک گئی تھیں۔ جزل الطاف قادر نے یہ حالات دیکھ کر میرے
مذاق کیا کہ ریفری بڑا سخت معلوم ہوتا ہے تو گزارش کی کہ جناب بڑی "رعایت" کی ہے کہ
نے چار میل پیش قدمی کر لی ہے ورنہ زمین ایسی ہے کہ ایک میل بھی نہ بڑھ سکتے اور اصلی جنگ

میں اس طرح اگر چار میل پیش قدمی ہو جائے تو بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نہ آبلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

پیدل فوجوں کی ضرورت

جنرل الطاف قادر بہت محظوظ ہوئے اور فیصلہ ہوا کہ اُوپر لکھیں گے کہ ڈویژن کی پیدل
بڑھائی جانی چاہیئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُوپر یہ بات نہ سُنی گئی کہ ۱۹۶۴ء میں جنرل الطاف
نے اپنے بریگیڈوں سے جو دو طرفہ جنگی مشق کرائی اور خود مشق چلا رہا تھا تو راقم پھر جج
یعنی امپائر کا کام کر رہا تھا۔ جنرل صاحب نے میری باتوں کو کچھ پسند کرنا شروع کر دیا تھا۔
لئے نتائج دینے کے لئے مجھ پر کافی بھروسہ کیا گیا۔ بلکہ اس نئے طرزِ دفاع کے "خالق" جنرل
وہاں موجود تھے۔ راقم نے ہر سطح پر ثابت کیا کہ پیدل نفری کو کم کرنے والی غلطی کے بڑے برے
نتائج ہوں گے۔ اور میری دلجوئی تھی یا مصلحت تھی کہ دونوں صاحبان میرے ساتھ متفق
پھر اختلاف کر گئے کہ سُست رفتار پیدل افواج، تیز رفتار فوج میں سُستی بھی پیدا کر سکتی
تو جواب دیا کہ استعمال صرف اتنی پیدل فوج کو کرنا جو سُستی نہ پیدا کرے۔ اور باقی کو آرام کر
دینا۔ اور وقتِ ضرورت استعمال کرنا۔ اور بات ہنسی میں ختم ہو گئی۔

موسیٰ کی چالاکی

دراصل جنرل محمد موسےٰ نے جنرل حبیب اللہ کو فوج سے نکال کر ساری فوج کو حیران
کر دیا تھا۔ حبیب اللہ، موسےٰ کے چیف آف سٹاف تھے وہ سچی بات کر دیتے تھے۔ جنرل موسیٰ
نے ایوب خان کو کہا کہ حبیب اللہ سازش کر کے مجھے اور آپ دونوں کو ہٹانا چاہتا ہے۔ تو
سے پہلے بریگیڈیئر مظفر اور بریگیڈیئر قاضی رحیم جن کو ڈویژن کی کمانڈ دے دی گئی تھی، ان کو
نہ بننے دیا کہ وہ "لوکنیگری" ہیں۔ حالانکہ بعد میں جنرل پیرزادہ کے سلسلہ میں اس قانون کو ختم
گیا۔ بات دراصل یہ تھی کہ دونوں سچی بات بھی کرتے تھے۔ اور حبیب اللہ کے ساتھ نوکری کر
تھے۔ پھر بریگیڈیئر گل نواز کو گھر بھجوایا کہ حبیب اللہ کی یونٹ کا تھا۔ اور سچی باتیں بھی کرتا تھا
اور آخر بریگیڈیئر محمد حیات کو خفیہ برانچ کی سربراہی سے ہٹوا کر سیالکوٹ میں جنرل عتیق ار

ے ماتحت ایک بریگیڈ کی کمانڈ دلوائی۔ حیات، مشرقی پاکستان میں بریگیڈ کی کمانڈ کر چکے تھے لیکن کہا گیا کہ مغربی پاکستان کی ایک رپورٹ بھی ضروری ہے تب جنرل کے عہدہ پر ترقی ہو گی لیکن دراصل محمد حیات کو بھی حبیب اللہ کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اب عتیق الرحمان، اگر حیات کو اچھی رپورٹ دیتا تو خود گھر جاتا۔ اس لیے اپنی نوکری کے لئے عتیق نے حیات کو جرنیلی کے لئے ناموزوں قرار دے دیا۔

جنرل حق نواز نے سچی بات کی تو گھر بھیج دیا گیا۔ یہی حال بریگیڈیئر عباس بیگ کا ہوا۔ بریگیڈیئر سردار علی اور بریگیڈیئر صاحبداد نے سچی بات کی تو ان کی ترقی روک دی گئی۔ اب جنرل موسٰے اور ایوب کے سامنے سچ کون بولتا۔

سچ آکھاں تاں بھانبھڑ بلدا اے کوڑ ماراں تے کجھ کجھ کم چلدا اے (بلھے شاہ)

(اگر سچ بولوں تو آگ کے شعلے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جھوٹ بولنے سے کچھ کچھ کام چل جاتا ہے)

قارئین! پچھلے تمام ابواب میں ایک دفعہ پھر غوطہ لگائیں۔ تو آپ پر ظاہر ہو گا کہ ستمبر ۶۵ء سے پہلے س قسم کی فوج سرحدوں کی حفاظت کر رہی تھی۔ اور اونٹ کس کروٹ بیٹھ سکتا تھا۔ رن آف کچھ کے جھگڑے کے وقت ہر محاذ پر جو فوج کی تعیناتی تھی، ستمبر ۶۵ء کے لئے بھی تقریباً وہی حالات رہے۔ اور تھوڑی بہت تبدیلی ہوئی اس کا ذکر بعد میں ہو گا۔ اب کون کون کہاں تھا اور اس کی کیا ذمہ داری تھی س کا مختصر جائزہ ضروری ہے تاکہ آنے والے واقعات کو ہم بہتر طور پر سمجھ کر صحیح جائزے پیش کر سکیں ور تو پچھلے ایک باب میں ہم نے "جنگ" (WAR) اور "لڑائی" (BATTLE) میں فرق لکھا تھا۔ وہ یہاں پر عملی طور پر سمجھ آجائے گا کہ لڑائی کس کو کہتے ہیں اور جنگ کیا ہوتی ہے۔

فوج کی تعیّناتی

رن آف کچھ کے جھگڑے کے وقت ہماری افواج کی ذمہ داری شمالی علاقوں سے لے کر جنوب میں سندھ تک کچھ اس طرح تھی۔ گلگت اور سکردو کے علاقے بریگیڈیئر شیر بہادر انسپکٹر جنرل فرنٹیئر کور کے ماتحت تھے جو سکاؤٹس کی مدد سے افغانستان اور ایران کے ساتھ ملنے والی سرحدوں کے ذمہ دار بھی تھے۔ لیکن اس طرف سے خطرہ نہ تھا۔ صرف کارگل یا بونجی وغیرہ کے وسیع علاقوں میں کشمیر کی سرحد پر خطرہ تھا اور یہاں پر وفاع، وہ پکی فوج کی بجائے سکاؤٹس کی مدد سے کر رہے تھے۔ اس کے بعد نیلم وادی سے لے کر ٹیٹوال، حاجی پیر، کوٹلی سے ہوتے ہوئے بھمبر تک تمام

آزاد کشمیر کے علاقے کی ذمہ داری جنرل اختر ملک کے بارہویں ڈویژن کی تھی، جس میں پانچ بریگیڈوں کے علاوہ کافی مجاہد اور سکاؤٹس بھی شامل ہو گئے تھے اور چھمب جوڑیاں تک سامنے والا پاکستانی اور آزاد کشمیر کا علاقہ ان کی ذمہ داری میں تھا۔

آگے ہیڈ مرالہ سے لے کر سیالکوٹ، جموں روڈ پر سچیت گڑھ سے ہوتے ہوئے شکر گڑھ تحصیل، ظفروال، چونڈہ، پسرور اور ڈیرہ بابا نانک تک کے سامنے جسڑ پل تک علاقہ سیالکوٹ میں تعین پندرھویں ڈویژن کی ذمہ داری میں تھا جس میں تین بریگیڈ تھے۔ ان کے پیچھے جنرل ابرار کا چھٹا بکتر بند ڈویژن گوجرانوالہ اور سمبڑیال کے علاقوں میں ریزرو اور نمبر چار کور آرٹلری کی امداد ملنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس ڈویژن کے کمانڈر جنرل یحییٰ تھے، جن کا کرنل سٹاف مرحوم بریگیڈیئر رزاق تھا، جس کو انہی دنوں ترقی مل گئی اور ان کی کرنل غفار مہدی آئے۔ لیکن جیسے رن آف کچھ کا جھگڑا ختم ہوا، جنرل یحییٰ کو ساتویں ڈویژن میں بھیج دیا گیا۔ اور سروس کور کے بریگیڈیئر اسمٰعیل کو سیالکوٹ میں تعین کر دیا گیا۔ یہ تبدیلی میرے لئے آج بھی اچنبھا ہے۔ خاص کر اس وجہ سے کہ کرنل سٹاف قدرتی طور پر تبدیل کیا گیا تھا۔ کیا کسی اوپر والے کو معلوم تھا کہ بھارت کے ساتھ بھرپور جنگ کی صورت میں گھمسان کی جنگ سیالکوٹ میں ہو گی؟ اور وہاں کچھ حالات بھی پتلے تھے۔ اور یحییٰ اگر وہاں ناکام ہو گیا تو اس کو کمانڈر انچیف نہ بنایا جا سکے گا۔ ساتویں ڈویژن کا کام حملہ کرنا تھا۔ اور حملہ اگر پوری کامیابی نہ بھی حاصل کرے تو زیادہ حرف نہیں آتا۔ جس طرح یحییٰ نے اکھنور کی طرف پیش قدمی نہ کی تو اسے کچھ نہ کہا گیا کہ وہ حملہ کرنے والے ڈویژن کا کمانڈر تھا اور اسے بہادری کا تمغہ ہلالِ جرأت دے دیا گیا۔ لیکن اسمٰعیل کو جنرل بھی نہ بنایا۔

سیالکوٹ کا محاذ

سیالکوٹ کا محاذ بہت وسیع تھا اور دو بڑے راستوں یعنی سچیت گڑھ اور جسڑ پل والے راستے کے علاوہ دشمن درمیان میں سے بھی کسی جگہ سے حملہ کر سکتا تھا۔ جیسا کہ بعد میں ہوا۔ خیر سرحد کی جگہ ایک آدھ آدمی بٹھا کر دفاع تو نہیں ہوتا۔ حملے کی متوقع جگہیں ہوتی ہیں اور اس کے لئے بہت زیادہ کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے یعنی دشمن کے ذرائع آمدورفت، علاقے کی زمین، فوجوں کو اس علاقہ میں اک

نے کی اہلیت ، اور حملے کے دشمن کو فوائد وغیرہ ۔ اور ان فوائد کی ترجیحات ، یہ بہت وسیع مضامین
ہوتے ہیں اور ان سب کو سوچتے ہوئے بھی سیالکوٹ کے محاذ کے دفاع کے لئے ایک ڈویژن کی
ری کافی نہ تھی ۔ اسی وجہ سے پیچھے چھٹا بکتر بند ڈویژن تھا اور چار کور کا توپخانہ بھی ریزرو
ں تھا ۔ لیکن اختر ملک کا اپریشن " جبرالٹر " ہونے والا تھا جس سے ہم بے خبر تھے اس لئے چار
ر کا توپخانہ بھی اور چھٹے بکتر بند کا ایک رسالہ اور کچھ پیدل نفری بھی ادھر چلی گئی تھی ۔ علاوہ چھٹے
بکتر بند کو اور ذمہ داری یہ بھی تھی کہ لاہور محاذ اور سیالکوٹ محاذ کے درمیانی علاقہ سے دشمن کی کسی
کارروائی کے خلاف بھی تیار رہنا ۔ اور یہ ڈویژن سائز میں بھی عام بکتر بند ڈویژنوں سے بہت
چھوٹا تھا ۔

افواج کی ایسی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور وہی کمانڈر بہتر سمجھا جاتا ہے ، جو کم سے کم فوج
سے اپنی مرضی کی جگہ اور وقت پر زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکے اور اسی لئے اللہ تعالےٰ کا
فرمان ہے کہ اکثر کم افواج ، زیادہ پر غالب آتی ہیں ۔ اور یہی اعتراض راقم نے پاکستان بننے کے بعد
بریگیڈئر افتخار پر کیا ۔ یا جنرل اکبر نے انگریز کمانڈر انچیف پر ۔ اس لئے راقم فوجوں کی ایسی متعدد
جگہوں پر استعمال کے خلاف نہیں ۔ بات یہ ہے کہ سوچنا یہ چاہیئے کہ ایسی فوج کون کون سے کام
عملی طور پر کر سکے گی ۔ اور کسی جگہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے جائے ، اور پیچھے نقصان زیادہ ہو
جائے تو پھر تجویز بنانے والا مٹی کا مادھو تھا ۔ قارئین ان نکتوں کو ذہن میں رکھیں ، جو آسان
فوجی زبان میں بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ پوری قوم کو فوجی معاملات کی شُدبُد ہو جائے اور
آنے والے واقعات کے بیانات کو سمجھنا آسان ہو تاکہ ہمارے اندر وحدتِ فکر پیدا ہو ۔

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے مِلّت وحدت ہی فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

صرف ایک کور ہیڈکوارٹر تھا

اسی طرح سیالکوٹ اور چھمب جوڑیاں کے علاقہ میں ان ڈویژنوں کے اُوپر جنرل بختیار رانا
کی کور بھی تھی ۔ اور کچھ ذمہ داری کور کی تھی اور کچھ جی ایچ کیو کی ، کہ باقی کسی جگہ کوئی کور
ہیڈکوارٹر نہ تھا اور جی ایچ کیو ، ہر ڈویژن یا محاذ پر سیدھا کنٹرول کر رہا تھا ۔ اور یہ بڑا غلط
طریقہ تھا ۔ اس سلسلہ میں اس زمانے میں بھی ہم نے بڑے اعتراضات کئے ، کہ ہر محاذ پر کوئی کور

ہیڈ کوارٹر ہونا چاہیئے کہ محاذوں کی کارروائی میں رابطہ پیدا کریں ۔ لیکن جنرل موسیٰ
اور ان کا سٹاف سب کچھ خود کرنا چاہتا تھا ۔ اور اسی وجہ سے بریگیڈئر گل حسن نے نہ صرف
کو توڑ کر رکھ دیا بلکہ پلٹنوں کی کمپنیاں الگ الگ کر دیں ۔ اور نیچے والوں نے بھی یہی کیا ، جس کی
سے بڑے نقصانات ہوئے اور ان کا ذکر آئے گا ۔ علاوہ ہر جگہ دو عملی بھی تھی ۔

محاذوں کے درمیان والا علاقہ

محاذوں کے حساب سے سیالکوٹ اور لاہور کے محاذ کے درمیان کافی علاقہ خالی تھا ، جہاں
فوج نہ تھی کہ اس علاقے میں حملہ کی اُمید نہ تھی اس لئے کہ ہمارے سامنے دشمن کے ذرائع آمد و
اچھے نہ تھے اور ہمارے علاقے میں کافی دریائی اور نہری رکاوٹوں کے علاوہ زمین بھی دلدلی
رن آف کچھ کے زمانے میں راقم نے اس علاقہ کے چپہ چپہ میں کافی وقت گزارا ۔ اور کچھ مو
بھی تیار کئے ۔ ایسے علاقوں کو دیکھ کر اسلامی فلسفۂ دفاع کو اپنانے کی ضرورت اور اہم ہو
جاتی ہے ۔ اور اب تو گوجرانوالہ فوجی چھاؤنی بن گئی ہے کہ ایسے علاقوں کے دفاع کو بہتر
کر دیا گیا ہو گا ۔

لاہور کا محاذ

اب لاہور کا محاذ آتا ہے ، جو مقبول پورہ کے علاقے سے بیدیاں کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا
راقم رن آف کچھ کے جھگڑے کے وقت مقبول پورہ سے ہی شمال کی طرف کام کرتا رہا اور پہلے میری
ذمہ داری مقبول پورہ سے راوی سائفن کے شروع ہونے والی جگہ پر تھی ۔ اکثر امید کی جاتی تھی کہ
دشمن اس راستے سے حملہ کر کے شاہدرہ یا کامونکی وغیرہ پہنچ سکتا ہے اس لئے فوج کو وہاں رکھا
گیا تھا ۔ لیکن اس زمانے میں وہاں ایک کمپنی ہی کافی تھی اور جی ایچ کیو سے بریگیڈئر بلگرامی
نے جب ہمارا ملاحظہ کیا اور راقم سے اس علاقہ کے بارے میں رائے پوچھی تو راقم نے فخولاً عرض
کی کہ کسی چھوٹے نقشے کو دیکھ کر جی ایچ کیو کا کوئی سٹاف افسر اس علاقہ کو اہم سمجھ بیٹھا ہو گا تو ہم
یہاں ہیں ۔ لیکن علاقے کے زمینی حالات ایسے ہیں کہ راقم ایک کمپنی کے ساتھ دشمن کے ایک
بریگیڈ کو روک سکتا ہے
تو بات یہاں تک بن گئی کہ " راقم " ہی ایسا کر سکتا ہے اور کوئی نہ کر سکے گا ۔ لیکن دراصل کپتان محمد صفدر

جواب جنرل ہیں نے ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں اس علاقے کا دفاع بڑی کامیابی کے ساتھ ایک لینی ہی سے کیا بلکہ کچھ جارحانہ کارروائی بھی کی ساتھ کچھ اور عزورنیں نفیس جن سب پر بحث کرنے سے مضمون طویل ہو جائیں گے۔ اور آج کل تو حالات ویسے بھی تبدیل ہو گئے ہیں۔ بہرحال ایسے معاملات کو سمجھنے کے لئے مومن کی فراست چاہیئے، اور حضور پاکؐ نے اپنے ماتحتوں کو ایسی تربیت دی تھی کہ چپہ چپہ زمین اور علاقہ صحابۂ کرامؓ کے سامنے بول اٹھتا تھا کہ وہاں کتنا دشمن ہے اور وہ کیا کچھ کر سکتا ہے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے چند سالوں میں دُنیا فتح کر ڈالی تھی۔

اس سیلِ سبک سیر و زمین گیر کے آگے
عقل و نظر، علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

جنرل سرفراز

لاہور کے محاذ پر ہمارے پاس جو فوج تھی وہ لاہور کے دفاع کے لئے کافی تھی، اور اگر ہم جنگ کے اصولوں کے تحت لڑتے یا چوکنّا رہتے تو دشمن کو ایک ہی ہلہ میں اٹاری پھینک سکتے تھے جنرل سرفراز لاہور ڈویژن کے کمانڈر تھے۔ اور پیشہ ور فوجی ہونے کے علاوہ ان کی نیت پر کبھی شک نہیں کیا جا سکتا اور نہ حب وطنی پر۔ ذاتی غرض کے لئے وہ قوم کے ساتھ بے وفائی بھی نہ کریں گے۔ لیکن کانوں کے کچے تھے اور ان کو اپنے ماتحتوں کی صحیح پہچان نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ یہ سوچ سکتے تھے کہ پاکستان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے یا ان کے خلاف۔ جنرل یحییٰ کا بھائی آغا محمد علی لاہور میں رہ کر سرفراز کو بدنام کرانے اور "بے خبر" رکھنے کے سلسلہ میں باقاعدہ کام کر رہا تھا تاکہ محمد موسےٰ کے جانے کے بعد سرفراز کمانڈر انچیف نہ بن جائے۔

جنرل سرفراز کے ڈویژن کے جی ون کرنل افتخار بشیر تھے اور اے کیو بشیر ملک تھا۔ جو فوج میں "بک" کے نام سے مشہور تھا یہ دونوں اس کی پرانی رجمنٹ بلکہ ان یونٹوں کے تھے جن میں جنرل سرفراز نے بھی نوکری کی تھی۔ علاوہ "بک" سرفراز کا ہم قوم بننے کے لئے ملک بھی بنا ہوا تھا۔ جنرل سرفراز ان دونوں پر بہت بھروسہ کرتا تھا۔ لیکن اس کو یہ نہ معلوم تھا اور شاید اب بھی معلوم نہ ہو کہ "بک" یحییٰ کا آدمی تھا۔ افتخار بشیر اور "بک" میں بہت

دوستی تھی، لیکن "بگ" نے یحییٰ کا آدمی ہونے والی بات سے افتخار بشیر کو بھی اندھیرے میں رکھا ہوا تھا۔ بدقسمتی سے ڈویژن کے کرنل سٹاف کرنل افضل بھلے آدمی تو تھے۔ لیکن اول تو رسالہ کا آدمی ہونے کی وجہ سے پیادہ ڈویژن کے معاملات کو سمجھتے نہ تھے۔ پھر ہر بات کے لئے کا رویہ عجیب و غریب تھا کبھی لکیر کا فقیر۔ کبھی بالکل غیر مستقل مزاجی، اس لئے افتخار بشیر اور "بگ" ہر معاملے میں کرنل سٹاف کو "نیچا" دکھانے میں لگے رہتے تھے۔ افتخار بشیر "عادت" کے طور پر "بگ" سرفراز کے معاملات کو دھندلا کرنے کے لئے۔ اس سب خرابی کے اثرات جنگ کے واقعات بیان کرتے وقت اور زیادہ واضح ہو جائیں گے۔

سرفراز بکتر بند دستوں کے لئے موزوں تھا

جنرل سرفراز پیشہ ورانہ لحاظ سے فوجی معاملات کو سمجھتا تھا اور عسکری تاریخ کا طالبعلم بھی تھا۔ دوسری جنگِ عظیم میں ایک کمپنی کی کمانڈ کی جہاں ملٹری کراس کا تمغہ ملا۔ جس میں کچھ "سیاست" ضرور تھی۔ لیکن سرفراز زیادہ موزوں بکتر بند دستوں کے لئے تھا گو اس کا تعلق پلٹن سے تھا اور کشمیر کی جنگ میں وہ ایک پلٹن کی کمانڈ بھی کر چکے تھے، جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن بعد میں انہوں نے زیادہ وقت بکتر بند دستوں کے ساتھ گزارا تھا۔ اور رسالہ کے تمام افسروں اور یونٹوں کو وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ جنرل نصیر مرحوم جن کا ذکر بعد میں آئے گا کی نسبت بہت بہتر ثابت ہوتے۔ لیکن ایسا جان بوجھ کر کیا گیا کہ اگر ہمیں کچھ کامیابی کی اُمید تھی تو وہ بکتر بند دستوں اور کھیم کرن، قصور محاذ سے تھی۔ تو جنرل موسیٰ اور یحییٰ یہ نہ چاہتے تھے کہ اس کا سہرا جنرل سرفراز کے سر بندھ جائے سرفراز کے ساتھ جو کچھ یہ لوگ کرنا چاہتے تھے، اس سے وہ اور پاکستان کیسے بچے۔ اس کا ذکر جنگ کے واقعات کے تحت آئے گا۔

قصور کا محاذ

کھیم کرن (روہیوال) اور قصور محاذ پہ جنرل حمید (یحییٰ کے سایہ) کا نیا ڈویژن نمبر گیارہ تھا۔ جو اِدھر اُدھر سے کچھ ڈویژنوں اور بریگیڈوں کو "ٹیڈی" بنا کر یا لنگڑا کر کے چند یونٹوں سے بنایا گیا تھا، جو کئی لحاظ سے نامکمل تھا اور دیکھنے میں اس کو بڑی اہم ذمہ داری دی گئی تھی۔ ایک طرف فیروز پور کے رستے سے آنے والی سڑک اور پُل سامنے تھے۔ تو دوسری طرف روہیوال

کھیم کرن سے ترن تران اور امرتسر کی طرف راستہ جاتا تھا۔ لیکن ان دونوں مقامات کی طرف سے بھارت کوئی بڑا حملہ نہ کر سکتا تھا۔ علاوہ گیارہ ڈویژن کے پیچھے اپنا پہلا بکتر بند ڈویژن اور ساتواں ڈویژن ریزرو میں موجود تھے۔ گیارہ ڈویژن نے روہیوال نالہ پر برج ہیڈ بنا کر دینا تھا۔ اور پھر ان دونوں ڈویژنوں نے بھرپور کارروائی کر کے امرتسر وغیرہ پر قبضہ کرنا تھا اور حالات ایسے تھے کہ یہ نہایت اعلےٰ پایہ کی تجویز تھی۔ اس کے بعد گیارھواں ڈویژن بالکل "فالتو" ہو جاتا تھا۔ کہ کچھ دستے فیروز پور والے راستے کی دیکھ بھال کرتے۔ باقی تمام یونٹوں کو حملہ آور فوج کا حصہ بنایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جنرل حمید کو جنرل یحییٰ کی دوستی کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کو آسان کام دیا گیا تھا۔ ادھر جنرل ٹکا خان کے پاس صرف ہیڈ کوارٹر رہ گیا۔ اس کے آٹھویں ڈویژن سے بہت یونٹیں لے لی گئیں۔

بکتر بند ڈویژن

پہلے بکتر بند ڈویژن کا کمانڈر جنرل نصیر مرحوم تھا۔ جو راقم کا ذاتی دوست بھی تھا اور اب فوت بھی ہو چکا ہے۔ لیکن مرحوم نصیر بکتر بند ڈویژن کے لئے موزوں نہ تھے، ہاں جنرل موسیٰ کے خاص دوستوں میں شامل تھے۔ اس لئے ترقی کرتے رہے۔ پھر بھارت میں ملٹری اتاشی کے طور پر کچھ اچھا کام کیا تھا وغیرہ۔ ان کے کرنل سٹاف کرنل فاروق بھی راقم کے ذاتی دوست ہیں۔ لیکن وہ بھی اس ذمہ داری کے لئے موزوں نہ تھے۔ تینوں بریگیڈیئروں میں سے بریگیڈیئر معین اور بریگیڈیئر لمب کو بھی راقم اچھی طرح جانتا تھا۔

معین تو گزارہ تھا۔ اور لمب بھی زبانی طور پر تو بہت باتیں کر سکتا تھا لیکن اس کام کے لئے موزوں نہ تھا۔ لیکن زیادہ بدقسمتی بریگیڈیئر بشیر کی وجہ سے تھی جس کے بارے ۱۹۵۸ء میں راقم نے پیشن گوئی کی تھی کہ لڑائی میں یہ صاحب ہمیں لے ڈوبیں گے ان دنوں ان کے بریگیڈ کے ساتھ ہماری یونٹ نے رسالہ اور پلٹن کے ملے جلے کاموں کی مشق کی۔ جہاں پر میری باتیں باقی لوگوں نے تو مان لیں کہ وہ عملی تھیں۔ لیکن ان صاحب نے میری باتوں کا مخول اُڑایا کہ میں "خطرات" سے ڈرتا ہوں۔ میدانِ جنگ میں خطرات میں کود جانا چاہیئے۔

ان کو اس زمانے میں راقم نے کافی سمجھایا کہ دیکھنے اور سننے میں بہت فرق ہے۔ میں نے بہت جنگ

دیکھی ہوئی ہے اور یہ عملی باتیں ہیں۔ لیکن نہ وہ مانتے اور نہ انہوں نے ماننا تھا کہ مشق
دوران ان کے چلنے کے انداز میں اتنا تکبّر اور کچا پن تھا کہ میں ڈر گیا کہ اللہ خیر کرے۔ یہی وجہ
کہ جنگ کے دوران بریگیڈئر شامی شہید نے ان کو ان کی وہی کچی اور تکبّرانہ باتیں یاد کرائیں کہ
صاحب بریگیڈئر شامی کو دشمن کے نرغے میں چھوڑ کر خود فرار ہو گئے۔

ساتواں ڈویژن

ساتواں ڈویژن، بکتر بند دستوں کے ساتھ امدادی دستے کے طور پر تھا اور مرحوم
الطاف قادر اور اس سے پہلے جنرل عتیق الرحمٰن نے اس ڈویژن کی بڑی جنگی مشقیں کرا
تھیں۔ یہ ڈویژن ہماری فوج کا چمکتا ہوا ستارہ تھا۔ لیکن افسوس کہ رن آف کچھ کے جھگڑے
کے بعد جنرل الطاف قادر کو ترکی بھیج دیا اور سیالکوٹ سے لا کر جنرل یحییٰ کو اس ڈویژن پر بٹھا
دیا گیا کہ اگر کچھ اچھا کام ہو جائے تو سہرا جنرل یحییٰ کے سر بندھے۔ جنرل الطاف قادر بھی یحییٰ سے
سنیئر تھا۔ اور یحییٰ کے لئے راستہ صاف کیا جا رہا تھا۔ اسی دوران اصغر خان کی بجائے نور خان کو
ایئر فورس کا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ تو جنرل رانا نے اپنے معتمد افسروں کو کہا کہ کسی کی رپورٹ لکھنے
میں اس نے غلطی کی ہو تو اس کو بنایا جائے۔ وہ ٹھیک کر دے کہ اب وہ جلدی ریٹائر ہو جائے گا
اور صوبہ پنجاب کے کسی رہنے والے کو اب برّی فوج کا کمانڈر انچیف نہ بنایا جائے گا بشاید
یہ تمام راستے جنرل یحییٰ کے لئے صاف ہو رہے ہیں"۔

پھر جنرل رانا نے مخول کے ساتھ ان افسروں سے سوالیہ انداز میں پوچھا "کہ تم لوگ کہتے
ہو گے کہ جنرل رانا جیسا نالائق کیسے پاکستان آرمی کا کمانڈر انچیف بن سکتا ہے تو میرا جواب یہ ہے
کہ مجھے اس لئے اُمید تھی کہ میں سب سے سینئر ہوں اور پھر اگر موسٰے کمانڈر انچیف بن سکتا ہے
تو مجھے یہ مقام مل گیا تو حرج تو کوئی نہیں"۔

قارئین! باقی اندازے آپ خود لگالیں کہ یحییٰ کو ہمارے سر پر لانے کے لئے کیا کیا تگ ودو
ہو رہے تھے۔ اگر ایوب خان اور محمد موسٰے میں سے ایک بھی یحییٰ کی مخالفت کرتا تو اس کو ۱۹۶۰ء
میں گھر چلا جانا چاہیئے تھا۔ اور پھر جنرل موسٰے کے بارے آپ نے اس کے ایک پلٹن وال جنرل
رانا کا جائزہ سُن لیا۔

چھوٹے محاذ

ان بڑے محاذوں کے علاوہ دو چھوٹے چھوٹے محاذ بھی تھے۔ ایک سلیمانکی کا محاذ جہاں بریگیڈیئر
برکمانڈر تھے اور وہ سیدھے جی ایچ کیو کے ماتحت تھے۔ وہاں جیسے آگے بیان ہوگا سب خیر ہی
رہی اور دوسرا گدرا یا سندھ کا محاذ تھا۔ جہاں بریگیڈیئر اظہر کارن آف کچھ والا بریگیڈ تھا۔ جہاں
بھی حالات ٹھیک ہی رہے۔

اس ساری دفاع کی تجویز میں سب محاذوں پر لڑائی خود محاذ کے کمانڈروں نے لڑنا تھی جنرل
ہیڈکوارٹر کی صرف اتنی ذمہ داری تھی کہ مناسب وقت پر بکتر بند ڈویژن اور ساتویں ڈویژن سے
جارحانہ حملہ کرائیں۔ ان کے اوپر کوئی کور کمانڈر نہ تھا۔ اور یہ بڑی غلطی تھی کہ آگے بڑی تکلیف ہوئی
لیکن خیر حملہ کرنے سے پہلے ساتواں ڈویژن ٹکڑوں میں ہو چکا تھا اور پھر اس کا ہیڈکوارٹر
چھمب جوڑیاں پہنچ گیا۔ اور حملہ کی جو تجویز بنائی اس کے تحت روہیوال نالہ پر صرف ایک پل بنانا
تھا۔ اور اس تنگ جگہ سے گزر کر "فتوحات" حاصل کرنا تھیں۔ اور اب ویسے ہی بکتر بند ڈویژن
پھیلا تھا۔ اور غیروں سے لئے ہوئے ہتھیاروں پر ہم نے جو "تکبر" کیا اور اپنی چیزوں پر بھروسہ
کیا، تو نتیجہ بھی صفر رہا کہ ساتھ کوئی پیدل فوج نہ تھی۔

علاوہ انگریز ہمیں سکھلا گئے کہ لڑائی کیا ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی طرح ہر محاذ پر لڑائی تو ہوتی رہی
لیکن جنرل ہیڈکوارٹر نے جوان تمام لڑائیوں کو ملا کر "جنگ" لڑنی تھی۔ اس کا معاملہ صفر ہی رہا کہ آج تک
ہم نے قوم کی حیثیت سے یہ بات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔

ے فتوے ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر (اقبالؒ)

افواج کی چھاؤنیوں میں واپسی

ہم لوگ لاہور چھاؤنی واپس آ گئے۔ اپنے محاذوں پر تمام مورچوں اور رکاوٹوں کو ختم کر آئے۔
اور ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے کہ دشمن کے آدمی ہماری پوزیشنوں کو سمجھ نہ سکیں۔ ایک ایک بارودی
سرنگ جو زمین میں گاڑھی گئی تھی اس کو باہر نکالنے کا حکم ملا۔ اس سلسلہ میں انجینئر یونٹوں کے
کچھ جوان شہید ہوئے۔ ہماری یونٹوں کو بارودی سرنگیں کچھ افراتفری میں ملی تھیں تو تین بارودی

سُرنگیں گم ہوگئیں ۔ راقم ہی اس محاذ کا کمانڈر تھا اور مجھ سے جواب طلبی ہوئی لیکن مجھے اپ
دیکھنے کا وقت ہی نہ ملا تھا۔ تو بات سرداروں اور عہدہ داروں پر آ گئی ۔ اور کورٹ آ
کا حکم مل گیا جو شروع ہوگئی ۔ راقم نے بیان دے کر ان کو بڑی مشکل سے بچایا ۔

امن پسندی کا مظاہرہ

چھاؤنی میں کھیلوں کا بندوبست شروع ہوگیا۔ سخت امن پسندی کا حکم مل گیا ۔ بالکل
زمانے کی تربیت شروع کی جائے ۔ اوران کھیلوں کے میدانوں میں چونا اور فیتے اس دن بھ
ہوئے تھے جس دن بھارت نے حملہ کیا۔
علاوہ حکم ملا کہ ہر یونٹ کا چوتھا حصہ سالانہ چھٹی پر بھیج دیا جائے ۔ کہ ادھر سے خبر ملی
کے "گوریلے" مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گئے ہیں ۔ کمانڈو سرینگر پہنچ گئے ہیں ۔ بھارت نے
مچایا ۔ اور ہمارے ہاں سے بھی مجاہدین کا ریڈیو سٹیشن فضا میں اللہ اکبر کی صدائیں دے ر
انہی دنوں خبر آئی کہ مجھ جیسے پُرانے اور بوڑھے افسر کی اب پکی پلٹن میں کوئی ضرورت ن
اور مجھے مردان سنٹر میں تبدیل کر دیا گیا ۔ خیر میں نے تو RERRESENT کر دیا اور یہ ریکارڈ
ہے کہ میں نے کہا کہ اُوپر والوں کو جنگ نظر نہ آتی ہوگی مجھے تو جنگ نظر آ رہی ہے اور مَیں
دو ماہ تک اپنی یونٹ کو چھوڑنے کو تیار نہیں ۔

جنگ نظر آ رہی تھی

• انہی دنوں محکمہ تعلقاتِ عامہ کے میرے پُرانے دوست میجر بعد میں کرنل مسعود لا
آئے تو راقم نے اُن کو کہا کہ خدا را جی ایچ کیو میں اگر آپ کی کوئی سُنے تو ان کو کہیں کہ مومن
فراست استعمال کریں ۔ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے ۔ بھارت ردِعمل کے طور پر لاہور پر ہی حملہ کر
اور ہم کس کو بے وقوف بنا رہے ہیں ۔ لیکن انہی دنوں سنا کہ باقی جگہوں پر افواج محاذ کے نزدیک
لیکن لاہور "بین الاقوامی" شہر ہے اور ہم یہاں یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ کشمیر کی گوریلا کارروائی ہما
نہیں کہ ہم حفظِ ماتقدم کے طور پر لاہور کے محاذ پر اپنی فوجیں رکھیں ۔ اور وزارتِ خارجہ نے
سخت حکم دیا ہے کہ جنگ صرف کشمیر تک محدود ہوگی ۔ ہم باقی لوگ ، محاذ کے نزدیک جا کر یا
بھارت جنگ کا سبب نہ بنیں ۔ اور ہمارے ڈویژن کے کرنل سٹاف نے اپنی شرافت کی وجہ

اس "شوشے" کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھ لیا۔

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ

جبرالٹر سکیم

اب اختر ملک کی جبرالٹر سکیم یہ تھی کہ محاذ سے فوجیوں کو اٹھایا اور سویلین کپڑے پہنا کر مقبوضہ کشمیر کے اندر دھکیل دیا ان میں سے جو آدمی پکڑا گیا اس نے صاف صاف بتا دیا کہ وہ آزاد کشمیر فوج سے تعلق رکھتا ہے اور جو سویلین مجاہد گئے انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ پاکستان آرمی نے ان کو تربیت دی ہے۔ علاوہ ازیں نہ تو مقبوضہ کشمیر کی سول آبادی کو ایسی ضرورت کے لئے تیار کیا گیا اور نہ سول آبادی تیار تھی۔ البتہ یہ گوریلا بڑے اچھے LONG RANGE COMMONDO تھے اور بعض جگہ انہوں نے بڑے اچھے کام کئے اور بھارت کے ذرائع آمدورفت کے لئے کئی مسائل کھڑے کر دیئے۔ لیکن یہ لوگ اس علاقہ کی ایک فیصد آبادی کو بھی عملی طور پر اپنے ساتھ نہ ملا سکے۔

مسلمان آبادی کا ردِ عمل

مسلمان آبادی نے کہا کہ وہ بڑے خوش ہیں کہ آپ لوگ آ گئے ہیں۔ کافروں کا نقصان کر رہے ہیں۔ جب کچھ علاقے پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا تو ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس وقت مدد ممکن ہے کہ ہم نے آپ کا ساتھ دیا، تو بھارتی ہمارا گھر جلا دیں گے۔ اور ہماری عورتوں کو پکڑ کر لے جائیں گے۔ اب ایسے کمانڈو کسی علاقہ میں چند ہفتے یا ایک آدھ ماہ ٹھہر سکتے ہیں۔ لیکن پوری آبادی کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ایک سال بھی تھوڑی مدت تھی۔ ویسے جنگ میں ایسی کارروائی تب کی جاتی ہے جہاں کوئی حملہ کرنا ہو تو ایسے کمانڈو پہلے بھیج دیئے جاتے ہیں۔ جو دشمن کے ذرائع آمدورفت میں خلل ڈالتے ہیں۔ یا اس میں JITTER پیدا کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ یہ ساری کارروائی بے مقصد اور بے معنی تھی۔ جنرل اختر ملک نے فوجوں کو بھی کچھ حرکت دی اور بریگیڈیئر اپنی یونٹوں کو لے کر کچھ آگے بڑھے تو اپنے پاس فوجوں کی اتنی کمی تھی کہ آگے سے بھارتی بریگیڈیئر بھومی چند نے بریگیڈیئر خلجی کے ہیڈکوارٹر پر چھاپہ مارا اور سکیم جبرالٹر بھی لے گئے۔ کہتے ہیں کہ بریگیڈیئر خلجی وہاں نہ تھے اور یہ سکیم ان کی بش شرٹ کی جیب میں تھی بہرحال اس کے

بعد بھارتیوں کو معلوم ہو گیا کہ ہماری افواج کی پوزیشن فائر بندی لائن پر بہت کمزور ہو گئی

بھارت کا ردِ عمل

اب بھارتیوں نے بہت عقلمندی کی۔ اختر ملک کے "گوریلا" اور اصلی کمانڈو بھار
بہت نقصان کر رہے تھے۔ لیکن ان کو اپنے اندر تلاش کرنا اور ان کا پیچھا کرنا وقت کا ز
تھا۔ اس لئے بھارتیوں نے اپنی چوکیوں کو مضبوط کیا کہ ہمارے کمانڈو جب حملہ کریں یا چھا
توان کو جو نقصان کرنا ہے تو اس وقت کرو۔ اور ذرائع آمدورفت کی حفاظت زیادہ ک
اس لئے ہمارے چھاپہ ماروں کی کاروائیاں خود بخود مدھم پڑ گئیں۔ یہ ہیں نتائج یا فوری
جو اختر ملک کی سکیم جبرالٹر لائی اور جس کے بارے میں بڑا فخر کیا جاتا ہے۔ لیکن اختر ملک
شاید از خود تو معلوم تھا کہ کیا نتائج ہوں گے، کہ وہ اپنے ردِ عمل کے ڈرامہ کی تیاری ج
جوڑیاں میں کر رہے تھے۔ بہر حال چھاپہ ماروں کے نتائج نہ حاصل کرنے کے باوجود ا
حواری ڈھول پیٹ رہے تھے کہ اختر نے کشمیر کے سوال کو "زندہ" کر دیا ہے۔

کچھ اور ڈرامے بھی ہوئے چھاپہ ماروں کی کامیابیاں کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کی ج
لگیں، تو جی ایچ کیو میں بریگیڈئر گل حسن نے ملٹری اوپریشن کو چوبیس گھنٹہ کی ڈیوٹی
دیا۔ اور خود بھی آتا۔ اور جنرل موسیٰ نے بھی باقاعدگی سے آنا شروع کر دیا۔ اور حالات
"باخبر" رہنے کی کوشش کرتا رہا۔

جنرل موسیٰ صرف آتا تھا

کرنل مسعود کی زبانی بعد میں معلوم ہوا کہ گل حسن، جنرل موسیٰ کو خاطر میں بھی نہ
اور اس کو "پانچواں سوار" کہتا تھا۔ اور عام طور پر کہا جاتا تھا کہ لڑائی کشمیر تک محدود رہے گ
اختر ملک اس طرح کشمیر کو اندرونی بغاوت کے ذریعہ سے فتح کر لیں گے۔ تو جنرل موسیٰ پ
رہ جانا چاہتے تھے۔ لیکن اب اپنی کتابوں میں یہ باتیں نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وہ اس
حق میں نہ تھے۔ بلکہ مجبوری تھی۔

ے

اے اہلِ نظر، ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

بھارت کی فوری کارروائی

بھارتی ان حالات میں خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے فوری کارروائی کے طور پر آزاد کشمیر کے اہم مقام حاجی پیر پر حملہ کر دیا کہ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ ہمارے وہاں کے دستے کشمیر کے اندر چھاپہ مار بنے ہوئے تھے۔ بھارتیوں کو کافی کامیابی ہو گئی تو اس کے لئے پنجاب کے علاقوں سے دو پلٹنوں کو حاجی پیر بھیجنا پڑ گیا جن میں سے ۲۰ پنجاب نے عظیم قربانی دے کر حاجی پیر کو بچایا۔ اور پیدل فوج کی ہمارے پاس پاکستان میں پہلے کمی تھی وہ اور زیادہ ہو گئی۔

بھارتی تیار نہ تھے اور ان کی فوری کارروائی کامیاب نہ ہوئی لیکن ہماری افواج کا توازن بھی ٹوٹنا شروع ہو گیا۔ ساتھ ہی بھارتیوں نے اپنے بکتر بند دستوں اور ان کے امدادی ڈویژنوں کو کمال پوشیدگی سے سانبھا (جموں، کٹھوعہ روڈ) تک پہنچا دیا اور جس دن ہم نے چھمب جوڑیاں میں کارروائی کی اس سے پہلے بھارت والے پاکستان پر بھرپور حملہ کے لئے اپنی افواج کو محاذوں پر بھیج چکے تھے۔ اور ہم جو جنگ کو کشمیر تک محدود کرنے میں لگے ہوئے تھے، تو ہم بے وقوفوں کی دنیا میں رہ رہے تھے اس لئے اگر ہم چھمب جوڑیاں پر حملہ نہ بھی کرتے تو بھارت پھر بھی ہم پر ضرور حملہ کرتا۔ البتہ اس حملہ کا وقت اور جگہ وہ زیادہ سوچ سے مقرر کرتا۔ ہماری چھمب جوڑیاں کی کارروائی نے بھارت سے یہ کام جلدی میں کروا دیا۔ اسی وجہ سے بھارتی فوجوں کو زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور خیر چھوٹی سطح پر ہمارے جوانوں کا جذبہ بھی بڑا کام آیا۔

غداری؟

اب ہمارے ملک میں جو لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ جنگ کو کشمیر تک ہی محدود کر دیں گے ان کو ان کے عہدوں سے اسی دن برطرف کر دینا چاہیئے تھا لیکن جنگ کے بعد ان تمام لوگوں کے خلاف مقدمہ چلانا چاہیئے تھا۔ اور جنہوں نے نالائقی کی ان کو محمد غوری کی طرح توپ کے منہ پر چڑھانے تھے تو پھر سقوطِ ڈھاکہ کبھی نہ ہوتا۔ اوّل تو بھارت کے ساتھ ہماری جنگ اسی دن شروع ہو گئی تھی جب اختر ملک نے گوریلے بھیجے تھے۔ لیکن جس دن اگست میں بھارت نے حاجی پیر پر حملہ کیا اس کے بعد ہم حالت جنگ میں تھے۔ اور اس کے بعد اپنی فوجوں کو اگلے محاذ پر نہ بھیجنا

میرے لحاظ سے ملک کے ساتھ غداری تھی ۔ قارئین اپنا فیصلہ خود کرلیں ۔ لیکن یکم ستمبر کو چھمب پر حملہ کرنے سے پہلے یا اس دن فوجوں کا محاذ پر نہ ہونا ناقابلِ معافی جرم ہے ۔ اور یہ حالت میں ہم کو حکم دیا کہ کھیلوں کے اجتماع ہوں اور یونٹوں کا چوتھا حصہ چھٹی پر رکھا جائے ۔ اور آگے کوئی رکاوٹ نہ ہو ۔ کیا جنرل موسیٰ صاحب اس کا جواب دے سکتے ہیں ؟

چھمب کی کارروائی

اب ہم چھمب والی کارروائی کا جائزہ لیتے ہیں کہ کہا گیا کہ یہ ایک دفاعی ردِعمل تھا کہ بھارت فائر بندی والی لائن کی طرف پیش قدمی نہ کریں تو معاملہ ہی ختم ہوجاتا ہے کہ ہم نے جو پہل کار وہ ختم ہوگئی اب ہم دشمن کے اشاروں پر ناچ رہے تھے ۔ لیکن اگر یہ کارروائی "کشمیر کو فتح" کر کی گئی تو اس کے لئے بہتر بن جگہ جموں ، کٹھوعہ روڈ یا جموں تھے نہ کہ چھمب جوڑیاں ۔ لیکن "فتح" کرنے کے لئے تو ہم تیار نہ تھے اور نہ ہمارے پاس ایسے ذرائع تھے تو پھر یہ تمام لا مشق نہ تھی تو اور کیا تھا ؟

ہاں اختر ملک کا نام ہو رہا تھا کہ وہ کشمیر کے سوال کو "زندہ" کر رہا ہے ۔ پہلے گو اور اب حملہ کر دیا کسی نے یہ نہ سوچا کہ حملہ غلط جگہ سے کیا ۔ کہ میدانوں سے پہاڑوں کی پیش قدمی کرنا تھی ۔ چوڑا محاذ آگے سے تنگ ہو رہا تھا ۔

پوری حملہ آور نفری کا استعمال نہ ہو سکنا تھا ۔ شروع میں تو کامیابی ہونا تھی کہ علاق لیکن پھر کامیابی نے رک جانا تھا اور رک گئی ۔ بھارتیوں میں بہت افراتفری ہوئی ۔ اور ا وجہ یہ تھی کہ کارروائی حیران کن تھی ۔ اور اس سے پہلے بھارتی فوج نے حیدرآباد یا گوا کرلیا تھا ان پر توپخانہ کا فائر نہ ہوا تھا ۔ چین نے بھی فائر کم کیا ۔ ہماری چار کور آرٹلری نے کیا تو ان کے دل دہل گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے ۔ بھاگنے کا راستہ تنگ تھا تو افرا مچ گئی اور ہم خوش ہوگئے ۔ لیکن بھاگنے والوں کے بھاگ جانے کے بعد ایک مضبوط دل اکھنور کے علاقے میں بیٹھ جاتی تو پورے ڈویژن کو روک سکتی تھی اور بعد میں ایسا ہی ہوا

چھمب حملہ کے لئے موزوں جگہ تھی

کہتے ہیں کہ جنگ کو کشمیر اور اختر ملک تک محدود کرنا تھا اس لئے چھمب کے بغیر اور کوئی

مناسب نہ تھی۔ کیا ہم ایسا کر سکے۔ بعد میں ادھر ہی یحییٰ خان بھی پہنچ گئے۔ اگر حملہ صرف آزاد کشمیر بریگیڈ کرتا۔ اور پاکستانی بریگیڈ یا بکتر بند یونٹیں حملہ میں شامل نہ ہوتیں تو پھر بھی کوئی جواز تھا، کہ حملہ آور آزاد کشمیر کے لوگوں تک محدود تھے۔ لیکن پاکستانی فوج کی شرکت اگر چھپ نہیں سکتی تھی تو ایسا حملہ سیالکوٹ سے کیوں نہ کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ اس طرح سے میدانِ جنگ قادیان تک ہو جاتا اور کوئی قادیانی یہ نہیں چاہتا کہ ان کے "خانہ کعبہ" کے نزدیک جنگ ہو یعنی ان کے اثرات اتنے ہیں کہ جس طرح ۱۹۴۷ء میں ہمیں بیوقوف بنا رہے تھے ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھی بنا دیا اور ان کے آدمی یعنی اختر ملک کو پوری پاکستانی قوم اپنا "ہیرو" اور نجات دہندہ سمجھنے لگ گئی۔ اور ایسے لوگوں کے لئے راقم یہ کچھ کہہ سکتا ہے۔

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!!

اختر ملک کے پاس دو بریگیڈ تھے جن کے ساتھ حملہ کیا۔ چوتھی کور کا توپخانہ تھا۔ ایک رسالہ اور چھٹے بکتر بند ڈویژن سے تیز رفتار پیدل دستوں کی ایک کمپنی۔ اور پہلا حملہ بڑا کامیاب رہا۔ توپخانے کا صحیح فائر ۹ پنجاب اور ۸ بلوچ کے جوانوں کا جذبۂ جہاد اور آزاد کشمیر بٹالین کی چستی و پھرتی کام آئیں۔ اور میدانی علاقے کا دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا بھارتی ہوائی فوج مدد کو آگئی تو جواب میں نور خان خود گیا یا اس کی کمانڈ اور ہمارے پائلٹوں کا جذبہ تھا کہ پہلی ہی جھڑپ میں بھارتی ہوائی فوج کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ ہم ان سب پائلٹوں کو سلام کرتے ہیں

وہی ہے بندۂ حُر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری

غلط اندازہ

اب دفاعی ردِ عمل کے طور پر یہی کارروائی کافی تھی۔ لیکن ہماری نادانی کہ ہم نے اس کامیابی کو اتنا بڑا سمجھ لیا کہ ہم نے سمجھا کہ اس جگہ سے ہم کشمیر کو "فتح" کر لیں گے۔ بے شک ایسا ہو سکتا تھا بشرطیکہ ایک اور پیدل بریگیڈ وہاں موجود ہوتا۔ لیکن اس "فتح" کے لئے ہم نے ساتویں ڈویژن سے بریگیڈیئر عظمت کے بریگیڈ کو منگوایا جو لاہور کے نزدیک چھانگا مانگا کے علاقہ میں تھا۔

کہتے ہیں اس بریگیڈ نے دیر کر دی۔ اگر دیر نہ بھی کرتا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ اکھنور کے
علاقہ پر قبضہ ہو جاتا۔ یہی نہیں بلکہ چھٹے بکتر بند ڈویژن سے ایک اور رسالہ بھی منگوا لیا۔ لیکن جس
کامیابی کی امید کی جارہی تھی وہ نہ ہوئی۔ اور نہ ہوتی تھی کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ علاقہ تنگ
اور بھارتیوں کی پہلی افراتفری ختم ہو گئی تھی۔

یحییٰ خان کو اُوپر آنا تھا

اب یحییٰ خان کے پاس صرف ایک پیدل بریگیڈ رہ گیا تھا جو بکتر بند دستوں کی مدد کے لئے
تھا۔ انصاف کی بات یہ تھی کہ اس بریگیڈ کو وہاں رہنے دیا جاتا۔ اور یحییٰ "آرام" کرتے۔ یا اپنے
ہیڈکوارٹرلے کر چھمب آجاتے اور اختر ملک کی "فتوحات" کو سنبھالا دیتے۔ لیکن اس طرح وہ
پانچوں سواروں میں شمار نہ کئے جا سکتے تھے کہ اس کو بھی ہلالِ جرائت دینا تھا۔ اس لئے اپنے ایک
رسالہ کو وہاں چھوڑتے ہوئے یحییٰ بھی چھمب کی "فتوحات" میں شرکت کے لئے سرپٹ دوڑ پڑے
اپنے پاس ٹرانسپورٹ نہ تھی تو اپنے کرنل سٹاف خورشید ربّانی کی مدد سے دسویں ڈویژن کے
کرنل "بک" سے ٹرانسپورٹ مانگ لی۔ "بک" وہی ہے جو جنرل سرفراز کے ہیڈکوارٹر میں تھا
کا آدمی تھا۔ اور بریگیڈئر خورشید ربّانی بھی جنرل سرفراز، "بک" اور افتخار بشیر کی یونٹوں کا
تھا۔ لیکن میں یہ نہ کہوں گا کہ بریگیڈئر ربّانی، سرفراز کے خلاف کسی سازش میں شامل تھا۔ اس
نے یہ سب کچھ 'ضرورت' کے تحت کیا یا اپنے کمانڈر یحییٰ کا حکم مانا۔ چھمب جوڑیاں میں جا کر
یحییٰ نے کچھ بھی نہ کیا۔ ہاں اس علاقہ کی ذمہ داری اختر ملک سے لے لی اور یحییٰ کچھ زیادہ
کر بھی نہ سکتا تھا کہ جتنی فوج چھمب میں موجود تھی اس کی پیش قدمی کے لئے صرف ایک تنگ
راستہ ہے۔

غلط کارروائی اور المیہ

یہ ایک المیہ ہے۔ کہ چار بریگیڈ فوج چھمب کے علاقہ میں موجود ہے اور پیش قدمی نہیں ہو
رہی۔ حالانکہ ساتھ سکاؤٹس بھی ہیں، کچھ لشکر بھی متوقع ہیں۔ پوری کور آرٹلری کی امداد ہے۔ دو
رسالے بھی ہیں۔ یہی فوج اگر جموں کٹھوعہ کے کسی علاقہ پہ حملہ کرتی تو اس برِاعظم کی تاریخ مختلف ہوتی
لیکن وہاں قادیان میدانِ جنگ بن جاتا۔ جو اہلِ سازش" کو منظور نہ تھا۔

جوانوں کا جذبہ

جوانوں کا جذبہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح کسی چیز کو اپنی لپیٹ میں لے سکتے تھے لیکن افسوس پیش قدمی WIDE FRONT یعنی چوڑے محاذ پہ نہ ہو سکتی تھی اور پیش قدمی کا بڑا اصول مدِنظر نہ رکھا گیا۔ پھر دشمن ہم سے اونچا بیٹھا تھا اور ہماری ہر حرکت دیکھ رہا تھا۔ ہم اپنا سر پہاڑوں کے ساتھ پھوڑ رہے تھے۔ تو نہ یہ دفاعی ردِ عمل رہ گیا۔ نہ فتح کی پیش رفت۔ اور دو بڑے نقصان بھی کرا بیٹھے۔ پہلے بکتر بند دستے کے ساتھ جو ایک پیدل بریگیڈ رہ گیا تھا اس کو بھی غلط جگہ لے آئے۔ اور لاہور والے ڈویژن کے پاس ٹرانسپورٹ ختم ہو گئی تھی۔ ان کے جوانوں اور سامان کو محاذ پر لے جانے کی جو دقتیں ہوئیں ان کا ذکر بعد میں ہو گا۔ اور ہم لاہور چھاؤنی میں آرام سے بیٹھے تھے کہ خبردار محاذ پر مت جائیں۔ ماں بارکوں کی چھتوں پر مشین گنیں لگا دیں کہ شاید بھارتی ہوائی جہاز حملے کریں۔ ہم محاذ پر جا کر پاک و بھارت جنگ کا سبب نہیں بننا چاہتے۔ وزارتِ خارجہ کے سخت احکام ہیں کہ ہم محاذ پر جا کر ان کے کشمیر کے مسئلہ کو حل کرانے میں رکاوٹ نہ بنیں۔ ایسا کیوں تھا جنرل موسٰے ہی جواب دے سکتے ہیں۔

ذمہ داری موسٰی پر ہے

اختر ملک اور یحییٰ نے جو کچھ کیا یہ سب جنرل موسٰے اور بریگیڈیئر گل حسن کی مرضی سے ہو رہا تھا۔ اس لئے جہاں قارئین اختر اور یحییٰ کا قصور سمجھیں تو اس میں جی ایچ کیو کو بھی شامل کر دیں۔ کیا سازش اتنی گہری تھی کہ وزارتِ خارجہ والے جی ایچ کیو کو بے وقوف بنا رہے تھے؟ لُطف کی بات یہ ہے کہ اختر اور یحییٰ کے مفادات کی "نگہبانی" بھی ہو رہی تھی۔ حالانکہ دونوں ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے۔ لیکن یاد رہے کہ بھٹو کے دونوں دوست تھے۔ اور سازش کے سرغنے کئی گھوڑے میدان میں رکھتے ہیں۔ بھٹو اپنی جگہ دونوں کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا تو ان کے مفادات کی "نگہبانی" کی طرف بھی اس کا دھیان تھا۔ یحییٰ تو جنرل ایوب اور محمد موسٰے کا خاص آدمی تھا۔

بھارتیوں کی سوچ

اب بھارت والے کیا سوچ رہے تھے وہ ہم ان کی کاروائیوں کی مدد سے بیان کرتے ہیں ان کی فوج کی نفری ہم سے تین گنا ضرور تھی اور کشمیر میں اختر ملک کی ہر کارروائی کو وہ روک چکے تھے

لیکن دفاع سے لڑائی نہیں جیتی جا سکتی۔ اس لئے انہوں نے صرف کشمیر محاذ پر دفاعی احکام ر
پھر ان کی محاذوں کی بانٹ ہم سے مختلف تھی کشمیر کے بعد جموں سے کٹھوعہ روڈ سے گورد
کا علاقہ ان کی متوقع جارحانہ کارروائی کا علاقہ تھا جہاں پر وہ اپنے بکتر بند ڈویژن کے علاو
ڈویژن اکٹھے کر چکے تھے۔ جسڑ سے لے کر لاہور شامل اور روہیوال تک جنرل ہربخش ر
تین ڈویژن کی کور تھی اور اس کی مدد کے لئے کچھ فالتو بکتر بند دستوں کے دو بریگیڈ تھے کرا
والے وہاں کوئی حملہ کریں تو اس کو کھیم کرن کے علاقے میں روک دیں۔ فیروز پور اور فا
الگ سیکٹر تھا۔ اور سندھ میں بھی الگ سیکٹر تھا۔

بھارتی فوج کی تعیّناتی

بھارت والوں کے سیکٹر یا ذمہ داری کے علاقے ہمارے محاذوں سے کچھ مختلف تھ
ے علاقے کا ذکر ہو چکا ہے کہ الگ کمانڈ تھی۔ لیکن بھارت کے دو اہم سیکٹر تھے۔ جہاں سے جا
کارروائی ہونا تھی۔ اوّل ہربخش سنگھ کی کور تھی جس میں تین ڈویژن سے زیادہ فوج اور دو
کے قریب بکتر بند فوج تھی۔ اس کا علاقہ ہمارے قصور محاذ کے روہیوال، کھیم کرن سے شروع
لاہور کے بری محاذ واہگہ شامل سے سیالکوٹ کے جسڑ محاذ تک تھا۔ ایک ڈویژن فوج اور بکتر بند د
ہڈیارہ سے لے کر روہیوال کے محاذ پر تھے۔ جنہوں نے پہلے دن حملہ کر کے ہمیں اُلجھا دینا تھا۔
بھارتیوں کو معلوم تھا کہ ہمارے بکتر بند دستے قصور کے محاذ کے پیچھے ہیں۔ اس لئے بھارتیو
وہاں جارحانہ دفاع اپنانا تھا۔ سیالکوٹ کے جسڑ محاذ پر آگے ایک بریگیڈ کی نفری تھی اور وہا
بھی حملہ کر کے ہمیں اُلجھا دینا تھا۔ ہربخش سنگھ کی فوجوں کا بڑا حملہ البتّہ واہگہ محاذ سے ہو کر شالا
پر قبضہ کرنا تھا۔ اور پھر لاہور شہر سے باہر شمال کی طرف سے جاتے ہوئے راوی پل تک پ

بھارتیوں کی تجویز

اگر لاہور پر حملہ پورا کامیاب نہ بھی ہوتا تو جارحانہ کارروائیاں جاری رکھنا تھیں۔ اور بھا
بڑا حملہ سیالکوٹ محاذ پر چونڈہ سے آگے نکل کر سمبڑیال ہوتے ہوئے گوجرانوالہ یا وزی
پر قبضہ کرنا تھا۔ اور بھارتیوں کی تجویز میں کوئی کمی نہ تھی۔ اور ان کے پاس اس تجویز

کرنے کے لئے فوج بھی موجود تھی اور ہم اپنے حملہ والی تجویز کو پہلے ہی ختم کر بیٹھے تھے ۔ کہ ہمارے پاس تجویز کو مکمل کرنے کے لئے نہ قصور میں پیدل افواج تھیں نہ لاہور میں اور نہ سیالکوٹ یا چھمب جوڑیاں میں اور نہ ہی کشمیر میں اتنی فوج تھی کہ کسی جگہ ہم کامیاب ہو جاتے تو یہ افواج وادی سرینگر یا وادی پینڈھر میں داخل ہو جاتیں۔

بات سیدھی یہ ہے کہ ہم ہر محاذ پر لڑ پڑنے کی تیاری تو کئے ہوئے تھے لیکن قومی جنگ کی ضرورتوں سے ہمارے اوپر والے بھی اتنے ہی نابلد تھے جتنی کہ ہماری قوم اور راقم از خود۔ یہ تو واقعات نے اس راقم کو مجبور کر دیا کہ ان حالات کا مطالعہ کرے اور پھر اس سلسلہ میں ۱۹۶۹ء سے میں نے اوپر والوں کی توجہ اس طرف دلائی کہ ہم نہیں جانتے کہ جنگ کیا ہے

بے چارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
بُرے پہ اگر فاش کریں قاعدۂ شیر!

اپنی فوج کی بانٹ اور تجویزات اور بھارت کی فوج کی بانٹ اور ارادوں کا مختصر جائزہ اور چھمب جوڑیاں کی لڑائی کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہم ستمبر ۶۵ء کی جنگ کی طرف بڑھ رہے ہیں اور ہر محاذ کا باری باری ذکر کریں گے لیکن زیادہ تفصیل قصور محاذ کی ہوگی جہاں پر ہم نے حملہ کیا۔ اور سب سے پہلے واہگہ محاذ کا ذکر ہوگا جہاں پر بھارت نے حیران کُن کارروائی اور حملہ کرنا تھا۔ اور اسی طرح سیالکوٹ محاذ کا ذکر ہوگا کہ اس سے پہلے ان لڑائیوں کے حالات کو کسی ایک آدھ زاویہ سے بیان کیا گیا ہے۔ ہم پورے جائزے اور تبصروں کے ساتھ واقعات کے تانے بانے ملائیں گے۔ اور اے رب العالمین! مجھے توفیق دے کہ میں حق بات کہوں۔

تو اے مولائے یثربؐ آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی میرا ایماں ہے زناری

اُمید واثق ہے کہ قوم کو اب تاشقند کے اصلی رازوں کی سمجھ آنا شروع ہو گئی ہوگی۔

لاھور میں بے فکر بیٹھے تھے

یکم ستمبر ۶۵ء کو ہم لاہور میں آرام سے بیٹھے تھے۔ اور باقی لوگ تو چھاؤنی میں تھے ہماری پلٹن لاہور شہر میں تھی، یعنی برڈووڈ بیرک میں کہ ہماری ذمہ داری مقبول پورہ کے علاقہ میں تھی

اور ہم دریائے راوی کا پُل پار کرکے شاہدرہ والے راستے، اپنی ذمہ داری کے علاقے پر تھے۔ دو یا تین ستمبر کو حکم ملا کہ بارکوں میں رہنے کی بجائے کچھ پھیلاؤ اختیار کرلیں کہ اگر بھارت اچانک بمباری کریں تو کم نقصان ہو۔ اگر بھارت والے بمباری کرسکتے ہیں تو وہ محاذ پر حملہ کرسکتے ہیں۔ تو جواب ملتا ہے، نہیں بھارتی فوجیں محاذ سے دُور ہیں۔ جب وہ آگے بڑھیں گی ہم بھی آگے بڑھ جائیں گے۔ اگر ہم نے لاہور کے محاذ سے حملہ کرنا ہوتا تو ایسی تجویز میں کوئی لیکن ہم نے دفاع کرنا تھا۔ اس لئے اگر بین الاقوامی طور پر کوئی ڈر تھا بھی اور ... بھی تھا تو سویلین کپڑوں میں چلے جاتے۔ پھر اگر بین الاقوامی ڈر زیادہ تھا تو آخر پانچ ستمبر کی رات کو دیکھ بھال اور روشنی کے بعد محاذ پر جانے کی کیوں اجازت دی گئی۔ جنرل صاحب اپنی کتاب میں نہ اس بات کا جواب دیتے ہیں اور نہ رکاوٹوں کے ختم کرنے کا اور کے چوتھے حصّے کے چھٹی پر ہونے کا۔

کیا ہم چوکنّے تھے؟

ہاں جنرل موسیٰ صاحب کہتے ہیں کہ ہم "چوکنّے" تھے اور انہوں نے دو یا تین ستمبر کو دے دیا تھا کہ خبردار چوکنّے رہو۔ اور وہ "سرخرو" ہو جاتے ہیں۔ اس سگنل کی کہانی وہ بتاتے ہیں کہ "ہم شام کے وقت جی ایچ کیو میں بیٹھے تھے (جس کا ذکر موسیٰ صاحب کی سواروں میں شمولیت کے تحت ہوچکا ہے) کہ کسی نے ریڈیو لگا دیا کہ بھارتی ریڈیو کہہ رہا شاستری کہتا ہے کہ ہم بھی ایک اور محاذ کھول دیں گے۔" جنرل صاحب کہتے ہیں کہ یہ کر میں تاڑ گیا کہ بھارتیوں کی نیت میں "فتور" ہے۔ اس لئے میں نے حکم دیا کہ سب کو سگنل دے چوکنّا کردیں۔ اب اوّل تو اس بیان پر از خود جتنا بھی ہنسیں تھوڑا ہے۔

اے رہروِ فرزانہ بے جذبِ مسلمانی
نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقیں نمناک

اب موسیٰ صاحب کمانڈر انچیف تھے تو لوگ یہ بات سن کر خاموش ہو جاتے تھے۔ ورنہ اگر کوئی کمانڈر ایسی بات کرتا تو لوگ کہتے کہ اچھا خبریں حاصل کرنے کا آپ کا یہ طریقہ ہے تو کروڑوں جو مخبروں پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ ان کو کسی بہتر کام پر لگاؤ۔

کیا جنرل موسیٰ یہ نہ سمجھتے تھے کہ رَن آف کچھ کے چند ٹیلوں کے لئے تو ساری فوج گرمی کے تین ماہ باہر مورچوں میں سڑتی رہے اور اب چھمب کی پیش قدمی اور جہازوں کی جنگ کے باوجود اب اپنی فوج کو صرف چوکنا کر رہے ہیں۔ یہ حکم نہیں دے رہے کہ محاذ پر چلے جاؤ اور مورچے سنبھالو رکاوٹیں بناؤ۔ وغیرہ۔

جنرل موسیٰ کے سگنل کی کہانی

لیکن بہتر ہوگا کہ جنرل موسیٰ کے سگنل کے ساتھ ساتھ چلیں کہ اس پر کیا کارروائی ہوئی۔ ہم صرف لاہور کا ذکر کریں گے کہ جی ایچ کیو کا یہ سگنل لاہور ڈویژن کے ڈیوٹی افسر میجر ملک کو ملا۔ جو آرڈننس برانچ کے تھے اور انہوں نے اس بات کو "اہم" سمجھتے ہوئے یہ سگنل ڈویژن کے کرنل سٹاف کرنل افضل کے پاس بھیج دیا۔ جنہوں نے اس کو پڑھ کر اس پر دستخط کئے اور سگنل واپس کر دیا۔ میجر ملک نیک اور سادہ آدمی تھے۔ وہ اس سگنل پر کچھ کارروائی کی اُمید رکھ رہے تھے۔ اس لئے ان کو خیال آیا کہ کرنل سٹاف نے یہ بات نہ سمجھی یا گھر میں کسی اور موڈ میں تھے تو انہوں نے کرنل افضل کو فون کر دیا اور عرض کی کہ "جناب اس اہم سگنل پر کچھ کارروائی کی جائے"۔ کرنل افضل نے کہا کہ تم آرڈننس کے ہو اور تمہیں معلوم نہیں کہ لڑائی کیا ہوتی ہے۔ ہم کو جتنا چوکنا ہونا چاہیئے ہم اتنے چوکنے ہیں۔ آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ باقی ہم پر چھوڑ دیں۔ یعنی ابھی اوپر سے یہ احکام نہ ملے تھے کہ محاذ پر جاؤ۔ اور بارکوں میں یا چھاؤنی میں بیٹھے ہم چوکنے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ وزارتِ خارجہ کے "اثرات" بہت گہرے تھے۔ اور کرنل افضل تو ویسے بھی بریگیڈیئر گل حسن کے ساتھ نوکری کر چکے تھے وہ حالات سے زیادہ "واقف" تھے۔

میجر ملک البتہ کچھ زیادہ ہی مخلص تھے اور ان کی اندرونی آواز یا مومن کی فراست ان کو کہہ رہی تھی کہ بات کو کسی اور طرف سے آگے بڑھاؤ۔ اس لئے انہوں نے یہ سگنل دوسری صبح جی ون کرنل افتخار بشیر کو جا کر دکھایا۔ اور انہوں نے یہ سگنل جنرل سرفراز کو دکھایا جنہوں نے حکم دیا کہ جی ایچ کیو میں ملٹری آپریشن ڈائریکٹوریٹ یعنی بریگیڈیئر گل حسن کے محکمہ کے ساتھ بات کی جائے تو جواب ملا کہ یہ سگنل کسی ڈیوٹی افسر نے جنرل موسیٰ کے کہنے پر دے دیا۔ باقی جہاں تک ہمارے احکام ہیں وہ قائم ہیں یعنی ۵/۶ ستمبر آدھی رات کے بعد دیکھ بھال کے لئے آگے جا سکتے ہو اور زیادہ فوج دن چڑھے

آگے جائے۔

تبصرہ

تو تبصرہ یہ ہے کہ جنرل موسیٰ اگر فوج کو چوکنا کرنا بھی چاہتے تھے یا کوئی کارروائی کروانا چاہتے
تو چیف آف دی جنرل سٹاف اور بریگیڈیئر گل حسن کے ساتھ پوری بات کرتے اور باقاعدہ احکام
جاتے کہ آگے والے کیا کارروائی کریں۔ جنرل موسیٰ صاحب کا یہ سگنل پیچ و خم کا الجھاؤ تھا۔

اپنی حکمت کے پیچ و خم میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

ذاتی حالات

میرے لئے حکم تھا کہ میری تبدیلی مردان سنٹر میں ہو چکی تھی۔ اور گو میں نے اس کے خلاف
درخواست دے دی تھی۔ لیکن میعاد پوری ہو گئی تھی اور مجھے حکم مل گیا تھا کہ مردان روانہ ہونے کو تیار
ہو جاؤ۔ میں اُنکا ہی کر رہا تھا کہ ہمارے کرنل گول والہ کو اُوپر سے بُلاوا آگیا اور میں بھی سا
چل دیا۔ وہاں احکام ملے کہ تجویز میں تبدیلی ہو گئی ہے جہاں پر ہم پہلے تھے، وہاں اب صرف ایک کمپنی
ہمارے سیکنڈ اِن کمانڈ کے تحت جائے گی۔ اور باقی کام مجاہدوں سے لیں گے۔ ایک کمپنی پہلے طریقہ
مطابق گیارہ بلوچ کو دے دیں گے۔ ایک کمپنی تین بلوچ کو دے دی جائی۔ اور بٹالین ہیڈ کوارٹر
ایک کمپنی کے ساتھ بریگیڈ کے ریزرو کا کام کرے گی اور باٹاپور روڈ سے شمال میں سڑک اور
بھیانی پل کے درمیان بی آر بی کے پیچھے تقریباً ڈیڑھ میل جگہ پر پوزیشن میں ہو گی۔ یعنی جو کام
پہلے کرتے رہے وہ نہیں کریں گے۔ کہ پیدل فوجی کی کمی کی وجہ سے ذمہ داریاں تبدیل کر دی گئی ہیں
اب پیشہ ور فوجی ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہماری پلٹن کا کتنا نقصان ہوا۔ لیکن ایک فائدہ بھی ہو
گیا جس کا ذکر بعد میں ہو گا۔

محاذ پر جانے کے احکام

بہر حال حکم ملا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔ سورج غروب
ہونے کے بعد دیکھ بھال والے لوگ یا ایڈوانس پارٹی جا سکتی ہے۔ باقی لوگ پَو پھٹنے کے وقت
آگے جائیں۔ اس سے پہلے نہیں جا سکتے۔ ہم لوگوں نے گزارش کی کہ یہ عجیب و غریب احکام ہیں۔ دیکھا

روشنی میں ہو سکتی ہے کہ علاقہ دیکھ کر گائیڈ لگا دیئے جاتے ہیں۔ اور زیادہ فوج (MAIN BODY) اندھیرے یعنی پوشیدگی میں اپنی جگہ لیتی ہے۔ ان اصولوں کو کیوں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ تو بتایا گیا کہ آج رات لاہور میں ایک امریکن ادارے کے ہاں ایک بہت بڑی پارٹی ہو رہی ہے۔ اس میں شرکت کے لئے کچھ امریکن افسر بھارت سے آرہے ہیں۔ وہ ہماری فوج کی حرکت یا فوج کو دیکھ کر کہیں گے کہ پاکستان خود بخود بھارت کے ساتھ بھرپور جنگ کے لئے تیار ہو رہا ہے اور بین الاقوامی طور پر ہمارا "مقدمہ" کمزور ہو جائے گا کہ ہم جنگ کو کشمیر تک محدود کرنا چاہتے ہیں۔

عجیب وغریب منطق

ہمیں یہ "منطق" تو سمجھ نہ آئی۔ لیکن عرض کی کہ جناب یہ احکام ان لوگوں کو دیں جنہوں نے واہگہ سڑک کے اردگرد پوزیشن لینا ہے، ہم سے کیوں رات کے اندھیرے میں حادثے کراتے ہیں ہمیں تو اپنے علاقہ میں جانے دیں۔ یہ بات کرنل افتخار بشیر کو پسند آگئی۔ اس نے جنرل سرفراز سے بات کی، جس نے کہا کہ جی ایچ کیو میں ملٹری اپریشن سے بات کر لو۔ اور افتخار بشیر نے جب فون کیا تو آگے سے کرنل اسلم (HAPPY) ملے جو میرے پرانے پلٹن وال تھے۔ وہ کہنے لگے کہ یہاں افراتفری ہے۔ اگر ہم نے وزارتِ خارجہ سے پوچھا تو وہ کبھی بھی اجازت نہ دیں گے کہ جو کچھ احکام دیئے گئے ہیں۔ ان میں تبدیلی کی جائے۔ لیکن آپ لوگوں کا خیال صحیح ہے۔ اور اس میں آپ اپنی مرضی (Discreation) استعمال کر لیں۔ لیکن یہ خیال کر لیں لاہور، واہگہ روڈ پر سورج غروب ہونے سے رات کے نو بجے تک کوئی فوجی نظر نہ آئے کہ امریکن مہمان اُدھر سے آئیں گے اور ان کو کوئی شک نہ پڑے۔ کرنل افتخار بشیر نے ہمیں کہا کہ آپ لوگوں کی خواہش پوری ہو گئی۔ لیکن کوئی جمگھٹ نہ بنانا۔ ایک ایک کر کے گاڑیاں بڑھانا" راقم یونٹ کا ٹرانسپورٹ افسر بھی تھا۔ اور جس طرح ہماری پلٹن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا تو ہمیں کافی گاڑیاں چاہیئے تھیں۔ میں نے ڈویژن سے گاڑیاں مانگیں تو جواب ملا کہ شام کے پانچ بجے تک کچھ گاڑیاں مل جائیں گی۔ وہاں ہی ٹرانسپورٹ یونٹ کا میجر صادق اور میرا پرانا ہانڈیوال کھڑا تھا۔ وہ مجھے ایک پوشیدہ جگہ پر لے گیا اور کہنے لگا "گاڑیوں کی امید مت رکھو۔ اپنی گاڑیوں سے گزارہ کرو۔ ہماری گاڑیاں چھمب جوڑیاں چلی گئی ہیں۔ اور شاید کل واپس آویں۔"

کیا ہم محاذ پر تھے ؟

اب جو لوگ "پھوکنے" تھے اور کہتے ہیں کہ ہم محاذ پر تھے تو قوم ان سے پوچھے کہ کیا وہ اس طرح "پھوکنے" تھے ؟ ذاتی واقعات اور مشاہدات بہت نچلی سطح پر ہیں اور ایسے ہی مشاہدات یا تجربات کئی افسروں اور جوانوں سے وابستہ ہوں گے ۔ لیکن ان سب کی گنجائش یہاں نہیں ۔ ہم اپنے کلیہ اور جائزوں کی صحیح شہادت عینی شہادت سے کرنا چاہتے ہیں ۔ اس لئے یہ سب لکھ رہے ہیں ۔

اللہ کے راز

اب اللہ تعالےٰ کے راز نرالے ہیں ۔ راقم نے چونکہ مردان جانا تھا ۔ اس لئے چار ستمبر کو مقبول پور، کالا خطائی اور متعدد علاقوں کے سویلین مجاہدوں سے رابطہ کا کام کپتان ظہور رانا کے حوالے کر آیا تھا ۔ اس سارے علاقہ کی ذمہ داری پوری پلٹن کی بجائے ہمارے سیکنڈ اِن کمانڈ میجر غلام حسن (بعد میں جنرل سابقہ وزیر پیداوار) اور کپتان (اب جنرل) محمد صفدر کی ایک کمپنی کے دی گئی تو وہ لوگ مجھے بھی ساتھ اس محاذ پر لے جانا چاہتے تھے ۔ لیکن کرنل گول والہ کہنے لگا کہ وہ پلٹن میں نیا ہے اور اس کو راقم کی ضرورت ہے ۔ اس لئے اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھا کہ میں نے واہگہ محاذ کی بھرپور جنگ میں حصہ لینا تھا ۔ اس نے سب افسروں پر واضح کر دیا کہ ٹرانسپورٹ کم ہے ۔ گو ڈویژن ہیڈکوارٹر نے وعدہ کیا ہے ۔ لیکن وہ ٹرانسپورٹ چھپ گئی ہوئی ہے ۔ زیادہ ٹرانسپورٹ میں، میجر غلام حسن اور کپتان محمد صفدر کو دے رہا ہوں ۔ اس کے بعد میجر مبارک شہید کو جس نے گیارہ بلوچ میں جانا ہے اور کپتان ظفر کو جس نے تین بلوچ میں جانا ۔ سب سے کم ٹرانسپورٹ میجر نذیر گل اور اپنے لئے رکھ رہا ہوں کہ ہم نے اکٹھا جانا ہے اور واہگہ روڈ کو استعمال کرنا ہے میں سورج غروب سے بہت پہلے وہاں پہنچ جانا چاہتا ہوں ۔ ڈویژن ہیڈکوارٹر کا حکم ہے کہ رات نو بجے سے پہلے کوئی بڑی حرکت نہ ہوگی ۔ اس لئے بہتر ہے کہ دن کے وقت چھوٹے چھوٹے گروہوں میں نکل جائیں ۔ اور نو بجے کے بعد آہستہ آہستہ آگے نکلیں کہ گاڑیوں کے کئی چکر لگانے پڑیں گے ہاں البتہ میں خود بعد دوپہر جلدی سے ظہر کی نماز ادا کر کے چل پڑوں گا ۔ اور پھر میں نے اپنے گروہ کو احکام دیئے اور کرنل گول والہ کو کہا آپ جب چاہیں آ جائیں آپ کو فلاں مقام پر گائیڈ ملے گا ۔

ذاتی کارروائی

راقم اس کے بعد گھر گیا جو پرانی انارکلی میں تھا ۔ وضو کیا اور داتا صاحب کے دربار پر حاضر ہوا

پہلے محاذ پر جانے کے لئے وہی راستہ استعمال کرتا تھا لیکن اب ذمہ داری تبدیل تھی تو وہاں حاضری دی۔ اور یونٹ میں واپس آیا۔ اسلامی طریقہ سے دعائے خیر پڑھی۔ سلطنتِ عثمانیہ کے رواج کے مطابق قرآن کو اوپر اٹھایا۔ اور سب محاذ پر جانے والوں کو بتایا کہ قرآن پاک کے نیچے سے گزریں اور باقیوں کو ہدایات دیں کہ وہ بھی ایسا کریں۔ ساتھ ہی باقی محاذ پر جانے والے افسروں کے سردار صاحبان کا بتایا کہ ڈویژن ہیڈکوارٹر کا حکم ہے کہ ہم بالکل ایک ایک کر کے جائیں یا رات کے نو بجے کے بعد جائیں آپ جہاں سے گزریں اگر لوگ پوچھیں کہ کیوں جا رہے ہو یا ملٹری پولیس والے چیک کریں تو ان کو کہنا کہ ہمارے پاس ٹرانسپورٹ کی کمی ہے اور راستہ لمبا ہے۔ تو میجر صاحب نے کرنل افتخار بشیر سے اجازت لے لی ہے یہ آخری بات صحیح تو نہ تھی۔ لیکن میں خود نہیں جانتا کہ میں ایسا کیوں کر رہا تھا۔ اور قارئین اپنے تبصرے آپ کر لیں۔ کہ چند "مہمانوں" کی آمد سے ہم اتنے ڈر رہے تھے کہ بروقت دفاع بھی اختیار نہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میجر عارف جان جس نے باٹا پور اور آگے واہگہ کے درمیان سکرین یا "پردے" کا کام کرنا تھا۔ اس کو آگے جانے کے لئے آدھی رات کے بعد اجازت تھی۔ اور جیسے ہی اکا دکا کر کے وہ وہاں پہنچے دشمن نے ان کو شہید کر دیا۔

لاہور کا دفاع

لاہور کا دفاع اس طرح تھا کہ راوی سائفن سے پدھری تک واہگہ محاذ پر بریگیڈئر آفتاب کا بریگیڈ تھا اور پدھری سے "ہڈیارہ سائفن" کے کچھ دائیں تک بریگیڈئر اصغر کا بریگیڈ تھا۔ دراصل ہڈیارہ سائفن نہ تھا بلکہ "اکاڈٹ" تھا کہ نہر اوپر سے گزرتی تھی اور ہڈیارہ نالہ نیچے سے گزرتا تھا۔ لیکن غلط العالم نام نے بعد میں کئی الجھنیں ڈالیں۔ لاہور ڈویژن کا تیسرا بریگیڈ قیوم شیر کا تھا۔ جس میں ایک پلٹن باقی رہ گئی تھی اور ایک رسالہ۔ یہ لوگ ریزرو تھے اور ان کا کام جوابی حملہ تھا۔ ان لوگوں کو کسی تیاری کا حکم نہ ملا اور یہ لوگ چھ ستمبر کی صبح کو پی ٹی کر رہے تھے۔ ان کے توپخانے کے کرنل گلزار اور میرے دیرینہ دوست نے کئی دفعہ تسلیم کیا کہ وہ آرام سے گھر میں ناشتہ کر رہا تھا کہ اس کو ایجوٹنٹ نے بتلایا کہ جنگ چھڑ گئی ہے بریگیڈئر قیوم شیر گھر پر ہی نہ مل رہا تھا اور بقول ڈاکٹر علی محمد اس کی تلاش جاری تھی۔ ۱۸ بلوچ کو سورج چڑھے جب آگے جانے کا حکم ملا تو ان کا ایک افسر ہسپتال میں خون کا عطیہ دے رہا تھا۔ اور اس کو وہاں سے لانا پڑا۔ اب قارئین سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایک انکوائری ہو جائے اور

سب قصور واروں کو تہ برے چڑھا دیئے جائیں کہ دشمن چھ ستمبر صبح سحری کے وقت حملہ آور ہو
بلکہ بعض جگہوں پر انہوں نے آدھی رات کے بعد ہماری سرحد کو عبور کر لیا۔ اور ہم نے اس دن
کے بعد چھاؤنی سے نکلنا تھا۔ یہ تو مشیتِ ایزدی سے ہم نے اجازت مانگی اور کرنل اسلم نے کہا کہ
"اختیار" بھی استعمال کرلو۔ تو ہم میں سے کچھ نے ذرا زیادہ اختیار استعمال کر لیا۔ وہ کیسے۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی

اللہ تعالیٰ کے عجیب رنگ ہوتے ہیں۔ ہماری یونٹ ٹکڑے ٹکڑے تو ہو گئی۔ اس لئے ستمبر
کہ ہماری یونٹ کے یہ "ٹکڑے" تقریباً ہر یونٹ سے گزرے۔ لوگوں نے پوچھا تو وہی جواب دیا۔
نے کہا کہ اندھیرے کی بجائے روشنی میں سفر جلدی ہوتا ہے۔ پوری رات افراتفری میں گزارنے کی بجا
رات "نیلے تنبو" تلے آرام سے سو جائیں گے۔ چنانچہ دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی محاذ کی طرف چلنا شروع
دیا۔ اور بریگیڈیئر آفتاب نے اپنی آگے والی دونوں پلٹنوں کو کچھ پہلے سے کہہ دیا تھا کہ سویلین کپڑوں میں
محاذ پر موجود رہیں۔ اور کچھ تو پکانے والے بھی موجود تھے۔ لیکن اگر کوئی اوپر والا یہ کہے کہ لاہور کے محا
فوجیں مورچوں میں تھیں تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔

سورج ابھی کافی پڑا تھا کہ گیارہ بلوچ کا کرنل اقبال قریشی مجھے آکر ملا کہنے لگا "میں یونٹ میں گیا۔
لوگ آگے حرکت کر رہے تھے۔ بریگیڈ سے ملاپ کیا۔ وہاں سے کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ میں محاذ پر
پڑا۔ کیا کوئی نیا حکم ملا ہے؟" جواب دیا "نہیں۔" "بہتر ہوتا ہے کہ بر وقت پوزیشن لے لیا جائے"، کہنے لگا
"آگے بھیانی کے نزدیک کپتان مسعود ہے۔ اس کو جا کر ہدایت دیتا ہوں کہ لوگ آرہے ہیں کہ راستے
ٹھیک کر دے۔" میں نے کہا "مسعود کو کہنا کہ تمہارا لالہ تمہیں سلام دیتا ہے شکر ہے تو میرے آگے ہے
میں آج رات آرام سے سو سکوں گا" مسعود میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح تھا اور ہے کہ اس کے سا
چوبیس سال کی دوستی تھی۔ ایک تو مسعود کو میرا اس محاذ پر آنا عجیب لگا۔ پھر جب پیغام سنا تو کہ
لگا دل میں خیال آیا۔ پوری قوم سو رہی ہے۔ شاید دشمن حملہ کر دے۔ اس لئے سڑکیں بنانے کی بجا
اپنے جوانوں کو اگلے محاذ پر پھیلا دیا کہ بغیر مورچوں کے چپہ چپہ کا دفاع کرو۔ وقت ملا تو مورچے کل صبح
میں کھود لیں گے۔

ہمارا کرنل بھی پہنچ گیا

تھوڑی دیر کے بعد ہماری پلٹن کا کرنل لول والہ بھی محاذ پر پہنچ گیا۔ اور میں انہی گاڑیوں کو واپس دریا تھا کہ جتنے پھیرے لگا سکتے ہو لگاؤ اور بارود وغیرہ سب آگے لے آؤ۔ اور یہی کچھ سب یونٹیں کر رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کسی غیبی آواز کی مدد سے ہمیں محاذ پر بھیج رہا تھا۔ میں نے ایک دو سمجھدار عہدیدار تھانہ مناواں بھیج دیئے تھے جو نزدیک ہی تھا کہ دیکھتے رہیں کہ یہ "معزز مہمان" کب وہاں سے گزرتے ہیں کہ اس کے بعد زیادہ تیزی سے پھیرے لگائے جائیں گے۔ یہ "مہمان" سورج غروب ہونے کے بہت بعد تھانہ مناواں کے پاس آ کر رک گئے۔ کچھ بات چیت گئی۔ اور پھر ایک جیپ واپس واہگہ کی طرف مڑ گئی اور دو جیپیں وہیں رہ گئیں۔ اس وقت ہماری بلا سے ہم نے ان کے بارے کچھ نہ سوچا۔ اور شکر کیا کہ "خلاصی" ہوئی۔

ہمارے یہ مہمان کون تھے؟

لیکن یہ تو بہت دیر بعد سمجھ سکے کہ ان جیپوں کے ڈرائیوروں میں کوئی فوجی افسر تھا۔ جو تھانہ مناواں سے واپس گیا۔ اور کہتے ہیں کہ اس رات نو بجے، امرتسر میں جنرل ہربخش سنگھ کو رپورٹ دی کہ پاکستانی فوجیں محاذ پر نہیں۔ اور ہربخش سنگھ نے یہ خبر جنرل چودھری کو دی۔ اسی وقت دہلی میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں چودھری، چاون اور گلزاری لال نندہ نے بڑی مشکل کے ساتھ شاستری کو جنگ میں "دھکا" دے دیا۔ اور فوجوں کو حکم دیا کہ تجویز کے مطابق حملہ کیا جائے۔ البتہ پہلے مرحلے میں حملہ بھی ہربخش سنگھ کی کور کے محاذ پر تھا تو اس کی فوجوں نے پو پھٹنے کے ساتھ ہمارے سیالکوٹ محاذ پر چاجسٹر کے مقام پر سارے لاہور کے محاذ پر، قصور کے محاذ پر روہیوال کے مقامات پر حملے کئے۔ جن کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ یہ اس لئے ہو سکا کہ ہربخش سنگھ "چوکنا" تھا کہ اس نے خبر حاصل کرنا تھی۔ اور اس نے اپنی فوجوں کو حملہ کی تیاری کا حکم پانچ ستمبر کو دے دیا تھا۔

خیر چھب جوڑیاں یا کشمیر کے محاذ پر تو جنگ جاری تھی اور ان لوگوں کو تو صرف بتا دیا گیا ہوگا کہ اب پاک و بھارت جنگ شروع ہو گئی ہے۔ اور باقی کمانڈروں کو بھی بتایا۔ لیکن وہاں آدھی رات کے وقت تک خبر اگلے مورچوں تک نہ پہنچ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ سیالکوٹ کے محاذ پر سچیت گڑھ کے مقام پر بھارت کا سنتری پگڑی باندھے سڑک پر چھ ستمبر کو کافی سورج چڑھے تک کھڑا تھا۔ یہی حالت قصور محاذ کے سامنے

حسینی والا پر تھی۔ اور سلیمانکی والی پکٹ کو تو دن کے دس بجے ہمارے لوگوں نے گھیرا ڈال ک

وزارتِ خارجہ کی سازش

توکیا وزارتِ خارجہ ہمیں اس لئے محاذ پر نہ جانے دے رہی تھی کہ شاستری، جنگ میں ن
تھا۔ اور لاہور پر قبضہ کراکے فوج کو بدنام کرانا تھا۔ خاص کر جنرل سرفراز کو۔ تاکہ ایوب خان، مو
اور سرفراز سب کی ایک دن چھٹی ہو۔ اور کمانڈ سویلین بھٹو کو ملے جو یحییٰ کو کمانڈر انچیف بنائے یا
کو۔ اور بھارت کے ساتھ شملہ سمجھوتہ ۱۹۶۵ء میں ہو جاتا۔

لاھور کے کمانڈر

اب اپنوں کی سنیں۔ جنرل سرفراز اس کے تینوں بریگیڈئر اور توپخانے کا بریگیڈئر جمیل عزیز ا
کرنل سٹاف بھی اس دعوت میں مدعو تھے، جس میں امریکن مہمانوں نے شرکت کرنا تھی۔ وہ دعوت
رات دس یا گیارہ بجے واپس گئے۔ ان میں سے کچھ صبح نو بجے اٹھے اور بریگیڈئر قیوم شیر کی تلاش
رہی۔ بریگیڈئر آفتاب کی سویرے اٹھنے کی خبر ہے۔ اور باٹاپور پل پر سورج چڑھنے کے وق
گئے۔ بہرحال اس وقت تک بھارتیوں کو ایک دو حملے ہمارے مجاہدین نے اپنے آپ پسپا کر د

بھارتی حملے پسپا کس نے کئے

کپتان مسعود کے جوانوں کے علاوہ تین بلوچ کے کچھ جوان اور فرنٹیئر فورس کے میجر عارف جان
کچھ جوان بھی بی آر بی کے آگے تھے۔ اور توپخانہ والے واہگہ اور برکی دونوں محاذوں پر بروقت پہنچ گئے
اور جب ان سے پلٹن والوں نے فائر مانگا تو انہوں نے فائر دیا۔ برکی محاذ پر میجر شفقت بلوچ یا اس
کچھ جوان ہڈیارہ ضرور پہنچ گئے تھے۔ گو توپخانہ والے میجر شفقت کی وہاں موجودگی کو تسلیم نہ کرتے تھے
اس محاذ کے میجر عزیز بھٹی نے وہ رات اپنے گھر گذاری اور صبح سورج چڑھتے وقت جب برکی پل
پہنچے تو آگے لڑائی جاری تھی۔

بہرحال پہلے چار پانچ گھنٹے کی لڑائی کے بارے بڑے کمانڈ ر بالکل بے خبر تھے۔ اور بنگلوں
سوئے ہوئے تھے۔

کہا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

ہم اپنی ذمہ داری کی جگہ پر تھے

بہر حال گو پہلے دن ہم پیچھے تھے اور دشمن کے ساتھ واسطہ نہ تھا۔ لیکن پھر بھی خدا کے فضل سے ہمارے جوان ہر جگہ و مقام پر پوپھٹنے سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ سب سے آخر کپتان ناصر نواز جنجوعہ اور صوبیدار محمد اشرف آئے اور مجھے رپورٹ دی کہ میرے احکام کے مطابق سب کام پورے ہو چکے تھے۔ انہیں ویرلیس پر اطلاع دی گئی کہ کپتان صفدر کی کمپنی کے دو جوان ایک حادثہ میں شہید ہو گئے تھے اور ان کو سویلین ٹرک کے ذریعہ پیچھے بھجوانا تھا۔ میں نے ان کی مغفرت کے لئے دعا کی اور پوچھا کہ کیا مغربی دروازہ پر قرآن پاک کے نیچے سے جوانوں کو نہ گزارہ تھا؟ صوبیدار میجر کہنے لگا کہ یہ کام کپتان محمد صفدر اور اس نے خود کیا تھا۔

جنگ شروع تھی، کمانڈر سوئے ہوئے تھے

یہ سن کر میں گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کہ جب سے پلٹن میں راقم آیا تھا، ہر طرف کوچ اسلامی طریقہ پر ہوتا تھا۔ یارب العالمین! یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا تو نے ہم سے کوئی عظیم قربانی لینا ہے؟ اور پھر اسی وقت آگے سے توپوں کے چلنے کی آواز آنے لگی۔ اور میں نے کہا جنگ شروع ہو گئی ہے۔ لوگوں کو تیاری کا حکم دیا بریگیڈ کے ساتھ ملاپ نہ تھا۔ ٹیلیفون لائن نہ بچھی تھی۔ بریگیڈ ہیڈکوارٹر فیلڈ میں موجود بھی تھا یا نہیں۔ یہ بھی معلوم نہ تھا۔ وائرلیس والی گاڑی کا ملاپ کرنے کی کوشش کی۔ آدھ گھنٹے کے بعد ملاپ ہوا۔ لیکن بریگیڈ ہیڈکوارٹر سے کوئی خاطر خواہ جواب نہ مل رہا تھا۔ میں نے کہا کہ ہماری خیر ہے۔ بریگیڈ کو زیادہ خیال آگے والی پلٹنوں کا ہونا چاہیئے۔ تم فی الحال سنتے رہو۔ آپریٹر نے کہا کہ آگے والی پلٹنوں والے بھی بریگیڈ ہیڈکوارٹر کو بلا رہے ہیں۔ لیکن بریگیڈ سے جواب نہیں ملتا۔ یعنی کوئی ذمہ دار آدمی جواب نہیں دیتا۔

کیا دیکھا؟

میں علاقے میں نیا تھا۔ اور ادھر بی آر بی بھی نہ دیکھی تھی۔ اس لئے جب روشنی ہوئی تو تب میں جیپ میں بیٹھ کر آگے گیا کہ حالات کا پتہ چلاؤں۔ لیکن میری اپنی جگہ سے ایسی غیر حاضری زیادہ عرصہ کے لئے نہ ہونا چاہیئے تھی، اس لئے تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور ابھی بی آر بی تک نہ پہنچا تھا کہ آگے سے دیکھا کہ عورتیں بچے، مال مویشی اور بوڑھے بھاگتے ہوئے آرہے ہیں اور رو رہے ہیں کہ بھارتیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ اور کچھ جوان عورتوں کو بھی پکڑ لیا ہے۔ قارئین!

اگر اسلام میں خودکشی کی اجازت ہوتی تو اس سے بہتر موقع نہ تھا۔ میں بڑبڑایا۔ اے حجاج بن یوسف
تو میرا ہیرو ہے۔ جن ادیبوں اور مولویوں نے تمہیں ظالم کہا وہ بھول گئے۔ ہمیں تیری آج ضرورت ہے
کہ دو مسلمان عورتوں کی عزت کے لئے تو نے موجودہ مغربی پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور
بے غیرت قوم ہیں کہ نہ تو ۱۹۴۷ء میں اپنی عورتوں کی حفاظت کر سکے اور نہ آزادی کے ۱۸ سال بعد۔
میں جائے ایسی آزادی۔ اے قارئین۔ میں نے اسی تمہید سے مضمون شروع کیا تھا۔ اور اپنے ایک پرانے
رفیق اور استاد جنرل نیازی کو بھی نہ معاف کیا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا اکیلا نیازی قصوروار ہے؟

لاھور محاذ کا حال

اب لاہور کے محاذ کی جنگ کا مختصر حال سنیں۔ جنگ سے پہلے تجویز یہ تھی کہ دفاع کا انحصار
بی آر بی پر ہوگا۔ گو بی آر بی سے اگلے علاقوں میں بھی دشمن کو روکا جائے گا۔ اور جب دشمن بی آر بی
کو پار کرے گا تو تب اس پر جوابی حملہ کر کے اس کو برباد کر دیا جائے گا۔ ہمیں اس تجویز کا جنگ کے
پتہ چلا۔ لیکن اس سے بڑھ کر بودی سکیم نہ ہو سکتی تھی۔ لاہور کا ایک ڈویژن اس علاقہ میں بھارت
تین پیدل ڈویژنوں کے حملے کو پسپا کر سکتا تھا۔ ہاں بھارت اگر بکتر بند دستوں کے ساتھ لاہور کے ساتھ
پھوڑنے کی کوشش کرتا تو شاید بی آر بی کو کچھ پار کر لیتا۔ لیکن کیا بھارتی اتنے بیوقوف تھے کہ وہ اپنے بکتر
ڈویژن کو لاہور لے آتے؟ تو یہ ہے جائزہ ہمارے اوپر والوں کی فوجی مہارت کا۔
اب قارئین اگر سرحدوں کو دیکھیں تو راوی سائفن اور بھسیانی پل تک بھارت کی سرحد بہت نزدیک
ہے بعض جگہ صرف میل ڈیڑھ میل۔ لیکن باٹا پور سے واہگہ کافی دور ہے شاید تین یا چار میل۔ اسی طرح بر
سے ہڈیارہ یا سرحد اور زیادہ دور ہے۔ اس لئے بی آر بی سے آگے دشمن کو روکنا بہت آسان تھا۔ ا
یہ سارا علاقہ اس قسم کا ہے کہ تھوڑی نفری سے دفاع کر کے محدود جارحانہ کارروائیاں بھی کی جا سکتی ہیں
کہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے بعد کئی فوجیوں نے متعدد مسودے تیار کر کے لاہور کے دفاع والوں کو سمجھایا کہ یہاں
سے دشمن کو دور رکھا جائے۔ چنانچہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں جنرل نقوی نے اتنی ہی فوج سے نہ صرف دشمن کو
سرحدوں سے دور رکھا، بلکہ وہ ان کے علاقے میں بھی داخل ہو گئے۔

تجاویز عملی نہ تھیں

بہر حال ستمبر ۱۹۶۵ء میں حالات مختلف تھے کہ تمام تر تجاویز نقشوں پر تھیں۔ چنانچہ سب سے پہلے

دشمن نے ایک ڈویژن نفری سے واہگہ محاذ پر حملہ کیا اور آدھی رات سے بہت پہلے رینجرز کے میجر
میم الدین شہید نے خبر دے دی کہ لاتعداد دشمن فوج واہگہ کے سامنے پہنچ گئی ہے۔ یہ خبر رینجرز کے ہیڈکوارٹر
سے میجر کپلو نے ڈویژن ہیڈکوارٹر میں کرنل افتخار بشیر کو دی جس نے کہا کہ دشمن اپنے علاقے میں اکٹھا ہو رہا
ہے تو کیا حرج ہے ہم بھی تو آگے حرکت کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد واہگہ پوسٹ سے ملاپ ٹوٹ گیا
ظاہر ہے کہ رینجرز کے جوان لڑتے رہے اور شہید ہوتے رہے۔ اتنے میں میجر عارف جان کی پیدل آر اینڈ ایس
دستے یعنی دیکھ بھال کرنے والے اور امدادی دستے آگے پہنچ گئے۔ اور آگے پہنچتے ہی لڑائی میں الجھ گئے
اب بھارتی حیران تھے کہ پاکستان کی فوج کہاں چھپی پڑی تھی کہ بعد میں ان کے جو قیدی پکڑے گئے انہوں نے ہمیں
بتایا کہ بھارتیوں کو تسلی دی گئی تھی، کہ بی آر بی تک پاکستان کی فوج نہیں ہے صبح سویرے بی آر بی پر
جا کر قبضہ کر لینا۔ سورج چڑھنے کے بعد پاکستان کی فوج بارکوں سے نکلے گی، ان کو برباد کر کے کچھ لوگ
چھاؤنی پہنچ جائیں۔ جہاں جنرل چودھری نے لاہور کلب میں "چھوٹا پیگ" پینا تھا۔ اور ایک دستے نے
موہلوٹی والے راستے آگے بڑھ کر راوی پل پر قبضہ کرنا تھا۔

بھارت کا پہلا حملہ کیسے پسپا ہوا؟

میجر علیم الدین شہید کے رینجرز اور میجر عارف جان شہید کے جوانوں نے بھارتی دستوں کا مقابلہ
کیا۔ اور بڑے ذاتی بہادری کے مظاہرے ہوئے۔ لیکن افسوس کہ اکثر عینی شاہد بعد میں خود شہید ہو گئے
اتنے میں تیسری بلوچ کے جوان بھی ڈوگرئی سے آگے نکل کر مزاحمت کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ اور اندھیرا
ہونے کی وجہ سے بھارتی پیدل دستے رک گئے کہ اب جو روشنی ہو گی تو بکتر بند دستوں کی مدد سے آگے بڑھیں گے
اسی دوران بھارت کی ٹڈی دل فوج نے بھیانی پل پر نزدیک سے ایک بھرپور حملہ کر دیا۔ کہ یہاں پر قابض ہو کر
راوی سائفن پر قبضہ کر لینا تھا۔ اور لاہور کا دفاع ختم تھا۔ کپتان مسعود کے جوانوں نے اپنی بکتر بند توڑ گنوں سے
اور توپخانے کی مدد سے (کہ ایک توپ پہنچ گئی تھی جس سے او پی نے فائر مانگا) بھارتیوں کی وہ گت بنائی کہ میدان ان
کی لاشوں سے پٹ گیا۔ اب کچھ روشنی ہو رہی تھی اور باقی توپیں بھی پہنچنا شروع ہو گئی تھیں اور گیارہ بلوچ
کی دوسری کمپنیوں کے جوان بھی آنے شروع ہو گئے۔ وہ محاذ پر پہنچتے تھے اور لڑائی میں شریک ہو جاتے تھے
بہرحال بھارت کا پہلا حملہ سورج چڑھنے سے بہت پہلے پسپا ہو چکا تھا۔ اور یہ سب کام میجروں
سے نیچی سطح پر ہوا۔

دوسرے حملے تک اُوپر والے بے خبر تھے

بھارت کا دوسرا حملہ بھی بڑا بھرپور تھا اور اس کے ساتھ بکتر بند گاڑیاں بھی تھیں ۔ یہ حملہ با
پُل کے سامنے سے لے کر بھسین گاؤں تک تھا اور دونوں بلوچ رجمنٹوں کے کافی جوان بی آر
چکے تھے اور کچھ آگے بھی تھے ۔ یعنی بریگیڈ ہیڈ کوارٹر یا اس سے اُوپر والوں کو ابھی تک خبر نہ
حملہ بھی پسپا ہو گیا ۔ لیکن بریگیڈ یا ڈویژن والے بے خبر تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ فضائی فوج کے ایک
نے اوپر سے یہ تماشہ دیکھ کر لڑائی کی خبر دی اور راولپنڈی میں لڑائی کی خبر فضائی فوج کے ذریعہ
زمینی فوج کی وجہ سے ۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ اوپر یہ جو اتنے "بے خبر" تھے ان سے پوچھ گچھ
کی گئی ۔ اگر ہوتی اور غلط کارروائی کرنے والوں کو سزا دی جاتی تو سقوطِ ڈھاکہ کبھی نہ ہوتا ۔ لیکن
پیر تماشہ یہ بنا کہ بریگیڈ اور ڈویژن کے سب سٹاف افسر جو اس دن اپنے گھروں میں سوئے ہوئے
میں بریگیڈیئر کے عہدہ پر تو ضرور پہنچ گئے اور کچھ جنرل بھی بنے ۔ تو کیا اکیلا نیازی قصوروار ہے
سب ، کہ ایسے لوگوں کو اُوپر جانے دیا کہ وہ جنرل بن گئے ؟

بھارت کا تیسرا حملہ

بھارت کا تیسرا حملہ پسپا کرنے اور باٹا پور پُل کو توڑتے وقت تک بریگیڈیئر آفتاب کے
کی خبر ہے ۔ اور بریگیڈیئر قیوم شیر بھی کہیں سے مل ضرور گیا کہ اس کو راقم نے دوپہر کے وقت ۲۳ کے
ساتھ دیکھا اور پھر حکم مل گیا کہ اب بی آر بی پر دفاع کو مضبوط کیا جائے ۔ برکی محاذ پر دشمن کے
زور نہ تھا ۔ وہاں پر حملہ ایک بریگیڈ سے ہوا اور ہماری توپیں بھی برکی پل پار کر کے بی آر بی
گئی تھیں ۔ سترہ پنجاب کے میجر شفقت بلوچ کی ایک کمپنی نے ہڈیارہ کے نالے پر دشمن کو روکا
کے بعد ہمارے دستوں کو بی آر بی پر آنے کا حکم مل گیا ۔ دشمن برکی محاذ پر ، پہلے دو دن برکی گاؤں
پہنچا اور برکی گاؤں پر بھی دشمن نے تب قبضہ کیا ۔ جب میجر عزیز بھٹی اس گاؤں کو خالی کر
کے پچھلے کنارے پر آ گیا ۔ ہاں بارہ پنجاب کا نائب صوبیدار عالم زیب اور ایشیا کا ایک
کا چیمپئن میجر عزیز بھٹی کے بی آر بی پر آ جانے کے دو دن بعد بھی بی آر بی کے آگے لڑتا رہا
ہی شہید ہوا ۔ جس کو بھارتی جانتے تھے انہوں نے اسکا کو دفن کیا ہے اور فائر بندی کے بعد
ہمارے حوالے کی ۔ ویسے بھی برکی محاذ پر لڑائی اتنی سخت نہ تھی کہ واہگہ محاذ پر تو اینٹ سے اینٹ

رخت بھی اُڑ گئے تھے۔ مکانوں کے تو نام ونشان مٹ گئے تھے۔ اور بی آر بی کے آگے شہید ہونے
ں میں بارہ افسر تھے۔ برکی محاذ پر صرف دو افسر شہید ہوئے اور وہ بھی بی آر بی کے پیچھے۔

پخانے کی لڑائی

چھ اور سات ستمبر کو زیادہ لڑائی دونوں طرف سے توپخانے کی ہوئی جس میں بھارتیوں کو بے پناہ
ان اُٹھانا پڑا۔ اوّل اس وجہ سے کہ وہ حرکت میں ہوتے تھے۔ اور دوم ان کا جمگھٹ زیادہ تھا۔
ں اگر کہا جائے کہ ہم زیادہ تر دیکھ کر فائر کر رہے تھے۔ تو یہ غلط ہو گا۔ راقم نے خود کئی دفعہ بریگیڈیئر آفتاب
واز سنی جو کرنل امداد کو کہہ رہا ہوتا تھا کہ لڑائی میں خاموشی آ گئی ہے۔ بھارتی کچھ کر نہ جائیں۔ اندازاً فائر کرو۔
ہی وجہ ہے کہ ہمارے پاس بارود جلدی ختم ہو گیا۔ لیکن اس کا فائدہ ضرور ہو گیا کہ ۷ ستمبر کو دوپہر بعد بھارتی
ں کا زور ٹوٹ گیا۔ لیکن ایک افواہ اُڑی کہ بی آر بی کے کچھ حصہ پر بھارتی قابض ہو گئے ہیں تو ہمارے میجر گل
ی کو وہاں حملہ کرنے کا حکم ملا۔ آگے دشمن نہ تھا اور پیچھے رپورٹ دے دی گئی کہ دشمن تو بھاگ رہا ہے۔ اس
ستمبر کو حکم ملا کہ جہاں دشمن بھاگ رہا ہو۔ وہاں آگے بڑھ کر حملہ کیا جائے۔ اس کو تجویز نہیں کہتے کہ حملے کا
مقصد ہونا چاہیئے۔ بہرحال میجر گل کی کمپنی اور ۱۵ بلوچ کی ایک کمپنی نے بی آر بی سے آگے بڑھ کر آسانی سے
ی پوسٹ اور پُرانی نہر پر قبضہ کر لیا۔

جوابی حملہ اور افراتفری

۹ ستمبر کو جوابی حملے کا حکم ملا، اور پہلے دریافت کرنا چاہتے تھے کہ کیا بی آر بی کے اگلے کنارے پر بکتر بند
ڑیاں چل سکیں گی۔ اور ہمارے بریگیڈ بجائے اس کے کہ یہ حکم گیارہ بلوچ کو دیتے، انہوں نے ہمیں دے دیا
ہ گیارہ بلوچ کے ساتھ ملاپ ٹوٹ گیا تھا۔ سٹاف افسروں کو نالائقی کی اس سے بدترین مثال نہیں مل سکتی کہ مجھے
س کام پر بھیجا گیا۔ اور میری رپورٹ سے پہلے بکتر بند گاڑیوں نے حملہ کر ہی دیا، کہ وہ نزدیک تھیں اور انہوں نے
دیکھ لیا کہ اگلے کنارہ کو وہ استعمال کر سکیں گے۔ افسوس کہ راقم اس حملے میں نہ شریک ہو سکا۔ جب بریگیڈ میں اپنی
رپورٹ دی تو ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ مجھے خواہ مخواہ لمبے سفر پر بھیجا گیا۔ تو مجھے بتایا گیا کہ تمہاری پلٹن ہی
قیوم شیر کے بریگیڈ کے ماتحت چلی گئی ہے۔ ادھر جاؤ۔

بڑی مشکل سے میں نے نیا بریگیڈ ہیڈکوارٹر ڈھونڈا۔ اور وہاں سے پلٹن کے ملاپ والی سیٹ لی نہ
کرنل گول والہ ہماری دو کمپنیاں لے کر حملہ آور فوج کے ساتھ باٹا پور سے آگے چودہ میل کے پتھر پر پہنچ چکا تھا
اور بریگیڈ کے ساتھ ملاپ نہ تھا۔ مجھے اس جھمیلے میں رات پڑ گئی۔ اور میں نے گاڑیوں کی وہ بے ترتیبی دیکھی

کر اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر والے یا ڈویژن والے پیچھے بیٹھ کر حکم دے دیتے تھے
حملہ کرو۔ کون سا راستہ ہوگا۔ کون کدھر جائے گا۔ یہ خود فیصلہ کر لو۔ پھر کچھ ڈرپوک لوگ بھی تھے
ہیں۔ وہ رُک جاتے ہیں کہ آگے سے فائر آ رہا ہے۔ کوئی کہتا تھا گوریلے آ گئے ہیں۔ بہرحال کافی
استعمال کر کے کچھ لوگوں کو میں نے آگے چلایا اور کچھ سے آگے گزر کر رات کے دس بجے میں ان
کے پاس پہنچ گیا جن کے سامنے جنرل نرنجن پرشاد اپنی جیپ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔

لڑنے والوں کی کمانڈ اور بھان متی کا کُنبہ

ہمارے میجر گل زخمی ہو گئے تھے اور اس کمپنی کی کمانڈ میں نے سنبھالنا تھی لیکن میں نہ پہنچا
لیفٹیننٹ افتخار نے ان کی کمانڈ سنبھال لی اور رات کو انہوں نے کوئی خاص کام نہ کرنا تھا۔ اس لئے مجھے
گیا کہ صبح سویرے میں کمانڈ سنبھالوں کہ صبح حملہ کرنا تھا۔ اور واہگہ پر قبضہ کرنا تھا۔ میں نے سارا دن کچھ
کھایا تھا۔ کپتان ناصر نواز جنجوعہ نے مجھے کھانے کے لئے چند بسکٹ دیئے۔ لیکن ایک منٹ کے لئے بھی
سو سکے۔ دشمن کو شاید معلوم ہو گیا تھا، تو اس نے ساری رات توپخانہ کے فائر سے ہماری خوب گت
بنائی۔ حملے کی تجویز بن رہی تھی اور ہم بھان متی کا کُنبہ تھے۔ دو کمپنیاں ہماری، ایک کمپنی اٹھارہ
بلوچ کی۔ پندرہ ایف ایف کی ایک پلٹون، اور ۲۳ کیولری کا ایک سکواڈرن۔ بس تجویز تھی حملہ کر
اور جتنے علاقے پر قبضہ کر سکتے ہو کرو۔ بریگیڈ یا ڈویژن کا کوئی سٹاف افسر نہ تھا کہ بیچ میں CO-OR
DINATION کرتا۔

بکتر بند دستوں کی مدد سے حملہ

حملہ ہمارے میجر مبارک کی کمپنی نے بکتر بند دستوں کی مدد سے کرنا تھا۔ اور اٹھارہ بلوچ
کے کپتان مظفر نے بھی کچھ راستہ ساتھ جانا تھا۔ کرنل گول والہ نے کہا کہ میں میجر مبارک کی کمپنی
کے ساتھ چلا جاؤں اور وہ میری کمپنی کو وہاں بھیج دیں گے جہاں سے میجر مبارک آگے نہ بڑھ سکے۔
وہاں سے میں بی کمپنی کو لے کر آگے بڑھاؤں۔ ہم آگے بڑھتے گئے اور جہاں سے ہمیں واہگہ نظر
آیا۔ وہاں میجر مبارک شہید ہو گئے اور مجھے اس کمپنی کی کمانڈ سنبھالنا پڑ گئی۔ کمپنی کچھ رُکی تو
بکتر بند گاڑیوں نے واپس جانا شروع کر دیا کہ ان کو حکم مل گیا تھا کہ حملہ والا حکم ختم ہے۔ ایک بکتر بند
گاڑی پر ہم نے میجر مبارک کا جسدِ خاکی رکھا اور باقی تین چار شہدا کو بھی ساتھ رکھا۔ اور ہم نے وہاں

پوزیشن لے لیا کہ دشمن ہمارے سامنے بھاگ رہا تھا۔ بعد میں مجھے بھی حکم مل گیا کہ واہگہ کی طرف مت جاؤ اور نہ دوسری کمپنی آئے گی۔ چودہ میل کے پتھر کے پاس واپس آ جاؤں۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ بھگدڑ مچ گئی تھی اور بڑی مشکل کے ساتھ راقم نے اپنے جوانوں کو کنٹرول کیا۔ بلکہ ہماری مارٹر پلاٹون تو ویسے ہی بھاگ گئی کہ حکم ملا ہے کہ بی آر بی کے آگے حملہ کرنا غلطی تھی۔

غلط احکام اور افراتفری

تو یہ ہوتا ہے غلط وقت پر احکام دینے کا اثر۔ پتہ چلا کہ دشمن کا بھرپور حملہ سیالکوٹ پر ہونے والا ہے۔ اس لئے لاہور محاذ صرف دفاع کرے گا۔ اور محدود جارحانہ کاروائیاں بھی نہ کرے۔ جس نے یہ حکم دیا بڑا غلط حکم تھا۔ بہرحال ہم تو واپس آ گئے لیکن ۱۵ بلوچ جس نے سائفن کی طرف سے حملہ کیا تھا ادھر کوئی سڑک نہ تھی وہ لوگ دشمن کا پیچھا کرتے ہوئے بھارت کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ اور انہوں نے منہج، کھکڑ وغیرہ وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بہرحال ہر جگہ حکم مل گیا کہ اب مزید پیشقدمی نہ ہوگی۔ لیکن ہماری قسمت کہ ہم بی آر بی کے آگے چودہ میل کے پتھر کے نزدیک ایک ننگی جگہ پر پوزیشن میں تھے جہاں نہ تار نہ کوئی بارودی سرنگ بلکہ آگے علاقہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اور دشمن نے دس اور گیارہ ستمبر کو توپخانہ کے فائر سے دن رات ہماری وہ تواضع کی کہ جب دشمن کی میڈیم رجمنٹ کا گولہ گرتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے دل نکال ساتھ لے جا رہا ہے۔ راقم نے دوسری جنگِ عظیم میں کافی وقت گزارا لیکن ایسے فائر کے نیچے رہنے کا بالکل تجربہ نہ تھا۔

شاہراہ پر آگے والے دستے

لیکن دشمن ہم سے کافی دور تھا اور اپنی پوزیشن کے آگے ہم پکی پٹرول دن رات رکھتے تھے کہ دشمن کو نزدیک نہ آنے دیا جائے کہ ہم ہی لاہور محاذ پر سب سے آگے والے دستے تھے اور وہ بھی شاہراہ پر۔ گیارہ ستمبر شام کو میں اپنی پوزیشن سے ایک میل آگے تک جا کر کچھ پکی پوزیشن لگانے چلا گیا تھا کہ رات کو دشمن کو دور ہی رکھا جائے۔ جیسے ہی یہ کام کر کے میں واپس پہنچا تو حکم ملا کہ آگے سے تمام پٹرولوں کو واپس بلایا جائے کہ پسپائی اختیار کرنا ہے۔ میجر گل کی جگہ کپتان صغیر آ گئے تھے ہم دونوں نے پروٹسٹ کیا اور کپتان ناصر نواز جنجوعہ نے بھی ہمارا ساتھ دیا لیکن جب کچھ اندھیرا چھا گیا تو حکم ملا کہ جلدی واپس بی آر بی پر پہنچو ورنہ خیر نہیں کہ دشمن کی تین بکتر بند گاڑیوں نے سائفن پار کر لیا۔ میں نے کہا کہ میں میدانِ جنگ

کا نبض شناس نہ سہی لیکن راوی سائفن کے تو نزدیک بھی دشمن نہیں۔ وہاں سے تین میل آگے پسرور
بلوچ ہے۔ اور محاذ کو میں آنکھوں سے دیکھ سکتا ہوں آخر حملے کے کچھ آثار تو ہوتے، یہ جھوٹ ہے

افراتفری اور بے مقصد پسپائی

کہا گیا کہ شاید ہڑیارہ سائفن ہوگا۔ اب ہڑیارہ تو اکاڈٹ تھا جو میں نے فائر بندی کے بعد دیکھا
اور برکی محاذ پر تھا۔ میں کیا کہتا۔ البتہ جس آدمی نے وہ جگہ دیکھی ہوئی ہوا اور وہ یہ مان لے کہ وہاں سے
دشمن کی تین بکتر بند گاڑیاں گزر گئیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی یا لڑائی نہ ہوئی تو وہ آدمی فوج
میں افسری کے قابل نہیں۔ اور راوی سائفن سے دشمن کی بکتر بند گاڑی تب گزر سکتی ہے کہ سائفن سے
کر تین میل کے علاقے پر بی آر بی کے دونوں کناروں پر دشمن پہلے قبضہ کرے۔ اور ایسا کرنے کے لئے ایک
بریگیڈ کے حملہ کی ضرورت تھی۔ لیکن جن لوگوں نے اس خبر کو سچ مان لیا۔ وہی بعد میں ہماری فوج میں
بھی کرتے رہے۔ حالانکہ میرے لحاظ سے اس بات کو ماننے والے بڑے نالائق تھے اور اگر انہوں نے جگہ دیکھی تھی
بھی اور یہ الگ بات ہے کہ جگہ دیکھی نہ ہو۔ بھلا کیوں نہ دیکھی ہو یہ بھی قصور ہے۔

کہا گیا پسپائی ضروری ہے

بہر حال بعد میں حکم ملا کہ پسپائی ضروری ہے۔ پہلے بٹالین ہیڈ کوارٹر اور کپتان صغیر کی کمپنی پ
ہوں گی اور پیچھے میری کمپنی ہو گی جو اپنی اور ان کی حفاظت کرے گی یعنی رئیر گارڈ بھی ہوگی۔

پسپائی کی بدترین بے مقصد کارروائی

قارئین! پسپائی سے بدتر کوئی فوجی کارروائی نہیں۔ اسی لئے اسلام میں پسپائی یا پیٹھ پھیرنے کی
اجازت نہیں۔ اور صرف خاص حالات میں اجازت ہے۔ لیکن یہ خاص حالات نہ تھے۔ بے سمجھی، نالائقی
اور بہت کچھ تھا۔ اور آگے تفصیل آتی ہے۔ میرے لئے کمپنی کو کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔ رات کا اندھیرا تھا
لوگوں نے سمجھا دشمن سر پر ہے جو ہم بھاگ رہے ہیں۔ اگر میں کمپنی کے آگے چلتا تو میرے دائیں بائیں
لمبی چوڑی لائن بن جاتی پیچھے کوئی نہ رہ جاتا۔ اگر صوبیدار چناب گل کو آگے لگاتا اور خود پیچھے رہتا تو
میرے ساتھ چند ہی اور آدمی رہ جاتے۔ تنگ آ کر باؤنڈ مقرر کئے کہ ہر سو گز یا قدم چلنے کے بعد ہر آدمی
بیٹھ جائے گا اور پھر میرے حکم کے ساتھ اسی طرح سو گز باری باری چلیں گے۔ اور اس طرح بڑی
مشکل سے ہم بی آر بی پر پہنچے اور وہاں میں نے سب جوانوں کو بٹھا دیا اور کہا کہ پوزیشن لیں میں پل پر

جاتا ہوں کہ نیا پُل بنا تھا۔ اور احکام لیتا ہوں کہ کہاں پر پوزیشن لی جائے۔

پُل پر افراتفری

پُل پر افراتفری تھی۔ بریگیڈئر قیوم شیر کھڑا تھا، اس کا اپنا بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کہیں بھاگ گیا تھا۔ جس کا اس کو پتہ نہ چل رہا تھا۔ ۱۸ بلوچ کا میجر غلام محمد (بعد میں جنرل) اس کی مدد کر رہا تھا۔ کرنل گول والہ اور صغیر وہاں پہنچ گئے۔ اور میں نے کہا کہ مجھے پکے حکم دیں کہ میں نے کہاں پوزیشن لینا ہے تو تب میں اپنے جوانوں کو لاؤں گا۔ بریگیڈئر قیوم شیر کہنے لگا "خدارا جلدی کرو۔ اپنے جوانوں کو لے آؤ۔ میں یہ پُل اڑانے والا ہوں"۔ اتنے میں ۱۸ بلوچ کا کرنل اختر عالم بھی آگیا اور ہم سب نے پوچھا کہ آخر بات کیا ہے؟ قیوم شیر نے وہی بات دُہرائی کہ دشمن کی تین بکتر بند گاڑیاں سائفن پار کر گئی ہیں۔ تو گزارش کی کہ اوّل تو ایسے ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ایسا ہو گیا ہے تو وہ تین بکتر بند گاڑیاں کیا کر لیں گی۔ اور پھر کہاں ہے ۱۵ بلوچ یا ۱۱۴ بریگیڈ یعنی بریگیڈئر آفتاب کا بریگیڈ۔ یا گیارہ بلوچ۔ آخر ان سے پوچھا جائے۔ بتایا گیا ملاپ نہیں۔ افراتفری ہے۔

غلط خبر

"میں نے کہا کہ مجھے اجازت دو میں جیپ پر جاتا ہوں یا کپتان صغیر کے صوبیدار رستم کو بھیجتا ہوں اور معلوم کرتا ہوں کہ سائفن پر کیا ہو رہا ہے۔ خدارا اس دوران پُل کو نہ اُڑاؤ"۔ کرنل اختر عالم اور میجر غلام محمد نے بھی میرے ساتھ اتفاق کیا۔ کرنل گول والہ نے کہا کہ "میجر امیر افضل کہتا ہے کہ دشمن بھارت کی طرف بھاگ رہا ہے کہ شام کو وہ اپنی پوزیشن سے بہت آگے دُور دُور تک واہگہ سے ایک میل کے فاصلہ پر پھر آیا ہے۔ تو یہ دشمن کہاں سے آگیا جس نے راوی سائفن کو عبور کر لیا ہے" تو بریگیڈئر قیوم شیر کی جان میں جان آئی۔ صوبیدار رستم کو بھیجا گیا جو خبر لایا کہ راوی سائفن پر ۱۵ بلوچ کا کھانا پک رہا تھا۔ پلٹن وہاں سے آگے تین چار میل دُور دشمن کا پیچھا کر رہی تھی۔ لیکن حکم مل گئے تھے کہ وہ لوگ بھی بی آر بی پر آ جائیں۔ خیر یہ خبر ذرا دیر سے آئی۔ اس سے پہلے بریگیڈئر قیوم شیر کو ڈویژن سے بھی کوئی خبر مل گئی کہ بکتر بند گاڑیوں والی خبر کچھ غلط معلوم ہوتی ہے۔

رات کو آرام صبح پرانی جگہ واپسی

رات ہم نے بی آر بی پر گزاری۔ اور آرام سے سو گئے کہ ۱۸ بلوچ بی آر بی کے اگلے کنارے پر تھی۔

صبح سویرے مجھے گیارہ ایف ایف کی ایک پلاٹون دی گئی کہ میں چھوڑے ہوئے علاقہ پر قبضہ کروں اس خیال سے جاؤں۔ زیادہ جوش میں نقصان نہ کروا بیٹھوں۔ اور اگر ڈوگرئی گاؤں تک دشمن پہنچ گیا ہے تو آگے نہ جاؤں۔ اپنی بکتر بند گاڑیوں کا انتظار کروں۔ بہر حال مجھے بتایا گیا کہ میری کامیابی کے بعد کپتان صغیر اور کرنل گول والہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔

پیشقدمی کا لطف

اب مجھے جو اس پیشقدمی میں لطف آیا۔ اس کے بیان کے لئے کئی مضمون درکار ہیں۔ گیارہ ایف ایف جو جیپوں پر تھی۔ وہ جب ڈوگرئی پہنچی تو دشمن نے اتنا توپخانے کا فائر کیا کہ وہ ایک قدم بھی آگے نہ چل سکی بہر حال مجھے فائدہ ہو گیا کہ میں پیدل تھا۔ میں نے کہا ڈوگرئی میں دشمن نہیں ہے۔ میں پرانی جگہ جا رہا ہوں مجھ سے سوال کیا گیا کہ تم ڈوگرئی پہنچے بغیر ایسا نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا اگر دشمن ڈوگرئی پر قبضہ کر چکا ہوتا تو اس کی توپوں کے گولے وہاں نہ گرتے مجھے پیچھے نہ کھینچو۔ مجھے جانے دو۔

ناصر نواز سمجھ گیا

ناصر نواز جنجوعہ سمجھدار اور بہادر آدمی تھا۔ وہ بات سمجھ گیا۔ اور اس نے اوپر والوں کو سمجھایا۔ بہر حال ڈوگرئی سے آگے جب ہم نکلے تو میں نے دیکھا کہ دشمن بھی سامنے پیشقدمی کر رہا ہے۔ بہر حال اللہ کی مدد سے ہم نے دوڑ جیت لی اور ہم نے کل والی چھوڑی ہوئی پوزیشن پر قبضہ کر ہی لیا۔ اور بڑھتے ہوئے دشمن کو بھون کر رکھ دیا۔ دشمن اب بکتر بند دستے آگے لے آیا۔ لیکن ہمارے بکتر بند دستے بھی میجر سرور شہید کے ماتحت پہنچ گئے۔ اور دشمن کے بکتر بند دستوں کو بھگا دیا۔ میجر سرور شہید کچھ زیادہ جوش میں تھے۔ ٹینک سے اوپر نکل کر پکار رہے تھے "میجر امیر افضل کی کمپنی کی حفاظت لاہور اور پاکستان کی حفاظت ہے" میں نے روکا نہ سرور آگے مت جاؤ لیکن اس کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ اسی نعرۂ تکبیر کی صدا میں اس کے ٹینک کو دشمن نے نشانہ بنا یا۔

بھرپور جنگ

اب بڑی بھرپور جنگ ہوئی۔ جہاں ہمارا بھی اور دشمن کا بھی کافی نقصان ہوا۔ اور چونکہ میری مدد کے لئے کپتان صغیر بھی پہنچ گئے۔ اور اس کے صوبیدار حکیم شہید نے نعرۂ تکبیر کی صدا میں۔ ہمارا مورال بڑھا دیا۔ اب ہم مقصود حاصل کر چکے تھے اور اگلے دس دن ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ اور کتنی عظیم قربانی ہم روز دیتے رہے اور آخری دن دی۔ اس سلسلہ میں عنایت اللہ نے "لاہور کی دہلیز پر" ایک پوری کتاب ۱۹۶۵ء میں لکھی ہے۔

اس سے پہلے ہماری کارکردگی پر پردے ڈالے گئے ۔ بہتر ہوگا کہ قارئین وہ کتاب پڑھ ڈالیں جو افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے ۔ ہم یہاں صرف مختصر ذکر کریں گے ۔ لیکن پہلے ان تین بکتر بند گاڑیوں کو تلاش کریں جنہوں نے ہمارے دارالحکومت راولپنڈی کو بھی ہلا کر رکھ دیا ۔

بکتر بند گاڑیوں کی غلط فہمی

قارئین کو یاد ہوگا کہ راقم جب ۱۰ ستمبر کو واہگہ پر قبضہ کرنے والا تھا تو ہمیں واپس بلا لیا گیا ۔ بیان یہ تھا کہ دشمن کا بھرپور حملہ سیالکوٹ پر ہے ۔ اس لئے اب تمام کمک اس علاقہ میں بھیجی جائے گی ۔ اور لاہور محاذ پر زیادہ جارحانہ کارروائی نہ کی جائے کہ اس طرح اگر توازن ٹوٹ گیا تو لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں ۔ ہمارے علاوہ تین بلوچ والے بھی ہمارے دائیں سے آگے بڑھ کر ایک دفعہ واہگہ کے نزدیک پہنچ گئے تھے لیکن ان کو بھی واپس بلا لیا گیا ۔ دراصل جنرل سرفراز اب کوئی خطرہ مول نہ لینا چاہتا تھا ۔ حالانکہ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ کل نفری کے تیسرے حصہ نے یا آدھے حصہ نے پہلے دن بھارتی جنرل گن کارروائی اور یلغار کو روک لیا تھا ۔ تو اب باقی فوج کے ساتھ اٹاری تک جانا یا دشمن کے علاقہ میں جنگ کو لے جانا کچھ مشکل نہ تھا ۔ لیکن انہی دنوں جنرل سرفراز کو خبر ملی کہ قصور محاذ سے جنرل نصیر کے بکتر بند ڈویژن کا حملہ بھی ناکام ہو چکا ہے اور وہاں سے اب کچھ بکتر بند دستے سے بکٹ جائیں گے ۔ اس لئے جنرل حمید یا جنرل نصیر اب فاتح امرتسر یا فاتح جالندھر نہ ہو سکیں گے ۔ اور نہ ہی وہ اکیلا امرتسر فتح کر سکتا ہے ۔ لیکن اگر بکتر بند دستے اپنی پیش قدمی یا حملہ میں کامیاب ہو جاتے تو یہ ممکن تھا کہ سرفراز ان سے پہلے امرتسر پہنچ جاتا کہ راستہ سیدھا تھا اور لاہور محاذ کے دائیں بازو سے اگر ہمارے بکتر بند دستے دشمن کو اکھیڑ کر پیٹنا شروع کر دیتے (اور اگر قصور محاذ پر پیدل دستے ہوتے تو ایسا ہو سکتا تھا) ، تو بھارتی ایسے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے کہ ہم قصور محاذ والوں سے پہلے امرتسر پہنچ جاتے ۔ اور جنرل سرفراز فاتح امرتسر ہو جاتے لیکن ہمارے اعمالوں کی وجہ سے ہم میں سے کوئی بھی اس سہرا کے قابل نہ تھا ۔

سرفراز کی سوچ

ان حالات کا جائزہ لیتے ، سرفراز نے سوچا کہ دشمن کا حملہ پسپا ہو گیا ہے اور سرفراز کی عزت رہ گئی ہے ۔ اب اپنے آپ کو بی آر بی تک محدود کیا جائے اور بی آر بی سے آگے بہت تھوڑی کارروائی کی جائے یہ بڑی غلط پالیسی تھی ۔ اگر جنرل سرفراز اٹاری تک نہ بھی جاتا تو اس کو کم از کم آدھی فوج کو بی آر بی سے بہت آگے رکھنا چاہیئے تھا ۔ جہاں پر وہ بھارتیوں کی اس طرح شکار کرتے رہتے جیسا کہ ہماری زد

کمپنیوں نے کیا جس کی تفصیل بعد میں آئے گی ۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ جنرل سرفراز کے ہیڈ
میں کچھ لوگ ایسے ضرور تھے جو افواہیں پھیلا کر بددلی پھیلاتے تھے اور شنید ہے کہ توپخانے کے بریگیڈ
نے سب سے پہلے جنرل سرفراز کو کہا کہ دشمن کی تین بکتر بند گاڑیوں نے سائفن پار کر لیا ہے کہ یہ بات
وائرلیس پر سنی ۔ کس سے سنی اور گاڑیوں نے کیسے سائفن پار کیا یہ کوئی بتانے کو تیار نہ تھا ۔ ایک خ
بھی ہے کہ یہ ۱۵ بلوچ کے سامنے جو بھارتی بھاگ رہے تھے ۔ ان کو آگے والوں نے جب روکا تو انہو
کہا کہ پاکستان والے بھرپور حملہ کر رہے ہیں اب بھی ان کی تین بکتر بند گاڑیوں نے سائفن پار کیا ہے
بڑھ رہی ہیں ۔ اور کسی توپخانے والے نے پاکستان کا نام تو نہ سنا ۔ باقی بات سنی اور بریگیڈیئر جمیل
دے دی اور سمجھ لیا کہ دشمن کی بکتر بند گاڑیوں نے ایسا کیا ۔

ڈویژن ہیڈکوارٹر میں افراتفری

اب ڈویژن ہیڈکوارٹر میں کیا ہوا کس نے کیا کہا ۔ راقم صرف یہ بتا سکتا ہے کہ میں نے کرنل افض
سے پرسش کی تو اس نے کہا کہ وہ ہسپتال گیا ہوا تھا اور واپس آیا تو سب گڑبڑ ہو چکی تھی اور غلط
تو ظاہر ہے کہ سب بات جنرل سرفراز اور کرنل افضل پر آتی ہے کہ انہوں نے سارا دن کی لڑائی پر نہ
دیا کہ حالات کیا تھے اور دشمن سائفنوں سے کتنا دور تھا ۔ اور شام کے چار پانچ بجے اس کی بکتر
گاڑیاں تب ہی سائفن پار کرتیں کہ کم از کم ایک پلٹن بھی ساتھ جی آر بی کو پار کر لیتی ۔ اور کیا زمین ا
اجازت دیتی تھی ؟ اور کیا بھارت کی کوئی اتنی بڑی فوج سائفنوں کے سامنے بعد دوپہر موجود تھی ؟
کیا اپنے سب مر گئے تھے ؟ کہ بریگیڈیئر جمیل کو قدرتی طور پر خبر لگ گئی ۔ ظاہر ہے کہ اوپر والے گھبرا گ
تینوں بریگیڈوں کا کہا کہ اس قسم کی خبر ہے چوکنے ہو جاؤ ۔ اور مزید اطلاع دو ۔ ہمارے بریگیڈ کا تو
کے ساتھ کوئی واسطہ نہ تھا ۔ اور بریگیڈیئر قیوم شیر تو سنی سنائی پر گھبرایا پھرتا تھا ۔ بریگیڈیئر آفتاب
بریگیڈ نے راوی سائفن کے بارے کیا خبر دی اگر یہ کہہ بھی دیا کہ وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے تو ڈویژن وا
نے بریگیڈیئر قیوم شیر کو تسلی نہ دی ۔ اور جب میری بریگیڈیئر قیوم شیر کے ساتھ تلخ کلامی ہوئی اور
نے کہا کہ دشمن اپنے ملک کی طرف بھاگ رہا تھا اور ہم اپنی طرف تو اس کے بعد ہی بریگیڈیئر قیوم شیر
شاید ڈویژن سے کوئی ملاپ کیا کہ ہماری طرف والی سائفن کی خیریت تھی اور صوبیدار رستم بھی خود پھر
گیا تھا ۔ اور تب ہی مجھے کھویا ہوا علاقہ واپس لینے کے صبح کو احکام ملے ۔

برکی محاذ پر تماشہ

لیکن برکی محاذ پر تماشہ بن گیا۔ دشمن برکی محاذ سے بہت دور تھا۔ لیکن اس دن بھارتی جہازوں نے برکی محاذ پر خوب سٹرافنگ کی، جس کی وجہ سے میجر حبیب اور میجر بھٹی شہید ہوگئے۔ ہڑیارہ اکاوٹ جس کو غلطی سے سائفن کہتے تھے اس پر ۱۲ پنجاب کے میجر رزاق کی کمپنی تھی۔ اس کا ملاپ ٹوٹ جاتا تھا وہ بڑا تنگ تھا۔ دشمن دور تھا، اس نے سوچا کہ جلدی سے پلٹن کی ایکٹنگ کمانڈر میجر مقصود کے ساتھ کچھ معاملات طے کرنے اور بٹالین ہیڈ کوارٹر جو اس سے تقریباً ڈیڑھ میل دور تھا وہاں آ گیا کہ کچھ بندوبست صحیح کرے۔ عین اسی وقت ڈویژن والوں نے بریگیڈئر اصغر سے سائفن پر سے دشمن کی تین بکتر بند گاڑیوں کے پار کرنے کی خبر پوچھی اور بریگیڈ میجر ضمیر نے میجر مقصود سے پوچھا۔ میجر مقصود نے کہا بالکل خیریت ہے کمپنی کمانڈر میرے پاس کھڑا ہے۔ میجر ضمیر نے کہا کمپنی کمانڈر وہاں کیا کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سائفن پر دشمن کا قبضہ ہوگیا ہے اور وہ بھاگ آیا ہے کہ ڈویژن والے کہتے ہیں کہ دشمن کی تین بکتر بند گاڑیاں وہاں سے گزر گئی ہیں۔

میجر مقصود کی گھبراہٹ

یہ بات سن کر میجر مقصود بھی گھبرا گیا۔ گو کمپنی کمانڈر اسی وقت چلا گیا اور اپنی کمپنی میں کس وقت پہنچا یا نہیں کہ ملاپ نہ تھا تو مقصود نے مارٹر پلاٹون سے پوچھا جو سائفن کے پیچھے تھی کہ سنا ہے دشمن کی تین بکتر بند گاڑیاں سائفن پار کر آئی ہیں۔ اب سورج غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت رہتا تھا اور اپنے ٹی ڈی یو کی تین بکتر بند گاڑیاں رات کو "پچھلے لیگر" میں جا رہی تھیں اور ڈیرہ چل گاؤں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ پس مارٹر پلاٹون نے کہا کہ ہاں تین بکتر بند گاڑیاں ڈیرہ چل پہنچ گئی ہیں اور انہوں نے اپنا پوزیشن چھوڑ دیا۔ اور پوری بارہ پنجاب میں افراتفری مچ گئی۔ اور اس کے بعد بریگیڈ ہیڈکوارٹر والوں نے اپنا پوزیشن تبدیل کر لیا۔ اور ڈویژن ہیڈکوارٹر تک افراتفری مچ گئی۔ جس کے نتیجہ کے طور پر پنڈی بھی فون کر دیا گیا کہ لاہور جانے والا ہے۔ بلکہ سنتے ہیں کہ صدر ہاؤس میں ایوب خان بھی لرز گیا۔ اور پنڈی سے حکم ملا کہ ایک بکتر بند بریگیڈ جو قصور سے سیالکوٹ جا رہا تھا، اس کو لاہور میں روک دیا جائے۔ اور ان کو کہا کہ دشمن کی گاڑیاں برکی محاذ پر تلاش کریں۔ اس سلسلہ میں راقم نے جو تفتیش کی اور جو کچھ سنا اس پر کئی مضمون لکھے جا سکتے ہیں لیکن اگر اس زمانے انکوائری کرا کے کچھ لوگوں کو تو بڑے چڑھا دیتے تو پھر وہ نہ ہوتا جو ۱۹۷۱ء میں ہوا۔

اور اب بھی ضروری ہے کہ انکوائری ہو جائے کہ نالائقوں کی نشان دہی ہو جائے۔

بہرحال ہڈیارہ سائفن پر سترہ پنجاب کے میجر شفقت بلوچ کی کمپنی کو جانے کا حکم ملا۔ وہ سدی
آہستہ آہستہ چلتے رہے کہ آگے دشمن ہوگا لیکن جب صبح وہ وہاں پہنچے تو میجر رزاق کی کمپنی وہاں موجود
اور انہوں نے کسی دشمن کو نہ دیکھا تھا۔ لیکن اسی دوران راوی سائفن سے پندرہ بلوچ کی ایک کمپنی کو
سائفن پر بھیج دیا گیا۔

بی آر بی پر کھچڑی

اور ساری بی آر بی پر کھچڑی پکا کر پوزیشن اس طرح کر دی کہ فائر بندی والے دن یہ حالت تھی
مقبول پورہ میں سولہ پنجاب کی ایک کمپنی۔ ساتھ راوی سائفن پر پندرہ بلوچ کی دو کمپنیاں۔ آگے
بھسین پر ۱۸ بلوچ کی ایک کمپنی۔ بیچ ۱۵ ایف ایف کی ایک پلٹون۔ پیچھے گیارہ بلوچ کی دو کمپنیاں
ان کے آگے ۱۸ بلوچ کی دو کمپنیاں اور ساتھ گیارہ ایف ایف کی ایک ایک کمپنی، بیچ میں بارہ پنجاب کی
ایک کمپنی، اُس سے دائیں آٹھ پنجاب کی ایک کمپنی، اُس سے آگے ہماری سولہ پنجاب کی دو کمپنیاں۔ اور ہمارے
دائیں پیچھے پندرہ ایف ایف کی ایک کمپنی۔ اور ساتھ تین بلوچ کی دو کمپنیاں۔ ان کے دائیں سولہ پنجاب
کی ایک کمپنی۔ پھر گیارہ ایف ایف کی ایک پلٹون۔ اس کے بعد سترہ پنجاب کی دو کمپنیاں اور ساتھ
ایف ایف کی پلٹون۔ اس کے بعد بارہ پنجاب کی ایک یا دو کمپنیاں اور اس کے بعد پندرہ بلوچ کی ایک کمپنی

سارا محاذ بھان متی کا کنبہ

اب اس طرح سارا محاذ بھان متی کا کنبہ ہو گیا۔ سب سے آگے واہگہ روڈ پر ہماری دو کمپنیاں
تھیں۔ اور دس دن جو کچھ ہم نے دشمن کے ساتھ کیا اور یا اس نے ہمارے ساتھ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ
تھا کہ ہمارے ہر روز پانچ چھ جوان شہید اور اتنے ہی زخمی ہو جاتے تھے۔ لیکن آخری دو دن ہم لاشیں بھی
نہ اُٹھا سکے۔ اور فائر بندی کے بعد ہم نے جہاں ساٹھ، ستر شہدا کی لاشیں اُٹھائیں دشمن ہمارے سامنے
سے تقریباً سات سو لاشیں اُٹھا کر لے گیا۔ جس کا واویلا تین سال بعد بھارتی لوک سبھا میں اُٹھا کر بغیر وجہ
نقصان کرایا۔ میں پوری کہانی نہیں لکھ رہا۔ لیکن مجھے یہ کہنے کا حق ہے کہ بارہ ستمبر سے فائر بندی
تک کوئی بریگیڈیئر نہیں کہہ سکتا کہ میں نے لاہور محاذ پر تجویز بنائی اور یہ عمل کرایا۔ یا ۱۸ بلوچ کے کرنل
اختر کے علاوہ کوئی کرنل کے عہدہ کا افسر نہیں کہہ سکتا کہ اس نے بی آر بی سے آگے قدم رکھا۔
لاہور کے محاذ پر کوئی یونٹ کہہ سکتی ہے کہ وہ بی آر بی سے آگے نکلے اور ان کے جوانوں نے دشمن

کے ساتھ جھڑپ میں یہ نقصان اُٹھایا۔ بلکہ پورے لاہور محاذ پر تو پخانہ اور ہوائی جہاز کی بمباری سے کل نقصان بھی چند شہیدوں اور درجن زخمیوں کے برابر ہے۔

اُوپر والے خاموش بیٹھ گئے

ظاہر ہے کہ لوگوں کو نہ لڑایا گیا اور لوگ بی آر بی پر بیٹھے رہے جو قدرتی دفاع تھا۔

فائر بندی کا انتظار

اب یہ ہماری قسمت میں تھا کہ ہم بی آر بی سے ایک میل آگے تھے اور بڑی سڑک پر۔ لیکن ہم نے دشمن کو نہ معلوم ہونے دیا کہ ہم صرف دو کمپنیاں ہیں۔ ہم نے اپنے سے آگے ایک میل تک جوان رکھے ہوئے تھے۔ اور دائیں بائیں بھی پھیلاؤ تھا۔ ہمارے علاوہ ۱۸ بلوچ کی ایک کمپنی بھسین گاؤں میں تھی۔ اور ان سے پہلے وہاں ۸ پنجاب کی کمپنی تھی جو اب ہمارے پیچھے ڈوگرئی گاؤں میں آگئی۔ بریگیڈیئر قیوم شیر کا ٹیکٹیکل ہیڈ کوارٹر بی آر بی کے آگے اونچی زمین پر تھا۔ وہ بھی گیارہ ستمبر کو وہاں سے بھاگا تو پھر بی آر بی کے آگے نہ آیا۔ شاید ۱۵ بلوچ کے کچھ جوان سائفن کے آگے تھے۔ لیکن ہمارا پوزیشن ہی دشمن کے لئے زیادہ اہم تھا کہ وہ بی آر بی پر کوئی کارروائی نہ کر سکتا تھا کہ ہم اس کے سینہ میں تلوار کی طرح تھے۔ اس لئے اگلے دس دن اس نے ہمیں مٹانے پہ صرف کئے۔ اور بے شک ہمارا نقصان روزانہ کے حساب دس یا بارہ شہید اور زخمی تھے۔ لیکن کمک آتی رہی۔ صد افسوس کہ اوپر والے ایک آدھ اور ایک پوزیشن آگے وقتی طور پر رکھ لیتے تو نہ ہمارا وہ نقصان ہوتا جو آخری دن ہوا۔ اور نہ دشمن بی آر بی کے اتنا نزدیک پہنچتا۔ لیکن افسوس کہ پنڈی میں ایوب خان دل چھوڑ چکا تھا۔ اور ہمارے افسر ہر جگہ فائر بندی کا انتظار کر رہے تھے۔ بھارت والے جنگ ہار کر کے بھی فائر بندی سے ایک دن پہلے حملہ کر کے اپنے جوانوں کا مورال بڑھاتے ہیں لیکن ہم سب کچھ کھو چکے ہیں۔

مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود

خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی!

ڈوگرئی کا میدانِ جنگ

لاہور کے محاذ کی جنگ کے بیان کو اب مختصر کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ ساری جنگ ڈوگرئی کے میدان تنہا دو کمپنیاں لڑ رہی تھیں جو ہماری امداد کو آتا تھا ان کا بھی نقصان ہوتا تھا۔ ۲۳ کیولری کا سپاہ اور نوجوان

لیفٹیننٹ جعفر، توپخانہ کا میجر اوپل اور ۱۸ بلوچ کے کپتان خورشید وغیرہ سب میرے پیچھے تھے۔ اور
کے ساتھ اُن کی ٹکر اُس وقت ہوتی تھی جب دشمن میرے بائیں بازو سے نکلنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور ایسی
جنگ میں وہ باری باری شہید ہوئے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں جب میجر فرید، تبدیل ہو
پہنچ گیا تو ہمارے اُوپر والوں نے حکم دیا کہ میجر امیر افضل کی تبدیلی کیوں روک رکھی ہے۔ اس کو جلد مردان
خیر میجر فرید تو ایک دن کے بعد زخمی ہو کر چلا گیا۔ اور راقم نے ایسی حالت میں اپنے جوانوں کو چھوڑنے سے انکار کر
میرے کرنل نے خود جاکر بریگیڈ والوں کو سمجھایا کہ اس کو میری ضرورت تھی۔ یعنی اندھیر نگری کی یہ حالت تھی کہ ا
والوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ہم کس قسم کی جنگ سے دوچار ہیں کہ میجر فرید جو ایک دن کے لئے میری کمانڈ پو
میں گیا کہ میں کرنل کی کمانڈ پوسٹ میں کام کروں گا اور کرنل گول والہ بریگیڈ کو حقیقت بتانے گیا۔ تو جب گول
واپس آیا تو میجر فرید نے اس کو صاف صاف کہہ دیا کہ یہ جگہ لڑائی لڑنے کے لئے موزوں نہیں۔ یا اوپر والے ہمار
مدد کریں۔ یا ہمیں بھی یہ پوزیشن چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور پھر اُسی شام کو وہ زخمی ہو کر ہسپتال چلا گیا جس پر
لے دے ہوئی۔

کمانڈ دوبارہ سنبھالنا

لیفٹیننٹ افتخار کی مدد سے اس رات کو میری کمپنی کی کمانڈ دوبارہ سنبھالنے، اور جوانوں کو اپنی جگہ تا
رکھنے یا دشمن کا حملہ پسپا کرنے کے سلسلہ کی کہانیاں کتاب کا مضمون ہیں۔ اور بہر حال اگلے دو دن میں ہمارے پا
آدھی نفری رہ گئی۔ اور ۱۲ ستمبر کی شام کو کرنل گول والہ نے لیفٹیننٹ افتخار کو بریگیڈیئر قیوم شیر کے پاس بھیجا
ہماری مدد کرو ورنہ اس رات ہم ختم ہو جائیں گے۔ بریگیڈیئر قیوم شیر نے کہا کہ صبح سے پہلے مدد نہیں ہو سکتی
لیفٹیننٹ افتخار واپس مڑا تو ہمیں گھیرا پڑ چکا تھا اور وہ ہمارے بیچ نہ شامل ہو سکا۔ وہ ۱۲ پنجاب کے میجر
محبوب کی کمپنی میں ٹھہر گیا اور وہاں سے بریگیڈیئر قیوم شیر کو بتایا کہ دشمن ہمارے پیچھے بھی پہنچ چکا
تھا۔ خدا کے لئے کچھ کرو۔ لیکن بریگیڈیئر قیوم شیر نے وعدہ صبح کا ہی کیا۔

ہمیں گھیرا پڑ گیا

لیکن افسوس صبح کو بھی کچھ نہ کیا۔ ہم نے رلانت جو گزاری اس کی کہانی کئی مضمونوں میں ختم نہیں
ہوتی۔ ہمارے پیچھے دشمن کی ۳/۹ جاٹ رجمنٹ پہنچ چکی تھی اور میرے بائیں بازو اور سامنے سے دشمن
کی چودہ پنجاب حملہ پر حملہ کر رہی تھی۔ اور کپتان صغیر کا یہی حال دشمن کی پندرہ ڈوگرہ رجمنٹ کر رہی

تھی۔ میرے پاس کوئی پچاس جوان زندہ رہ گئے تھے یعنی کمپنی کا تیسرا حصہ اور صغیر کے پاس ساٹھ یا پینسٹھ۔ لیکن پھر بھی ہم دن کے نو بجے تک لڑتے رہے۔ اگر صبح سویرے بھی بریگیڈیئر قیوم شیر بلوچ کی وہ کمپنی ہمارے پاس بھیج دیتے جس سے بعد میں حملہ کرایا تو بھارت کی پوری پلٹن ۹/۳ جاٹ قید میں تھی۔ لیکن بریگیڈیئر قیوم شیر بی آر بی سے پیچھے زبانی حکم دے رہا تھا اور نو بجے کے بعد بی آر بی پر پہنچا۔ جب دشمن کی بکتر بند گاڑیاں ہمارے مورچوں سے سو گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو کر ہمیں تباہ و برباد کر رہی تھیں اور ایک دو نے میری پوزیشن کو روند ڈالا تھا اور گول والہ کی کمانڈ پوسٹ جل رہی تھی ہمارے سب ہتھیار بیکار تھے کہ بارود ختم تھا۔

سفید رومال یا شہادت

اب صرف ایک بات رہ گئی تھی کہ سفید رومال اُوپر کر کے بھارت کی قید اختیار کر لیں۔ اس پر گول والہ نے کہا کہ وہ اور کپتان صغیر شہید، ڈوگرئی گاؤں جا رہے ہیں اور میں اپنے جس آدمی کو نکال سکتا ہوں نکالوں۔ گول والہ اور صغیر کو میں نے ڈوگرئی پہنچتے دیکھا۔ گول والہ وہاں زخمی ہو گیا اور صغیر شہید ہو گئے۔ کہ وہاں دشمن کا قبضہ تھا۔ اب میں نے اللہ تعالیٰ کو آواز دی کہ اے رب العالمین! اتنے دن اس لئے زندہ رکھا کہ بھارت کا قیدی ہونا تھا۔ میرے لئے کوئی گولی نہ تھی کہ مجھے ٹھنڈا کر دیتی۔ پھر اللہ نے ہمت دی پہلے لیفٹیننٹ اختر کو ایک گروہ کے ساتھ نکالا۔ اختر تو بی آر بی کے پاس پہنچ کر شہید ہو گیا۔ لیکن اس گروہ سے تین چار جوان بچ کر نکل گئے۔ انہوں نے لیفٹیننٹ انتظار کو حالات سے آگاہ کیا۔

پندرہ جوان محاصرہ سے نکل سکے

میں خود اور صوبیدار چنار گل دوسرے راستے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن چاروں طرف سے دشمن فائر کر رہا تھا۔ تو میں نے اجازت دے دی کہ اب اکیلا اکیلا نکلنے کی کوشش کی جائے۔ تو اس طرح میرے سمیت چوبیس گھنٹوں میں میری کمپنی کے کُل پندرہ آدمی گھیرے سے نکل سکے اور صوبیدار رستم سمیت کپتان صغیر کی کمپنی سے کوئی بائیس آدمی نکل آئے۔ لیکن ہم الگ الگ تھے۔ صوبیدار رستم اور میں نے چھ آدمی کا گروہ بنا کر بی آر بی پر پوزیشن لے لی اور گھیرا توڑ کر نکلنے والوں کی اشاروں سے مدد کی۔ اس دن ڈوگرئی گاؤں میں اپنے پرائے کی کوئی تمیز نہ رہی۔ سورج غروب ہونے والا تھا کہ ہم بھی تھکن سے چور ہو کر اپنے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کی تلاش کے لئے پیچھے چل پڑے اور جب فائر بندی ہوئی تو دوسرے راستے سے میں

رپئر سے صوبیدار میجر اشرف اور لیفٹیننٹ افتخار کے ساتھ ڈوگرکی گاؤں پہنچ گیا۔

وہاں بھارتی بریگیڈیئر نرنجن سنگھ تھا جس کے ساتھ سمجھوتہ کرکے اپنی لاشیں اُٹھائیں ۔ جو آج بھی لا ہ

فوجی قبرستان میں ایک شہید گنج میں دفن ہیں ۔ یہ کوئی ساٹھ کے قریب تھیں اور بائیس جوانوں کی لاشیں آ

نہیں ملیں اور باقی سنتالیس کے قریب نوجوان بھارت کے قیدی بنے جن میں آدھے سے زیادہ نڈھال زخ

جن میں صوبیدار حکیم اور کئی بعد میں فوت ہوگئے۔ اور دس کے قریب ٹانگوں یا ہاتھوں کے اُڑ جانے یا کاٹے

کی وجہ سے اب بھی معذور ہیں۔

شہید گنج

لاشوں کے دفن کا کام زیادہ تر میجر فرید اور صوبیدار میجر اشرف نے کیا ، اور مجھے بریگیڈیئر قیوم شیر

بلا بھیجا کہ وہ حالات سُننا چاہتا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ "افتخار کو اُس کے پاس بھیجا گیا ۔ اگر وہ صبح سویر

بی آر بی آجاتا تو اس کو نظر آجاتا ۔ اب مجھ سے وہ کیا پوچھتا ہے"۔ پھر میں نے اُس کو گیارہ ستمبر کی بات بتا

کہ وہ لڑائی لڑنے کے لئے دل اس وقت چھوڑ چکا تھا اور پُل کو اُڑا رہا تھا ۔ پھر ایک دن آکر ہماری حالت

دیکھی اور لیفٹیننٹ افتخار اس کے پاس بھیجا گیا تو بھی کچھ نہ کیا اب جو ہونا ہے ہوگیا ۔ میں سب کچھ لکھ کر

گا اور انکوائری کراؤں گا ۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ "گول والہ اور صغیر مجھ سے پیچھے تھے ۔ ایک شہید ہوگیا اور دوسرا

اور قیدی ۔ میں کیسے بچ گیا"۔ میں نے کہا کہ "جو لوگ جنگ سے فرار ہوتے ہیں وہ ایسی باتوں کو نہیں سمجھ

تم نے پانڈو کے مقام پر جو کچھ ۱۹۴۸ء میں کیا ۔ تمہیں کپتانی میں گھر جانا چاہیئے تھا ۔ اب لڑائی ختم

تم نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا ، اس وجہ سے میں تمہیں اپنا بریگیڈ کمانڈر تسلیم نہیں کرتا ۔ اب کوئی اوپر

ہی آکر ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا"۔

اپنوں کو ہماری خبر نہ تھی

اس کے بعد ہماری پلٹن کا پُرانا کرنل مصطفےٰ جو قصور محاذ پر تھا وہ پلٹن کی عظیم قربانی سن کر ہیلی کاپٹر پر

میرے پاس پہنچ گیا ۔ اور سارے حالات سن کر حیران ہوگیا ۔ اور کہنے لگا کہ وہ جا کر حالات جنرل سرفراز کو بتائے

گا اور اگر اس نے کچھ نہ کیا تو پھر وہ جی ایچ کیو کو آگاہ کرے گا ۔ تم ایک دن صبر کرو ۔

دوسرے دن کیا دیکھتا ہوں کہ بریگیڈیئر قیوم شیر میرے ہیڈ کوارٹر سے ذرا دور آکر جیپ سے اُتر

میرے ہاتھ میں پستول تھا اور میں نے دُور سے پُکارا کہ کوئی غدار میرے ہیڈکوارٹر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں، کہ میجر غلام حسن (بعد میں جنرل اور وزیر پیداوار) جو مجھ سے سینئر تھا اور ہمارا سیکنڈ اِن کمانڈ تھا۔ وہ مقبول پورہ سے وہاں پہنچ گیا۔ مجھے گلے لگایا اور کہنے لگا "امیر افضل تم اور پلٹن کی دو کمپنیوں نے جو کچھ کیا قوم کو اس پر فخر ہے۔ آپ لوگوں نے جرأت کا مظاہرہ کیا اور لاہور کو بچایا۔ اب مجھے اس پلٹن کی کمانڈ مل گئی ہے۔ میں اس پلٹن کا سرکاری کمانڈر ہوں اور تم روحانی کہ سب لوگ تمہیں باپ سمجھتے ہیں لڑائی ختم نہیں ہوئی۔ پھر چھڑ سکتی ہے۔ میری مدد کرو کہ ہم نے پلٹن کو دوبارہ کھڑا کرنا ہے۔"

سرفراز آئے

ساتھ ہی کہا "جنرل سرفراز آرہے ہیں اور وہ آپ لوگوں کو ملنا چاہتے ہیں"۔ میں نے کہا کہ میری ذہنی حالت ایسی ہے کہ کسی نے غلط سوال پوچھ لیا تو میں اس کو شوٹ کر دوں گا۔ اس لئے میں جنرل سرفراز سے نہیں ملتا۔ یہ افتخار ہے، یہ صوبیدار رستم ہے، اور حوالدار امیر خان وغیرہ چند بچے ہوئے لوگ ہیں۔ جنرل سرفراز ان کے ساتھ مل کر پوچھ لے کہ کیا ہوا؟ تو میں الگ ہو گیا۔ سب جوانوں نے جنرل سرفراز کو حالات بتائے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ اور بریگیڈیئر قیوم شیر کی شکل وہ پہلے دن دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری اب صرف ایک ڈیمانڈ ہے کہ انکوائری ہو جائے۔ اور ہم اب اس فوج میں نوکری نہیں کرتے۔ لیکن کون انکوائری کراتا اور کس کس کی انکوائری ہوتی۔ کپتان صفدر اب جنرل کو بلا کر مجھ میں نئی "زندگی" ڈالی جا رہی تھی کہ پلٹن کو دوبارہ کھڑا کر کے اس میں جان ڈالنی ہے۔ شہیدوں کا بدلہ لینا ہے۔ اور تسلی دی جا رہی تھی کہ بھارتی بھی یاد رکھیں گے کہ سات سولاشیں تمہارے سامنے پڑی تھیں وغیرہ۔ بہرحال اس سلسلہ میں میں غلام حسن اور صفدر کا شکر گزار ضرور ہوں کہ اب یہ حقیقت لکھ رہا ہوں۔

جنگ سے نابلد قوم

اسی دن صوبیدار میجر اشرف کی معیّت میں مجھے برڈوڈ بیرک میں واپس بھیج دیا گیا۔ اور چوری چھپے میری نگرانی ہوتی رہی تھی کہ میں حالات اخبار والوں کو نہ بتا دوں۔ لیکن میں کیا کیا بتاتا۔ جب میں محاذ سے چھاؤنی میں داخل ہوا تو آگے خوش آمدید کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ نوجوان بوتلیں پلا رہے تھے۔ خوش آمدید کے نعرے لگ رہے تھے۔ یہ سماں دیکھ کر پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کی 'اے رب العالمین میرے لئے کوئی گولی نہ تھی جو مجھے ٹھنڈا کر دیتی۔ جنگ سے نابلد قوم کو معلوم نہیں کہ ہم نے کیا چاند

چڑھائے ہیں۔ بھارت والے ہمارے علاقہ میں بیٹھے ہیں اور ہم "ریگستان" فتح کرکے مطمئن
رہے ہیں کہ ہماری فتوحات زیادہ ہیں ہاں۔ جنگ کے پہلے دن بھی لاہور سے ایک لاکھ کا مجمع اُمڈ
تھا۔ چھاؤنی پہنچ کر دس ہزار رہ گیا۔ شالامار باغ کے پاس ایک ہزار، تھانہ مناواں کے پاس ایک سو
اور جنگ میں شرکت کے لئے کوئی درجن جوان رہ گئے۔ جن میں دو تین ہی نے پوری جنگ میں شرکت
اور ادھر ریڈیو سے ہم گیت گا رہے تھے کہ میرے ڈھول سپاہیا۔ اور، جنگ کھیڈ نہیں ہوندی زنانیا
دی۔ پھر نتیجہ ۱۹۷۱ء میں دیکھ لیا۔ اور اب بھی نہیں سمجھے۔ بھارت اور روس کے ڈر سے کانپ رہے
ہیں۔ اور امریکہ کی یقین دہانی پر گزارا چل رہا ہے۔ اور یہ بھول گئے کہ

میخانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اوّل دیتے ہیں شراب آخر

اور افسوس کہ

آہ کھو گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

اخباروں میں جھوٹی کہانیاں

لاہور کے محاذ کے حالات ذرا تفصیل سے بتائے گئے ہیں کہ میں عینی شاہد ہوں اور اور یہ باور کرانا تھا
اس سے پہلے آپ نے جو کچھ اخباروں میں پڑھا وہ کیا تھا۔ اور حقیقت کیا تھی۔ اب دیکھیں کہ واہگہ محاذ پر پہلے دن
میجر علیم الدین شہید اور میجر عارف جان شہید نے اپنی جان پر کھیل کر دشمن کو روکا پھر آخری دنوں میں میرے
متعدد ساتھیوں کو شہادت نصیب ہوئی جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ ان میں میجر مبارک، میجر
لیفٹیننٹ جعفر، کپتان خورشید، میجر اوپل، کپتان مظہر، کپتان صغیر، لیفٹیننٹ اختر اور کپتان
شامل ہیں۔ یعنی ان سب افسروں نے بی آر بی کے آگے لڑتے ہوئے شہادت حاصل کی۔ اور یہ جنگ
بھرپور تھی کہ کوئی درخت نہ بچا۔ اس کے مقابلے میں برکی محاذ پر بی آر بی کے آگے صرف صوبیدار
شہید ہوا۔ اور دو افسر میجر حبیب اور میجر بھٹی جی آر بی کے پیچھے شہید ہوئے۔ جن میں میجر بھٹی
نشانِ حیدر دے دیا گیا۔ بے شک بھٹی ایک عظیم انسان تھے۔ ان کا رویہ بڑا اچھا تھا۔ لیکن جنگ میں انہوں
نے کیا کام کیا۔ آج تک واضح نہیں ہو سکا۔ ستمبر ۶/۵ رات انہوں نے گھر گزاری اور بھارتیوں کا حملہ پسپا ہو

تھا تو تب برکی پہنچے۔ برکی گاؤں انہوں نے نو ستمبر کو چھوڑ دیا۔ اور ان کے آگے صوبیدار عالم زیب بارہ ستمبر یا تیرہ ستمبر تک لڑتا رہا۔ اور شہید ہوا۔ جس وقت میجر بھٹی کو ہوائی جہاز کی گولی لگی، دشمن ان کے سامنے نہ تھا اور میجر بھٹی کے اچھے رویہ کی وجہ سے کرنل ابراہیم قریشی ان کے لئے ستارۂ جرأت کی سفارش کی۔ لیکن جنگ ختم ہونے والے دن یونٹ کو کہا گیا کہ نشانِ حیدر کی سفارش کریں۔ میجر بھٹی عظیم ہیں اور شہید ہو جانے والے کے لئے اچھے الفاظ کو قائم رہنا چاہیئے۔ اور ڈویژن نے جو کرایا وہ ہو گیا۔ کیا اس طرح سے ہمارے کپتان صغیر، قصور محاذ کے کرنل صاحبزادہ گل اور میجر خادم حسین، سیالکوٹ محاذ کے میجر رضوی اور میجر عباسی اور متعدد شہداء کے ساتھ بے انصافی نہیں ہو جاتی جنہوں نے میجر بھٹی سے سینکڑوں درجہ بہتر کام کیا۔ لیکن ان کو صرف ستارۂ جرأت ملا۔ کیا برکی محاذ پر نشانِ حیدر دے کر واہگہ محاذ کی اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنا تھا؟

بہادری کے تمغے

بہرحال لاہور محاذ کے باقی بہادری کے تمغوں پر اب کوئی خاک تبصرہ کرے کہ جنرل سرفراز اور بریگیڈیئر قیوم شیر کو بھی ہلالِ جرأت مل گیا۔ اور شاید باقی محاذوں پر بھی یہی حال ہو کہ جنرل یحییٰ کو بھی ہلالِ جرأت سے نوازا گیا اور جنرل محمد موسےٰ کو بھی۔ جنگ سے نابلد قوم اور برطانوی طرز پر سکھلائی ہوئی فوج میں ایسا ضرور ہو گا اور تب ہی یہ گنہ گار عرصہ سے اسلامی طرز زندگی اور اسلامی فلسفۂ دفاع پر زور دے رہا ہے۔ اب باقی محاذوں کا مختصر حال آتا ہے۔

شہید رفقاء کو سلام

لاہور محاذ کے حالات کو ختم کرتے وقت میں اپنے شہید ساتھیوں کو سلام کرتا ہوں، جن میں بائیس کے قریب کے جسدِ خاکی اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے یا زمین کے نیچے دب گئے کہ اس عارضی دنیا پر ان کا کوئی نشان موجود نہیں۔ لاہور کے اوپر والے افسروں نے پورے دو سال تک اس واقعہ کی بھنک بھی باہر نہ نکلنے دی کہ ان پر حرف آتا تھا اور نہ کوئی سڑک ان کے نام پر موسوم کی گئی۔ نہ ہی واہگہ روڈ پر ان کا یا ان کی یونٹ کا کوئی مینار بننے دیا۔ ہاں البتہ فوجی قبرستان میں ایک شہید گنج اور کچھ الگ قبریں ان کی یاد میں دن بدن اُبھر رہی ہیں اور اب بہت زیادہ لوگوں نے وہاں جانا شروع کر دیا ہے۔ پچھلے دنوں میرا بیٹا شبیر مرتضیٰ جو اسی یونٹ میں کپتان ہے۔ اور بچپن سے ان لوگوں کو جانتا تھا وہ میری بیٹی اور بہو کے ساتھ وہاں گیا۔ کہتے ہیں کہ

واقعی شہید زندہ ہیں کہ وہاں سے آنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

قصور محاذ

اب قصور محاذ پر چلئے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہی محاذ ہماری اُمیدوں کا سہارا تھا۔ لیکن اختر ملک کی چھمب جوڑیاں کی کارروائی نے وہاں سے پیدل دستے آدھے کر دیئے۔ اور یکی کو پانچوں سواروں میں شامل کرنے کے لئے سب پیدل دستوں کو بعد میں چھمب بھیج دیا گیا۔ جو نہ کوئی کام وہاں کر سکے اور نہ اصلی کام ہوا۔ قصور محاذ بھارت کا کمزور ترین علاقہ ہے۔ اور قصور سے نیچے جتنا جنوب کو جاتے جائیں۔ بھارت کی کمزوری زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ لیکن اس طرف سے بھارت کو تاخت وتاراج کرنے کے لئے ایسی کارروائی کامیاب نہیں ہو سکتی جیسی ہم نے ۱۹۷۱ء میں جیسلمیر کی طرف کی۔ یا ایک اور جگہ سے تجویز تھی، جس تک ہم پہنچ ہی نہ سکے۔ بہرحال قصور محاذ سے اگر پہلا بکتر بند ڈویژن اور ساتواں پیدل ڈویژن مل کر جارحانہ کارروائی کرتے اور جو کمانڈر تھے ان کے ساتھ بھی امرتسر اور جالندھر تک پہنچ جانا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اور اگر کمانڈر بھی اچھے ہوتے تو دہلی تک پہنچنا بھی کوئی مشکل نہ تھا۔ بھارت جس طرح کشمیر میں پھنسا ہوا تھا اور لاتعداد افواج کو سیالکوٹ محاذ پر لے گیا تھا۔ تو قصور سے کھیم کرن، ترن تارن اور امرتسر تک دو دن میں پہنچنا کوئی مشکل نہ تھا۔ قصور کا دفاع جنرل حمید کا گیارہواں ڈویژن کر رہا تھا۔ ایک بریگیڈ روہیوال کے علاقے میں اور ایک ٹیڈی بریگیڈ حسینی والا کی طرف۔ تیسرا بریگیڈ بھی کچھ نامکمل طور پر ساتھ تھا۔ جو ۵/۶ ستمبر کی رات کو "بھیری" بن کر گوجرانوالہ سے آ گیا۔ پوری کہانی اُوپر والوں کی نالائقی کی بدترین مثال ہے بھارت نے لمبا چوڑا محاذ دکھانے کے لئے ۷ ستمبر صبح کو کھیم کرن سے روہیوال پر حملہ کر دیا اور ہماری سات پنجاب کے میجر مرزا کی ایک کمپنی سے کچھ علاقہ لے لیا۔ جبراً گن کارروائی تھی اور کچھ علاقہ فرنٹیئر فورس سے بھی لے لیا۔ سات پنجاب کے کرنل شیرازی نے اُسی وقت اپنے بٹالین سے جوابی حملہ کرا دیا، جس سے بھارتی بھاگ گئے۔ کچھ قیدی بنے اور سارا علاقہ سات پنجاب نے واپس لے لیا۔

قیصرِ ہند

گیارہویں ڈویژن کے دوسرے بریگیڈ نے حسینی والا اور قیصرِ ہند پر حملہ کیا۔ لیکن وہاں کامیابی نہ ہوئی میرا خیال ہے کہ یہ حملے ضروری نہ تھے۔ ہاں دشمن کو اُلجھا رکھنا کافی تھا کہ دشمن کو پتہ نہ چلے کہ ہمارا بڑا حملہ کس سمت کو ہو گا۔ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ وہاں پر کوئی کور ہیڈ کوارٹر نہ تھا جو گیارہویں ڈویژن اور بکتر بند ڈویژن کے کام کو COORD کرتا۔ بہتر طریقہ یہ تھا کہ سارے علاقہ کو جنرل حمید کی کمانڈ میں دے دیتے

ڈ سینئر تھا۔ لیکن گل حسن نے کہا کہ نہیں بکتر بند ڈویژن بڑا ہے۔ وہ پیدل ڈویژن کمانڈر کے ماتحت کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے جی ایچ کیو سے چیف آف دی جنرل سٹاف جنرل ملک شیر بہادر کو بھیجا گیا کہ وہ بکتر بند ڈویژن کو حملہ کرائے۔ اور حمید کو صرف یہ کہا گیا کہ بکتر بند ڈویژن پر نظر رکھنا۔

بکتر بند دستوں کا حملہ

جنرل شیر بہادر نے گیارہویں ڈویژن سے روہیوال نالہ پر برج ہیڈ بنوایا جو کام ایف ایف کی ایک پلٹن نے خوش اسلوبی سے پورا کر لیا اور بکتر بند دستوں کو حملے کا حکم دے کر وہ واپس G.H.Q جی ایچ کیو آگئے یا ادھر ہی کہیں ٹھہر گئے۔ بہرحال ان کا کام ختم تھا۔ اب جنرل نصیر کی باری تھی۔ اس نے روہیوال پر بکتر بند گاڑیوں کے لئے ایک پُل بنوایا کہ یہاں سے حملہ ہوگا۔ یہ بڑی غلطی تھی ایسے کام کے لئے تین نہیں تو کم از کم دو پُل ہونے ضروری تھے۔ بہرحال جنرل نصیر نے بریگیڈیئر بشیر کو حکم دیا کہ اس کا بریگیڈ ہراول کا کام کرے گا کہ بریگیڈیئر بشیر باتیں بہت کرتا تھا اور اس کے "تکبر" کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب بریگیڈیئر بشیر نے کرنل صاحبزادہ گل کی یونٹ کو حکم دیا کہ وہ آگے بریگیڈ کا ہراول ہوگا۔ اور واقعی صاحبزادہ گل سے بہتر کوئی آدمی اس ڈویژن میں نہ تھا۔ جو یہ کام ایسی خوش اسلوبی سے کرتا۔ اور صاحبزادہ گل نے پل بھر میں کھیم کرن پر قبضہ کر لیا۔ لیکن بکتر بند دستوں کے ایسے یلغار کے لئے بریگیڈیئر بشیر کو خود آگے آنا چاہیئے تھا کہ آنکھ سے بھی دیکھتا کہ کیا ہو رہا ہے لیکن وہ روہیوال نالہ تک بھی نہ آیا۔ اور پیچھے بیٹھ کر وائرلیس پر حکم دے رہا تھا۔

صاحبزادہ گل کے ساتھ ایک سکواڈرن تھا اور دوسرا آدھا پہنچا تھا۔ کچھ تیز حرکت کرنے والے پیدل دستے بھی پہنچ گئے۔ اور اگر صاحبزادہ گل کی ساری یونٹ کھیم کرن پہنچ جاتی تو صاحبزادہ گل بھارت کی اس ریل گاڑی پر بھی قبضہ کر لیتا جو اس وقت بھارت کی ایک بکتر بند یونٹ کو لے کر محاذ پر پہنچی تھی۔ لیکن جب نالائقی ہو تو اللہ بھی مدد نہیں کرتا۔ صاحبزادہ گل کی یونٹ کے میجر دوست محمد کی گاڑی بکتر بند پُل سے "پھسل" گئی اور گاڑی بھی نالہ میں گر گئی اور میجر صاحب بھی شہید ہو گئے۔ ساتھ ہی پُل بھی ناقابلِ استعمال ہو گیا۔ اب اگر بریگیڈیئر بشیر وہاں ہوتا تو اس پُل کو جلدی مرمت کراتا۔ یا ایک اور ایمرجنسی پُل کو وہاں لگواتا۔ کہ پہلے صرف ایک پُل لگانے کا خمیازہ بھگت رہے تھے۔ اور اس سلسلہ میں جنرل نصیر سے لے کر اوپر جی ایچ کیو میں بریگیڈیئر گل حسن اور جنرل محمد موسیٰ سب قصوروار ہیں کہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ۔

منزل رہ رواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے

صاحبزادہ گل کو واپس آنا پڑا

صاحبزادہ گل نے بہت انتظار کیا، اور دشمن کو کھیم کرن کے پاس اُلجھائے رکھا۔ لیکن جب پیچھے سے سب کچھ آنا بند ہوگیا۔ تو وہ مجبور ہوگیا کہ خود واپس آئے اور اپنی یونٹ کے باقی ٹینک آگے لے جائے تو اس نے کیا دیکھا کہ پل بھی ناقابلِ استعمال ہے اور روہیوال نالہ پر تماشہ بنا ہوا ہے۔ اس نے خود پل کو ٹھیک کرانے کی کوشش کی۔ سیٹ پر اور ویسے بھی اوپر والوں کو کچھ کھری کھری سنائیں۔ ڈویژن ہیڈ کوارٹر تک بات پہنچی اور بڑے افسروں کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ پہلے ہی بہت خراب تھے۔ سنتے ہیں کہ غیر حاضری میں ایک دوسرے کا نام گالی گلوچ کے بغیر نہ لیتے تھے۔ بس اور گالی گلوچ شروع ہوگئی۔

صاحبزادہ گل کی شہادت

صاحبزادہ گل اپنے سکواڈرن کو لے کر آگے بڑھا۔ اور بھارت والوں کے ساتھ ایک سخت جھڑپ میں شہید ہوگیا۔ دراصل کرنل صاحبزادہ گل جب واپس آیا تو بھارت والوں نے کھیم کرن پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے بھرپور، جوابی حملہ کر دیا تھا۔ اور ان کو کچھ کامیابی بھی ہوئی تھی۔ لیکن صاحبزادہ گل اور اس کی یونٹ نے بھارتیوں کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اب بھی بریگیڈیر بشیر اگر آگے ہوتے تو پیش قدمی جاری رہ سکتی تھی۔ لیکن بریگیڈیئر بشیر نے سارا قصور توپخانہ پر ڈال دیا کہ وہ مدد نہیں کرتے۔ توپخانہ کے بریگیڈیئر شامی تمغۂ جرأت خود محاذ پر آگے گئے تھے۔ حالانکہ اگلے بریگیڈ کے ساتھ ان کے ایک کرنل کا ہونا کافی تھا، وہ یہ سب نہ برداشت کر سکے اور انہوں نے بریگیڈیئر بشیر کو کہا کہ اگر ہمت ہے تو آگے آؤ۔ ہم دونوں مل کر پیشقدمی کی کمانڈ کریں گے۔ وہاں سے شرم کی وجہ سے بریگیڈیئر بشیر چل تو پڑا لیکن جیسے ہی اگلے محاذ پر پہنچے وہاں پر ایک ایسی جگہ دشمن میں گھر گئے جہاں دشمن کی ایک پاکٹ ابھی موجود تھی۔ بریگیڈیئر شامی نے تو بہادرانہ لڑتے ہوئے اپنی جان اللہ کے حوالے کر دی۔ لیکن بریگیڈیئر بشیر وہاں سے بریگیڈیئر شامی کو اُدھر ہی چھوڑ کر واپس آگیا۔ بریگیڈیئر شامی کا جسدِ خاکی بھارت والوں نے فائر بندی کے بعد ہمارے حوالے کیا۔

بکتر بند دستے اور پیدل دستوں میں رابطہ نہ تھا

ادھر بد قسمتی یہ تھی کہ بکتر بند دستوں اور گیارہ ڈویژن کی پیدل فوج میں کوئی co.ord نہیں تھا۔ انصاف تو یہ تھا اور ذہنی حالت ایسی تھی کہ جیسے جیسے بکتر بند دستے آگے بڑھتے جاتے بائیں سے گیارہویں ڈویژن کے دستے آگے بڑھ کر فتح کی ہوئی جگہ پر قبضہ کرتے جاتے لیکن ایسی نہ تجویز بنائی گئی اور نہ اس وقت کسی کو خیال آیا۔ البتہ جنرل نصیر کو اوپر سے حکم مل رہا تھا کہ بکتر بند دستوں کو آگے بڑھاؤ۔ بریگیڈیئر بشیر کے بریگیڈ نے جو کچھ حاصل کرنا تھا ہو چکا تھا کہ صاحبزادہ گل کی شہادت اور بریگیڈیئر بشیر کے پیچھے رہنے سے اس بریگیڈ میں اب زیادہ سکت نہ تھی۔

بریگیڈیئر لمب کا تذبذب

جنرل نصیر نے اب بریگیڈیئر لمب کے بریگیڈ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جس نے اوّل تو آگے جانے میں بہت دیر لگا دی۔ پھر بریگیڈیئر لمب بھی خود زیادہ آگے نہ گیا اور کرنل نذیر کی رجمنٹ کو آگے بڑھایا کرنل نذیر دلیر آدمی تھا۔ اور اس نے پہلے مرحلہ میں خوب کامیابی حاصل کی۔ لیکن آگے جا کر رُک گیا کہ بکتر بند گاڑیوں کا پٹرول اور بارود نہ پہنچا تھا۔ اس نے بریگیڈیئر لمب کو کہا کہ وہ یہ بندوبست کرے۔ اور کچھ تیز حرکت کرنے والے پیدل دستے بھی بھیجے کہ وہ پیش قدمی جاری کریں۔ بریگیڈیئر لمب نے کہا کہ "کیا تمہارا پٹرول اتنا ختم ہو گیا ہے کہ بالکل رُک گئے ہو۔ اور پہلے بندوبست کیوں نہ کیا۔ اور کہاں گیا تمہارا جذبۂ جہاد جو تم امن کے زمانے میں باتیں کیا کرتے تھے۔"

نذیر برداشت نہ کر سکا

کرنل نذیر ایک بہادر آدمی تھا۔ وہ ایک غیر مسلم کی یہ باتیں برداشت نہ کر سکا۔ اس نے کہا کہ "پٹرول یا بغیر پٹرول کے میں اب پیشقدمی کر کے آگے جا رہا ہوں اور وہاں پر جا کر رُکوں گا جہاں میری گاڑیوں کا پٹرول ختم ہو گا۔ اور وہاں آخری دم تک لڑتا رہوں گا۔ بندوبست اور امداد کا کام تمہارا ہے اور میں اب کوئی بات نہ سنوں گا۔" کرنل نذیر آگے بڑھتا گیا اور دشمن کی صفوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ دشمن بھی حیران تھا۔ لیکن افسوس کہ بریگیڈیئر لمب نہ خود آگے گیا اور نہ کوئی امداد بھیجی اور کرنل نذیر اور اس کے دو سکواڈرن کمانڈر انور اور ایوب دشمن کے گھیرے میں آ گئے۔ وہاں پر بھارت کی طرف سے ایک مسلمان بریگیڈیئر محمد یونس تھا جو ہمارے جنرل صاحبزادہ یعقوب کا بھائی

یا رشتہ دار بتایا جاتا ہے۔ اس نے بھارت کو بچا لیا۔ اور بھاگتی ہوئی بھارتی فوج کو بتایا کہ ان کے دستوں کی امداد کے لئے کوئی پیدل فوج نہیں ہے۔ ٹھہر جاؤ اور ان سے مت ڈرو۔

گیارھویں ڈویژن نے مدد نہ کی

بدقسمتی سے ہمارے گیارھویں ڈویژن کے پیدل دستوں نے بھی ایسی کامیابی سے کوئی فائدہ اُٹھایا۔ ان کے جوانوں نے میرے سامنے تسلیم کیا کہ انہوں نے دیکھا کہ ہمارے بکتر بند دستے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے لئے کوئی احکام نہ تھے کہ ہم اس کامیابی کا کوئی فائدہ اٹھائیں اور شاید زمین اجازت نہ دیتی ہو کہ راقم سنی سنائی باتیں لکھ رہا ہے۔ چنانچہ کرنل نذیر اپنے سمیت بھارت کا قیدی ہو گیا۔ اور یہ خبر راقم نے اپنے مورچہ میں بھارتی ریڈیو سے سنی اور اس کے بعد بھارت والوں کو سمجھ آ گئی کہ قصور اور لاہور محاذ سے پاکستان آرمی کچھ زیادہ نہ کر سکے گی۔ اسی لئے میرے پوزیشن پر بھارتیوں نے زیادہ حملے شروع کر دیئے تھے۔

اسی دوران سیالکوٹ پر بھارت کا بڑا سخت حملہ ہو چکا تھا۔ اور قصور محاذ سے کچھ بکتر بند دستوں کو سیالکوٹ محاذ پر بھیجا گیا۔ جنرل نصیر کو ہٹا کر کمانڈ جنرل صاحبزادہ یعقوب کو دی گئی اور بریگیڈیئر لطیف اور بریگیڈیئر لمب کو بھی اس وقت یا فائر بندی کے بعد گھر بھیج دیا گیا۔ باقی کہانی ہم سیالکوٹ محاذ کے تحت بتائیں گے۔ لیکن یہ ایک افسوسناک پہلو ہے کہ ہمارے بکتر بند دستے جو بھارتی بکتر بند دستوں سے ہر لحاظ سے بہتر تھے ان کا صحیح استعمال نہ کیا گیا۔ ہمارے بکتر بند دستے عام طور پر یا تو افریقہ میں جرمن جرنیل رومیل کے جرمن پینسر ڈویژن کی تدبیرات کی نقل کرتے ہیں یا جرمن جرنیل گڈیرین کی ۱۹۴۰ء میں فرانس پر یلغار کو ذہن میں رکھتے ہیں۔ انحاویوں میں ہم دوسری جنگِ عظیم کے آخری دنوں میں امریکن جنرل پیٹن کی پیش قدمی اور فتوحات کی نقل کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارے پاس امریکن اور جرمن انڈسٹری نہیں۔ بلکہ صرف دو ورکشاپیں ہیں جو بکتر بند گاڑیوں کی مرمت بھی پوری طرح نہیں کر سکتیں۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں بکتر بند دستوں میں کئی عظیم سپوت تھے جن میں صاحبزادہ گل کا ذکر ہو چکا ہے لیکن میجر عباسی شہید، میجر مسعود شہید اور متعدد اور نوجوان تھے۔ خود میرے ساتھی میجر سرور شہید اور لیفٹیننٹ جعفر شہید کی عظمت کے میں آج بھی گن گاتا ہوں۔

بکتر بند دستوں کا ناقص استعمال

مجھے تو ہینڈی کیپ ۱۹۵۴ء کی جنگی مشقوں پر بھی سخت اعتراض تھا کہ ہم بکتر بند دستوں سے جس قسم کی "فتوحات" کی اُمیدیں وابستہ کر رہے ہیں یہ صحیح نہیں۔ اور یہی چیزیں راقم نے بریگیڈیر لمب کو جو اس وقت کرنل تھا اور بریگیڈیئر شبیر وغیرہ کو ۱۹۵۸ء میں بتائیں اور اس کا مختصر ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ ہمارا طریقہ حقیقت پسندانہ نہ تھا۔ اس ملک میں ہم بکتر بند دستوں کو اس طریقہ سے استعمال نہیں کر سکتے جیسے ستمبر ۶۵ء میں کیا۔ یہ انعام خداوندی ہے۔ اس کو بڑی "کنجوسی" سے استعمال کیا جائے اور زیادہ کام پیدل دستوں سے لیا جائے۔ قصور میں پیدل دستے تھے نہیں؟ اکیلا بکتر بند ڈویژن کیا کرتا۔

پیدل دستے بکتر بند دستوں پر زیادہ انحصار کیوں کریں

راقم کا تعلق پیدل دستوں سے زیادہ ہے کہ میں نے ان سے نوکری شروع کی اور لڑائی میں ان کی کمانڈ کی لیکن دوسروں کو بھی بہت زیادہ جاننے کی کوشش کی۔ اور مجھے پیدل دستوں کے خلاف بھی ایک اعتراض ہے کہ جب وہ دشمن کی کوئی بکتر بند گاڑی دیکھ لیں تو جھٹ اپنی بکتر بند گاڑیوں کی امداد مانگتے ہیں۔ اس ملک میں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ یہاں پیدل دستوں نے دشمن کے بکتر بند دستوں کے ساتھ خود ہاتھوں ہاتھ لڑنا ہو گا۔ اور راقم کے عظیم ساتھیوں نے ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں یہ کر کے دکھایا۔ لیکن آخری روز اگر ہمارا بارود ختم نہ ہوتا اور ہمیں گھیرا نہ پڑ جاتا تو ہم بکتر بند دستوں کو کبھی بھی اپنے نزدیک نہ آنے دیتے

قصور کے محاذ کا موٹا موٹا ذکر ہو چکا ہے۔ اپنی غلط تدبیرات کے علاوہ کمانڈروں پر بھی تبصرہ ہو گیا کہ ایسے لوگوں کو اوپر کیوں آنے دیا گیا۔ اس سلسلہ میں بریگیڈیئر قیوم شیر اکیلا نہیں۔ اس کو تو پھر بھی غلطی سے ہلالِ جرأت دینے کے بعد پتہ چلا کہ اس نے کیا کیا۔ اور اس کو تو جنگ کے سال بھر بعد فوج میں رکھا گیا۔ لیکن بکتر بند کے کمانڈروں کو تو جلدی گھر بھیجنا پڑا۔ لیکن قصور کس کا ہے؟ جنرل ایوب خان اور جنرل محمد موسیٰ کا جنہوں نے ایسے لوگوں کو کمانڈیں دیں۔

سیالکوٹ محاذ

اب ذرا سیالکوٹ محاذ پر چلیں کہ وہاں بھی آرمی سروس کور کے بریگیڈیئر اسمٰعیل کو سیالکوٹ کے لڑاکا پیدل ڈویژن کی کمانڈ دے دی تھی۔ اس کا ایک بریگیڈیئر رضوی مرالہ سے سچیت گڑھ سے کچھ دائیں کے علاقہ کا ذمہ دار تھا۔ دوسرا بریگیڈیئر مظفر الدین جسڑ پل کے علاقے میں تعین تھا اور دونوں

کے درمیان وسیع تر علاقے کے لئے اختر ملک کے چھوٹے بھائی برگیڈیئر عبدالعلی ملک کی ذمہ داری تھی۔ جو ایک لحاظ سے بڑا خوش قسمت تھا کہ اس کے تینوں کرنل بہت عظیم تھے۔ کرنل جمشید جو بعد میں جنرل ہوئے وہ پنجاب رجمنٹ کی کمانڈ کر رہے تھے۔ کرنل شنواری جو بعد میں برگیڈیئر بنے۔ بلوچ کی کمانڈ کر رہے تھے۔ لیکن ان سب میں عظیم فرنٹیئر فورس کا کرنل صدیق تھا۔ جس کو "ملاں" کہتے تھے۔ اس پلٹن یا اس ذمے داری کے علاقے میں جو کچھ اچھا کام ہوا۔ وہ اس کی وجہ سے ہوا۔ اور اُس نے سہرا دوسروں کے سروں پر باندھا۔ جو غلطی ہوئی۔ دوسروں کی وجہ سے ہوئی۔ لیکن ہر ذمہ داری اُس نے اپنے سر لی۔

کرنل صدیق جیسے گمنام فقیر

یہ ایک فقیر آدمی تھے۔ اور معلوم نہیں آج زندہ ہیں یا کہاں پر ہیں۔ برگیڈیئر عبدالعلی جو قادیانی تھے وہ ان کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور ان کو آگے ترقی بھی نہ ملی اور خود ان کو کوئی تمغہ بھی نہ مل سکا لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت سے ایک اور جگہ سے سفارش کی وجہ سے کرنل صدیق کے افسروں اور بہادر جوانوں کو تمغے بھی مل گئے۔ اور کرنل صدیق کی خواہش پوری ہوئی۔ اللہ تعالےٰ کی کوئی عجیب شان تھی کہ کئی واقعات صدیق پر پہلے ظاہر ہو جاتے تھے اور اپنے ساتھ والوں کو وہ تنبیہہ کر دیتے تھے کہ خبردار تیار ہو جاؤ۔ یا فلاں کام غلط ہو رہا ہے۔ تو وہ پہلے بتا دیتے تھے۔ ایسے چھپے ہوئے آدمی البتہ اپنے راز ظاہر نہیں کرتے اور ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے بعد راقم نے ان سے کچھ باتیں معلوم کریں۔ ورنہ نہ میں ان کو پہلے جانتا تھا اور نہ مجھے اب ان کے بارے کچھ خبر ہے۔ اور قارئین کو یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ صدیق جیسے بندوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سیالکوٹ محاذ پر ہماری عزت رکھ لی۔ ورنہ ہماری تجویز بڑی بھونڈی تھی اور ہم بالکل بھی چوکنے نہ تھے۔

جسڑ پر حملہ

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ چھ ستمبر صبح سویرے سچیت گڑھ کے محاذ سے تو حملہ یا لڑائی کی کارروائی کی خبر ہی نہ تھی۔ اور برگیڈیئر رضوی کی دونوں پلٹنیں یعنی کے ایم خان کی پنجاب رجمنٹ، اور شمسی کی بلوچ رجمنٹ اس کی گواہ ہیں۔ البتہ جسڑ پل پر حملہ ہوا اور یہ حملہ ایک گورکھا پلٹن نے کیا تھا۔ کہ اس علاقے میں بھارت کا صرف ایک انفنٹری برگیڈ تھا۔ اور مقابلہ میں ہمارا بھی برگیڈ تھا۔ پہلا حملہ کرنل ذوالفقار کی تیسری پنجاب رجمنٹ پر ہوا۔ اور برگیڈیئر مظفر الدین کو جب پتہ چلا تو سیالکوٹ میں ڈویژن ہیڈ کوارٹر کو ہلا کر رکھ دیا گیا کہ جسڑ پر

ہت بڑا حملہ ہوگیا ہے۔ حالانکہ پہلی افراتفری کے بعد تیسری پنجاب کی ایک کمپنی نے جوابی حملہ کرکے حالات بحال کردیئے تھے لیکن گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ بریگیڈیئر مظفر نے تین پنجاب کی ان کمپنیوں کو بھی واپس بلوالیا جو دریا سے پار تھیں۔

انصاف کی بات تو یہ تھی کہ تین پنجاب کے جوابی حملہ کی کامیابی کے بعد بریگیڈیئر مظفر الدین اس قابل تھا کہ وہاں پیش قدمی کرتا لیکن اُلٹا ڈویژن سے مدد مانگی اس لئے سیالکوٹ ڈویژن نے عبد العلی ملک کے بریگیڈ کو جسٹر بھیج دیا۔ اور بریگیڈ کی ذمہ داری کرنل جمشید کی پلٹن کی ایک کمپنی کو اور کچھ ایف ایف کی کمپنیوں کو دے کر۔ بریگیڈ کی زیادہ نفری جسٹر چلی گئی۔ لیکن وہاں کوئی کام نہ تھا۔ کیا کرتے ایک تنگ پُل تھا جو اڑا دیا گیا۔ اب دو بریگیڈ جسٹر کے علاقے میں کیا کرتے۔ کہ بھارتی بکتر بند ڈویژن تین پیدل ڈویژنوں کے ساتھ یوں کٹھوعہ روڈ سے گڑگڑاتا ہوا چونڈہ کے راستے ڈسکہ اور وزیر آباد یا گوجرانوالہ پر قبضہ کرسکتا تھا۔

سیالکوٹ میں افراتفری

اب اکثر مشہور کیا جاتا ہے کہ ڈویژن کمانڈر بریگیڈیئر اسمٰعیل کے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ بے شک ان لوگوں نے ہوش و حواس قائم رکھے وہ بڑے عظیم تھے۔ سیالکوٹ محاذ پر چار ڈویژنوں کا حملہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ خاص کر اس وجہ سے کہ یہ حملہ ایک لمبے چوڑے محاذ پر ہو رہا تھا۔ اور کسی جگہ سے آگے نکل کر سیالکوٹ کے دفاع کرنے والی فوجوں کو دو یا تین حصوں میں کر دینا، بھارتی فوج کے لئے معمولی بات تھی۔ اکثر لوگ کرنل سٹاف، کرنل مہدی ہمارے ممتاز وقائع نگار پر بھی الزام لگاتے ہیں کہ وہ بھی اندھا دھند احکام دے رہے تھے کہ "فلاں پُل توڑ دیا جائے، فلاں جگہ جایا جائے اور یہ کیا جائے اور وہ کیا جائے سارے محاذ پر پھیل جاؤ۔ دشمن جہاں پر ملے اس کے ساتھ ٹکراؤ وغیرہ"۔ میرا خیال ہے کہ ایسے احکام کے بغیر چارہ نہ تھا۔ اور کرنل مہدی کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اُس نے دشمن کا ایک خبر رساں پکڑوایا اور بھارتی بکتر بند دستوں کا پتہ چلا اور بریگیڈیئر مظفر الدین کی خبر کو غلط قرار دیا اور بریگیڈیئر عبد العلی ملک کے بریگیڈ کو جسٹر سے واپس بلا لیا کہ اپنے علاقہ میں آجاؤ۔ اور ڈویژن کی بکتر بند یونٹ کو بھی دشمن کے متوقع حملہ والے علاقہ کی طرف بھیج دیا۔

ایک معجزہ

دراصل یہ کارروائی معجزہ ثابت ہوئی۔ اگر عبد العلی کا بریگیڈ پہلے اپنی ذمہ داری کے علاقے میں ساکن بیٹھا رہتا تو دشمن اس کے بیچ سے گزر جاتا لیکن اب جب یہ بریگیڈ واپس آیا تو حرکت پذیر ہو۔

پر بھارت کے حرکت پذیر افواج کے بازو پر بہتر طور پر مقابلہ کیا۔ بہرحال بریگیڈیئر اسمٰعیل کو جلدی
سے ہٹا کر جنرل ٹکا کو بھیجا گیا۔ لیکن کرنل مہدی نے بھی اس کے بعد وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا
پر کرنل اکرم آگئے۔ لیکن اب دراصل لڑائی صرف سیالکوٹ والا ڈویژن اکیلا نہ لڑ رہا تھا۔ بلکہ جنرل
بکتر بند ڈویژن کو بھی سیالکوٹ پہنچنے کا حکم مل گیا۔ اور ان کو چھمب سے اپنی ایک بکتر بند یونٹ
مل گئی اور چھمب کے محاذ سے چوتھی کور کی آرٹلری کو بھی سیالکوٹ بھیج دیا گیا بلکہ جو یونٹیں
فائر بندی لائن کی حفاظت کے لئے چلی گئی تھیں ان کا ایک بریگیڈ بنا کر بریگیڈیئر نیازی کی کما
بہت جلد ظفروال بھیج دیا گیا۔

سیالکوٹ چونڈہ کی لڑائی

سیالکوٹ کی لڑائی میں اب چند ایک نالائقیوں کو چھوڑ کر متحدہ طور پر جو کارروائی ہوئی
اچھی رہی۔ اور اس کا کچھ سہرا جنرل رانا کے کور ہیڈ کوارٹر کے سر بھی بندھنا چاہیئے کہ انہوں نے
یونٹوں کے کام کو Co-ordinate کیا۔ ویسے جنرل ٹکا خان اور جنرل ابرار کسی کی کارروائی پر کوئی حرف نہ
اور بریگیڈیئر امجد کی چوتھی کور آرٹلری، اور خاص کر اس کے کرنل عطا محمد۔ اور عبدالعلی ملک کے ٹینکو
جمشید، شنواری اور صدیق، اور متعدد میجروں، کپتانوں، سرداروں اور جوانوں نے سیالکوٹ کے مو
کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ میں جنگ کی اس تفصیل میں نہ جاؤں گا کہ کس دن کیا ہوا کہ لمبی کہانی
بھرپور حملہ کرنل جمشید کی پلٹن کی اکیلی کمپنی پر ہوا۔ جس کے میجر ضیغم حالات کو نہ سمجھ سکے۔ او
کے ارادوں کے بارے بھی کوئی خاطر خواہ رپورٹ نہ دے سکے۔ ان کی اپنی کمپنی بھی بکھر گئی۔ اور جوا
دن بعد، آکر پلٹن میں شامل ہوئے۔ لیکن وہاں پر سے ہی فرنٹیئر فورس کے میجر اعجاز اور کپتان نو
دشمن کو منہ توڑ جواب دے کر بھگا دیا۔ اب ایک طرف سے کرنل نثار کے بکتر بند دستے دشمن کی تلا
نکلا اور دوسری طرف سے عبدالعلی ملک کا بریگیڈ جسٹر سے چونڈہ کی طرف واپس آ رہا تھا۔ اور اللہ
کی قدرت سے پیش قدمی کرنے والا دشمن ہمارے دستوں کی زد میں آگیا۔ ایک اور معجزہ یہ ہوا کہ
کی یونٹ نئی نئی سیالکوٹ آئی تھی اور ان کے پاس پیٹن ٹینک تھے۔

ایک اور معجزہ

اب بھارت کی خفیہ رپورٹ کے مطابق اس قسم کے ٹینک صرف ہمارے پہلے بکتر بند ڈویژ

پاس تھے جو تصور میں تھا۔ تو بھارت والوں کا جیسے ہی کرنل نثار کے ساتھ ٹکراؤ ہوا۔ انہوں نے سمجھا کہ پاکستان کا بکتر بند ڈویژن سیالکوٹ پہنچ گیا ہے۔ ایک اور معجزہ یہ ہوا کہ کرنل نثار کے تینوں سکواڈرن چوڑے محاذ پر پیشقدمی کر رہے تھے کہ دشمن کی تلاش کی ضرورت نہ تھی۔ اور اس لئے پیٹن ٹینکوں کی موجودگی کی رپورٹ بھارت کے کئی دستوں نے دی۔ علاوہ پیٹن ٹینک چونکہ بھارتیوں کے سنچورین ٹینک سے بہتر تھا۔ اس لئے کرنل نثار کی اکیلی یونٹ نے اتنا کام کر دیا، جتنا ایک بکتر بند بریگیڈ کرتا۔ اور بھارتی پیچھے کی طرف بھاگے۔ اسی وقت عبدالعلی کے بریگیڈ سے پنجاب اور بلوچ رجمنٹ کی بکتر بند توڑ گاڑیوں نے دوسرے طرف سے حملہ کر کے بھارت کے ایڈوانس کو جنوب کی طرف سے روک دیا۔ اور بھارتی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

جنرل ابرار کی آمد

جو نتیجہ حاصل کر لیا گیا۔ اس سے از خود ہمارے دستے بھی آگاہ نہ تھے کہ کرنل جمشید اور ان کے میجر محمد حسین نے بھاگتے بھارتیوں کا کئی میل تک پیچھا کیا۔ اور ان کو روکنا اس لئے پڑا کہ اپنی فوجوں کا توازن نہ ٹوٹ جائے۔ اور ساتھ جنرل ابرار کا چھٹا بکتر بند ڈویژن بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اور کچھ علاقہ جہاں سے دشمن کا بکتر بند ڈویژن پیش قدمی کر رہا تھا۔ وہ علاقہ ان کو دینا تھا۔ بھارت والے اپنی ہزیمت پر حیران تھے۔ اس لئے انہوں نے اگلا حملہ یا دوسرا بڑا حملہ ملے جلے دستوں کے ساتھ کیا جس میں بکتر بند دستے اور تیز حرکت کرنے والے پیدل دستے شامل تھے۔ اور حملہ ٹڈی دل کی طرح تھا کہ کوئی خلا یا گیپ نہ رہ جائے کہ جو پاکستانی فوج آگے سے ملتی رہے اس کو ملیا میٹ کرتے جائیں۔

بد قسمتی سے اب ہمارے اگلے پوزیشن کرنل مجید کے پاس تھے، جو دل چھوڑ چکا تھا۔ اور اس پلٹن سے صرف میجر اکابر حسین نے دشمن کا اکیلے مقابلہ کیا۔ اور دشمن کو روک دیا۔ لیکن حملہ اتنا بھرپور تھا اور بھارتی گاڑیوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز سن کر کئی لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ جنرل ابرار پیشہ ورانہ طور پر پیدل دستوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو بکتر بند دستوں کے بریگیڈیئر آفندی مشیر کے طور پر دیئے گئے تھے۔ اور گو آفندی ان سے سنیئر تھے۔ لیکن ان کو جنرل کے عہدہ پر ترقی نہ دی گئی تھی۔ یہ بات اللہ کی رحمت ثابت ہوئی۔ ورنہ وہ بھی بریگیڈیئر بشیر یا بریگیڈیئر لمب کی طرح کرتے۔ انہوں نے اپنی گوراشاہی انگریزی میں جنرل ابرار کو جو مشورہ دیا۔ اس کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح بنتا ہے۔

آفندی کا مشورہ

"ابرار! تم نے جنگ نہیں دیکھی۔ میں نے لیبیا میں جنگ دیکھی ہے۔ تم یہاں لڑائی نہیں ...
بھاگو اور خوب تیزی سے بھاگو اور نہر سمبڑیال (اپر چناب) کے پیچھے چلے جاؤ تو تب ہی بچ ...

جنرل ابرار کا جواب

جنرل ابرار نے کہا! "میں تمہیں مشاورت کے عہدہ سے برخاست کرتا ہوں۔ اور اب جنگ ...
بارے میں منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالو گے اور جہاں چاہو جاکر آرام کرو۔ وہاں تمہیں احکام ...
گے کہ تم کو اب کہاں جانا ہوگا۔"

بدقسمتی سے ایک آدھ دن بعد جنرل ابرار کا جی او سی کرنل فرزند بھی ایک ہیلی کاپٹر کے حادثے ...
کچھ زخمی ہوا۔ اور دشمن کے علاقہ میں ایسا واقعہ ہوا پا اپنے ہیں۔ اب جنرل ابرار کے پاس صرف ...
عارف تھے جو آج کل جنرل ہیں۔ اور ان کی مدد سے جنرل ابرار نے اپنے چھوٹے سے بکتر بند ڈویژن ...
بھارت کے ٹڈی دل بکتر بند دستوں اور باقی دستوں کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔ اس سلسلہ میں قوم ...
کچھ اخباروں میں پڑھا ہے وہ سب صحیح ہے۔ چونڈہ کے میدانِ جنگ کا دوسری جنگِ عظیم کے ...
بکتر بند گاڑیوں کی سب سے بڑی جنگاہ۔ ہمارے پیدل دستوں کی قربانیاں، توپخانے کا صحیح ...
راقم نے جنگ کے دو سال بعد اس میدانِ جنگ کا چپہ چپہ دیکھا اور اپنے شہداء کا اس میدان ...
کے شہداء کو سلام بھیجا۔ اور علامہ اقبال یاد آئے۔

نہیں ہے نا اُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

جنگ کے آخری ایام

قارئین! اب ہم ستمبر ۶۵ کی جنگ کے آخری ایام میں پہنچ چکے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ...
محاذ سے تقریباً دو بریگیڈوں کے برابر بکتر بند دستے، جنرل نصیر کی جگہ اب جنرل صاحبزادہ یعقوب ...
ماتحت سیالکوٹ محاذ پر پہنچ چکے تھے۔ چھمب محاذ پر چار بریگیڈ پیدل فوج تھی۔ جس میں سے دو بر...
آسانی کے ساتھ سیالکوٹ بھیجے جا سکتے تھے۔ اور اب ہم اس پوزیشن میں تھے کہ چونڈہ سے آگے بڑھ کر ...
جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ سکتے تھے بلکہ پٹھانکوٹ اور گورداسپور تک علاقوں یا جموں پر بھی قبضہ کر سکتے ...

ارتی فوج چونڈہ کے میدانِ جنگ میں شکست کھا چکی تھیں۔ شنید ہے اور اس زمانے میں مجھے معتبر ذرائع
بتایا کہ ایک ایسی تجویز جنرل رانا کی کور ہیڈ کوارٹر نے تیار کروائی اور اس پر عمل کے لئے تیاری ہو گئی
ی۔ لیکن ۱۸ ستمبر کو اس کارروائی کو آخری وقت روک دینے کے احکام ملے۔

ادیان میدانِ جنگ نہ بن جائے

کیا یہ سب کچھ پھر اس لئے کیا گیا کہ قادیان میدانِ جنگ نہ بن جائے؟ کیا چونڈہ کے علاقہ کی
ل فوج کا کمانڈر بریگیڈئر عبدالعلی ملک قادیانی نے کس طرح روڑے اٹکائے؟ قوم جواب مانگتی ہے
ب تو کرنل مہدی نے صاحبزادہ یعقوب کے حوالے سے میری اس خبر کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ اس کے
وہ گیارہویں ڈویژن نے دسویں ڈویژن کو مشورہ دیا کہ فائر بندی سے پہلے مل کر آٹھ دس میل آگے
قدمی کر لی جائے، اور اس سلسلہ میں گیارہویں ڈویژن کا جی ون کرنل مصطفےٰ لاہور آیا۔ لیکن جنرل
ر اب کوئی "خطرہ" مول نہ لینا چاہتا تھا۔ اور اس نے یہ تجویز نہ مانی۔ اگر سیالکوٹ، لاہور اور
ور محاذ پر ہم آخری دنوں میں پیش قدمی کر دیتے کہ اب تو رجمنٹل سنٹروں سے نئی پلٹنیں بھی محاذ
پہنچنا شروع ہو گئی تھیں تو بھی کشمیر کا مسئلہ حل ہو جاتا اور بھارت کا اگر کشمیر کے ساتھ زمینی رابطہ
جاتا اور ریگستان میں "فتوحات" حاصل کرنے کی بجائے ہم لوگ اٹاری کگڑ اور ولٹوا وغیرہ
قابض ہوتے تو تاشقند کی ضرورت نہ پڑتی اور شاید فائر بندی کی ضرورت بھی نہ رہتی کہ جو قوم لڑنا
تی ہے وہ کبھی نہیں مرتی۔

؎ فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

یہ کچھ تو علامہ نے فرد کے لئے کہا ہے۔ لیکن اسلامی نظریۂ حیات کی یہی بنیاد ہے۔ لیکن افسوس
ہماری حرب و ضرب سے بیگانگی نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا اور علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

؎ سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہئے

چھوٹے محاذ

اس کے علاوہ سلیمانکی محاذ یا سندھ کے کھرا محاذ کے سلسلہ میں ہمارے پاس نہ کوئی تنقید

ہے اور نہ تبصرہ۔ البتہ وہاں جنگ چھوٹی سطح پر لڑی گئی یعنی بریگیڈ کے لیول پر تو ان لوگوں کا کام با
محاذوں کی نسبت کئی لحاظ سے بہتر تھا کہ وہاں حسد اور رقابت کم تھی۔ راقم نے ان لوگوں کی بہادریوں
شہدا کی قربانیوں کے لفظ لفظ کو پڑھا۔ اور سلیمانکی محاذ کو دو سال بعد جا کر دیکھا بھی۔ میں ان محاذ
غازیوں اور شہدا کو سلام کرتا ہوں۔

مشرقی پاکستان

اب رہ گیا مشرقی پاکستان کا محاذ، جہاں پر کوئی جنگ نہ ہوئی۔ البتہ ہوائی افواج نے کچھ
کارروائی کی۔ اور سنتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کے دفاع کے لئے انڈونیشیا کی کچھ فوج وہاں موجود
تھی کہ ضرورت پڑنے پر ان کو استعمال کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ لیکن بھارت نے نہایت چالاکی کی کہ انہوں
نے کسی جگہ پر حملہ نہ کیا۔ ہم اس پوزیشن میں نہ تھے کہ وہاں کوئی خاطر خواہ جارحانہ کارروائی کرتے
اور بھارت نے یہ فائدہ اٹھایا کہ ان کی جنگ صرف مغربی پاکستان کے ساتھ ہے۔ اور مشرقی پاک
کے ساتھ ان کا کوئی جھگڑا نہیں۔

ہم نے مشرقی پاکستانیوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاک
کے واسطہ سے ہوگا کہ ہم مغربی پاکستان میں اتنی بھرپور کارروائی کریں گے کہ بھارت کو مشرقی پاکستا
پر حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑے گی۔ اور اصولاً یہ بات ٹھیک بھی تھی۔ لیکن یہ مغربی طرزِ جنگ ہے اسلا
فلسفۂ جنگ کے تحت مشرقی پاکستان والوں کو نہ صرف اپنا دفاع خود کرنا تھا، بلکہ مغربی پاکستان او
مشرقی پاکستان کی فوجیں فتح کے شادیانے بجاتی، دہلی یا لکھنو میں ایک دوسرے کو ملتیں۔ اور اگر
پاکستان بنانے کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہندو نہ میلی آنکھ سے بھارت کی مسلمان آبادی کی طرف دیکھے گا اور نہ کشمیر
میں غاصب بنے گا اور نہ حیدرآباد کو اس طرح تاخت و تاراج کرے گا تو پھر الگ ملک بنانے کی کیا ضرورت
تھی۔ اور اگر قوت حاصل کرنا مقصود نہ تھا تو اللہ کو تو بھارت میں بھی یاد کر سکتے تھے۔

اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد

یہ ہے ستمبر ۶۵ء کی مختصر کہانی اور تاریخ کا بامقصد مطالعہ کہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ کس نے شروع کرائی اور ہم نے
کیسے لڑائی لڑی۔ نتیجہ جا کر ۱۹۷۱ء میں نکلا۔ اس لئے اب جنگ کے اثرات کا مختصر جائزہ پیش کرنا ضروری ہے

جنرل شیر علی کی یہ بات صحیح ہے کہ ستمبر ۶۵ کی جنگ مُردہ پاکستان کی لاش میں ایک کیل تھی۔ اُمید ہے قارئین بھی اس سے متفق ہوں گے۔

جھُوٹے ھی جھُوٹے

بہرحال اس جائزہ سے پہلے قارئین کی دلچسپی کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ ستمبر ۶۵ء کی جنگ پر آج تک لکھا گیا ہے۔ اس پر تبصرہ کر دیا جائے۔ راقم از خود نے کور ہیڈکوارٹر جنرلوں میں صرف جنرل ابرار اور جنرل ٹکا خان، چند بریگیڈیئروں اور متعدد کرنلوں اور لاتعداد میجروں، جونیئر افسروں اور جوانوں کے جذبۂ جہاد کی تعریف کی ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں کسی کتاب میں جو کچھ پڑھیں وہ صحیح ہے۔ باقی جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ اور نتیجہ دسمبر ۷۱ء میں نکل گیا۔

بامقصد مطالعہ

راقم نے البتہ ۲۳ ستمبر سے جو انکوائری کا شور مچایا ہوا تھا، تو مدعا یہ تھا کہ ساری جنگ کا بامقصد مطالعہ ہو جائے اور ہم آئندہ کے لئے سبق سیکھیں۔ لیکن میری بات کون سُنتا۔ بہرحال ۱۹۶۷ء میں راقم جب محکمۂ تعلقات کے ساتھ پھر وابستہ ہُوا تو ستمبر ۶۵ء کی جنگ پر خود بھی لکھا اور کچھ پیشہ ور افسران سے بھی لکھوایا۔ یہ سب کچھ اخباروں میں جب لوگوں نے پڑھا اور ساتھ ہی بھارتی لوک سبھا میں شور مچا کہ لاہور کے محاذ پر ڈوگرئی کے مقام پر بھارتیوں کو چند مجاہدوں نے تہس نہس کر دیا تھا اور بھارت والے نے بے مقصد حملے کئے۔ تو جھوٹے لوگ کچھ گھبرائے اور سچ کی طرف کچھ پیش رفت ضرور ہوئی۔ لیکن دسمبر ۱۹۷۱ء کے المیہ نے معاملات کو پھر ٹھنڈا کر دیا۔

کرنل مہدی کی خدمت

۱۹۷۸ء، ۱۹۷۹ء میں کرنل مہدی نے چند مضامین لکھ کر قوم کو یہ باور کرایا کہ ستمبر ۶۵ء کی اصلی حقیقت وہ نہیں جو اس وقت بتائی گئی تھی۔ البتہ کرنل مہدی کا مطالعہ مکمل نہ تھا اور ۱۹۷۹ء میں مضامین اور پمفلٹوں کے ذریعہ راقم نے کرنل مہدی کے ساتھ کچھ باتوں میں اتفاق کیا۔ لیکن اس کے نامکمل مطالعہ کے سلسلہ میں اس کی رہنمائی کی۔ پہلے تو کرنل مہدی کچھ سٹ پٹایا لیکن جب اس کو بتایا گیا کہ "کرنل صاحب خدا کا شکر کریں کہ ہزیمت سے بچ گئے ہو۔ ورنہ تم بھی ایک ڈویژن فوج کے ساتھ بھارت کے قیدی بن جاتے۔ اور اس میں کیا شان تھی، اور اصلی بات اسلامی فلسفۂ دفاع ہے" تو پھر کرنل مہدی نے راقم کا جائزوں کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے قوم کی بڑی خدمت کی۔

اور ستمبر ۶۵ء کی جنگ کی غلطیوں کی صحیح نشاندہی کی

جنرل ہیڈکوارٹر مجبور ہو گیا

چنانچہ کرنل مہدی اور راقم کے مضامین نے نہ صرف قوم کو بلکہ فوج کے نوجوان افسروں کو کافی
انہوں نے ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے تحقیقی مطالعہ کے لئے جنرل ہیڈکوارٹر کو لکھنا شروع کر دیا۔ اس لیے جی
مجبور ہو کر جنرل شوکت رضا کو ۱۹۸۰ء میں اس مطالعہ پر معمور کیا۔ راقم نے جنرل شوکت سے ملاقات
سے جب اس مطالعہ کے مقاصد پر چند سوال کئے، تو انہوں نے ایک چھوٹے سے میجر کی "باتوں" کو کوئی
دی تو مجبوراً میں نے ان کو خط لکھا کہ "سچ بڑا کڑوا ہوتا ہے اور جنرل صاحب آپ اپنے بارے کئی غلط
کے شکار ہیں۔"

جنرل شوکت نے جواباً مجھے خط لکھ دیا کہ میرا اس سلسلہ میں کوئی مطالعہ بھی ہے یا میں ویسے ہی "
سوار وں" میں شامل ہو رہا ہوں۔ تو راقم نے اس سلسلہ میں اپنے تمام اشاعت شدہ مضامین، پمفلٹ،
اور متعدد مطالعے ان کو بھیج دیئے۔ جن کو دیکھ کر جنرل صاحب حیران ہو گئے اور اب مجھ سے "پیچھا" چھڑا
لگے ہیں تھے۔ خاص کر اپنے "مشیرِ خاص" جنرل رحمٰن کی وجہ سے کہ وہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں بریگیڈیئر قیوم
کے بریگیڈ میجر تھے۔ اور گیارہ ستمبر کے یہی صاحب بریگیڈ ہیڈکوارٹر سمیت "لاپتہ" ہو گئے تھے۔ لیکن
ڈویژن ہیڈکوارٹر میں قیوم شیر کی بہادری کی جھوٹی خبریں دیتے رہے جن کی وجہ سے قیوم شیر کو ہلال
مل گیا۔ اور قیوم شیر نے میجر رحمٰن کو اتنی اعلیٰ رپورٹیں دیں کہ بجائے اس کے کہ وہ میجری میں گھر
کر ان صاحب کی جنگ میں کوتاہیوں پر کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ یہ صاحب جرنیلی تک پہنچ

اسلام کا مذاق

اب جنرل شوکت رضا صاحب اپنے "میزبان" یا "مشیرِ خاص" کے برخلاف کیسے سچ لکھتے
سے "جان چھڑانے" کے لئے اگلی ملاقات میں میرے سامنے اسلام کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ اب یہ
کچھ میری برداشت سے باہر تھا۔ اور میں نے ۳ جولائی ۱۹۸۰ء کو جنرل ضیاء الحق صاحب کو ایک خط لکھ دیا
کی کاپی جنرل سوار خان کو بھی دی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ خط میں ہر جگہ تو نہ بھیجوں گا کہ فوج کی تالائقی
پر پردہ اُٹھتا ہے۔ لیکن میں اس خط کی کاپیاں محدود دوستوں کو ضرور دوں گا — یہ پورا خط تو کافی لمبا
البتہ اس کے چند اقتباسات اب مزور پیش کر رہا ہوں اور کچھ فقروں کی تلخیص ہے۔

خط کا متن

متن یہ تھا

"میں نے جنرل شوکت رضا کے ساتھ چند ملاقاتیں کر کے اس کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ پاکستان (آرمی) کی بامقصد تاریخ لکھے اور ہماری ان کوتاہیوں سے پردہ ہٹائے جو ہم نے اسلام کو نہ اپنانے کے سلسلہ میں (کی) ہیں۔ لیکن جنرل شوکت رضا نے اُلٹا اسلام کا مذاق اڑایا۔ میرے خیال میں جنرل شوکت جیسا انگریز نواز اور (جنرل) یحییٰ کا "مشیرِ خاص" پاکستان آرمی کی تاریخ نہیں لکھ سکتا۔ ویسے ہماری تاریخ کوئی شاندار بھی (نہ)ہیں۔ (اور راقم نے موجودہ کتاب میں اپنی جو بڑی بڑی کوتاہیاں بیان کیں۔ یا جس طرح سے اسلام سے (د)ور رہے ان سب کا ذکر اختصار کے ساتھ اس خط میں کر دیا) خاص باتیں یہ تھیں :-

(ا)۔ ہم نے ۱۹۴۸ء میں قائدِاعظم کی حکم عدولی کی۔ اور انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بھی "انگریزیت" (کو) اوڑھنا بچھونا بنا کر قوم کے سامنے غلط نمونہ پیش کیا۔

(ب)۔ ہم نے غدّار میر جعفر کے پوتے سکندر مرزا کو پاکستان کا پہلا صدر بنوایا۔

(پ)۔ ۱۹۵۷ء میں جب قوم ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی والے مجاہدین کو خراجِ تحسین پیش کر رہی تھی تو ہم ان یونٹوں کے سو سالے بنا رہے تھے جنہوں نے دہلی کو تہس نہس کیا۔ اور ان مجاہدین کو شہید کیا۔

(ت)۔ ہماری تربیت ایسی ہے کہ ہم اسلام کے مجاہد نہیں پیدا کر رہے اور بنگالی سپاہی نے جب طبقاتی وجہ سے بغاوت کر دی تو ہم نے اس سے کوئی سبق نہ سیکھا۔ وغیرہ، وغیرہ۔

(ٹ)۔ آئیں، اپنی ان تینتیس سالوں کی کوتاہیوں سے سبق سیکھیں اور اسلامی فلسفۂ دفاع۔ یعنی نظامِ جہاد کو اپنائیں تو ایسی تاریخ لکھنے کا کام جنرل شوکت رضا جیسا انگریز پرست نہیں کر سکتا۔

جنرل شوکت کی کتاب

افسوس اُوپر والوں نے میرے اس خط کی قدر نہ کی اور پچھلے چار پانچ سال جنرل شوکت تمام سرکاری ریکارڈ دیکھتا رہا اور اب اس کی کتاب سرکاری طور پر شائع ہو گئی ہے۔ میں نے چونکہ اپنے خط کی کاپیاں متعدد لوگوں تک پہنچائیں۔ اس لئے جنرل شوکت کو اس خط کی بھنک ضرور پڑ گئی یا اوپر والوں نے اشارہ کر دیا کہ اس کے بعد جنرل شوکت مجھ سے دُور رہنے لگا اور بدلہ میرے ساتھیوں اور عظیم شہداء سے لیا کہ کتاب میں ان کی بہادری پر پردے ڈال دیئے یا ان کی تعداد کو گھٹا کر ۳۳ فی صد کر دیا۔ سرکاری

اشاعت والی کتاب میں ایسی بے ایمانی کرنے کی آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی - او
جو میری یہ کتاب اشاعت کے لئے جانے والی ہے اور پروف ریڈنگ بھی ہو چکی ہے - تو میں مز
سمجھتا ہوں کہ جنرل شوکت کے کچھ کام پر تبصرہ بھی ادھر ہی لکھ دوں کہ اب جنرل شوکت کی ک
شائع ہو گئی ہے -

کتاب پر تبصرہ

۲۹۰ صفحہ کی انگریزی کی یہ کتاب ایک بے معنی اور بے مقصد کتاب ہے - نہ کوئی جائزہ ہے
تبصرہ - جنرل موسےٰ اور اوپر والوں کی کوتاہیوں کو بھی وار ڈائریوں کے ذریعہ "ثابت" کر دیا - ا
لوگوں کے فوٹو بھی کتاب میں ایسے لگائے کہ یہ لوگ دہلی "فتح" کر چکے ہوں - کتاب میں چودہ نقشے لگا دیئے -
میں صرف دوسرا اور تیسرا نقشہ فوجی تدبیرات کی رن آف کچھ کے ایک حملہ کی نشاندہی کرتے ہیں - باقی
"نقشے ہی نقشے" ہیں - یعنی کتاب کی ضخامت بڑھ گئی ہے - یہ نقشے نہ کسی حکمتِ عملی کا خاکہ ہیں اور
تدبیرات کا اظہار -

کتاب کو کسی لحاظ سے عسکری تاریخ کی کتاب نہیں کہہ سکتے - کہ صرف وار ڈائریوں سے جو بات پسند
یا جن لوگوں کو جنرل صاحب پسند کرتے تھے ان کے ناموں کے ساتھ چند اسم صفت لگا کر کتاب میں خا
کر دی - اور یہ بھول گئے کہ یہ سرکاری کتاب ہے اور سب لوگوں کو برابر "نمائندگی" دینا ہے بلکہ
کاموں یعنی آ - ایبڈرڈی کی معمولی کاوشوں کو بھی کتاب کا حصہ بنا دیا - میجر رحمٰن (بعد میں جنرل) جی
اپنے دوستوں کی کوتاہیوں پر پردے ڈالنے کے لئے شہدا کی بہادریوں کے ذکر بھی کاٹ دیئے - او
- جھوٹ کو بھی سچ مان لیا -

توپخانہ

پوری کتاب پر تبصرہ کرنے کے لئے کئی صفحات کی ضرورت ہے - لیکن مصنف چونکہ توپخانہ
اس لئے توپخانہ کی کارکردگی کو اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کیا کہ معلوم ہوتا ہے ستمبر ۶۵ء کی جنگ
سب اچھے کام صرف توپخانہ نے کئے - اور تمام حملے ان کی بہتر فائر کی تجویزوں کی وجہ سے پسپا ہونے
ذاتی طور پر توپخانے کا مداح ہوں اور اپنے مضامین میں یہ تاثر دے چکا ہوں کہ ستمبر ۶۵ء میں تین
نے پاکستان کو بچایا - اوّل اللہ کی رحمت ، دوم ائیر فورس اور سوم آرٹلری یعنی توپخانہ نے - بلکہ
کی فرض شناسی بھی اپنے او پی کپتان بھٹی کی وائرلیس سیٹ کی بات چیت اور دونوں طرف کی توپوں کے

والی جگہ کے تاثرات سے کرتا تھا۔ بلکہ دو تین دفعہ میں خود سیٹ پر گیا کہ ایک دفعہ کرنل امداد دشمن کی شرارت سے ہم پر فائر کروانے لگ پڑے اور بھٹی کو دشمن سمجھ کر اس کی بات نہ مان رہے تھے تو میں نے کرنل امداد کو سیٹ پر پرانی دوستی یاد دلائی۔ تو تب انہوں نے میری بات مانی۔ ایک اور دفعہ توپخانے والے ان کے اپنے کپتان حنیف مرحوم کی بات نہیں مان رہے تھے کہ دشمن کا اتنا اکٹھ کسی جگہ ہے تو میں نے توپخانہ والوں کی رہنمائی کی۔ راقم چونکہ توپخانہ سے بھی وابستہ رہ چکا ہے اور ان کے کام کو سمجھتا ہے اس لئے یہ ضرور کہوں گا کہ توپخانہ والے بڑے چوکنے تھے اور انہوں نے بڑا نمایاں کام کیا۔ لیکن اس طرح نہیں جس طرح جنرل شوکت نے بیان کیا ہے کہ بے چارے پیدل دستے اور بکتر بند دستے جن کے مجاہدین نے عظیم قربانی دی، ان کو سیڑھی سے گرا کر زمین پر پٹخ دیا۔

علاوہ ستمبر ۶۵ کی جنگ میں توپخانہ کا اتنا زیادہ فضول فائر بھی کرایا گیا کہ چند دنوں میں ہمارے ڈپو خالی ہو گئے یہ بڑی غلطی تھی۔ اور ایک غلط مثال قائم ہو گئی ہے۔ لیکن جنرل شوکت کا مطالعہ چونکہ بامقصد نہیں اس لئے وہ ایسی اور متعدد غلطیوں کا ذکر نہیں کرتا۔

"ناپسندیدہ" لوگ

لیکن جن لوگوں کو جنرل شوکت ناپسند کرتے تھے مثلاً جنرل نیازی کہ ۱۹۷۱ء میں انہوں نے شوکت کو خراب رپورٹ دی تو جنرل شوکت نے ستمبر ۶۵ میں ظفروال میں نیازی کی کارروائی کو بڑے بھونڈے طریقے سے بیان کیا اور مجھ سے ناراضگی کی وجہ سے میرے ماتحتوں اور ساتھیوں کی بہادری کے قصوں پر بالکل پردے ڈال دیئے اور اپنے "میزبان" میجر رحمن کی کوتاہیوں پر اتنے پردے ڈال دیئے کہ نہ یہ ذکر کیا کہ ان کے بریگیڈ کی یونٹیں چھ ستمبر کو پی ٹی کر رہی تھیں اور بریگیڈئر قیوم شیر "لاپتہ" تھا نہ یہ ذکر کیا کہ گیارہ ستمبر کو میجر رحمن اور اس کا ہیڈ کوارٹر "لاپتہ" ہو گئے۔ اور جب مل گئے تو اس کے بعد بارہ ستمبر سے لے کر فائر بندی تک، میدان جنگ کو بی آر بی پر آ کر نہ دیکھا۔ بلکہ پیچھے ہی "دبک" کر بیٹھ گئے۔ بلکہ ۲۲/۲۱ ستمبر کو ہمارے لیفٹیننٹ افتخار نے جو کچھ بریگیڈئر قیوم شیر اور میجر رحمن کو پہلے بتایا، اس کو غلط الفاظ میں خبر کے طور پر بیان کیا اور دوبارہ جب لیفٹیننٹ افتخار نے رات نو دس بجے کے قریب بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو بتایا کہ سولہ پنجاب کو گھیرا پڑ چکا ہے تو اس بات کو بھی جنرل شوکت "پی" گیا اور صرف یہ ذکر کرتا ہے کہ میجر رحمن نے صبح چار بجے رسالہ کے میجر نذر کو سولہ پنجاب کی مدد کے لئے

بھیجا۔ پوری کہانی اس طرح بیان کرتا ہے کہ شاید پوری سولہ پنجاب لڑ رہی تھی اور یہ ذکر نہیں کرتا کہ صرف دو کمپنیاں تھیں جن کی آدھی تعداد ختم ہو گئی تھی۔ اور پھر بھی لڑتی رہیں۔ اور آگے لکھتا ہے کہ سمجھ نہیں آتی کہ پلٹن دس دن لڑنے کے باوجود آخری دن اتنا نقصان کیوں کرا بیٹھی۔ اور یہ لڑائی کیسے لڑی گئی اس کے تانے بانے نہیں ملتے۔

غلط بیانی

تکلف کی بات یہ ہے کہ جنرل شوکت اپنی اس "ناسمجھی" پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمارے تین شہید افسروں کی تعداد کو گھٹا کر دو کر دیتے ہیں۔ تین جے سی او شہدا کی تعداد کو گھٹا کر صفر کر دیتے ہیں اور سو جوان شہدا کی تعداد کو انچاس کر دیتے ہیں۔ دو جے سی او جو زخمی ہوئے ان کی تعداد کو صفر کر دیتے ہیں اور ۹۷ زخمی جوانوں کی تعداد کو ۳۵ کر دیتے ہیں۔ البتہ ہمارے گمشدہ سردار صاحبان اور جوانوں کی تعداد کو بڑھا کر بیان کر دیتے ہیں۔ اور ۴۲ کی تعداد کو ۸۵ بنا دیتے ہیں۔ اور یہ نہیں لکھتے کہ ان ۴۲ قیدیوں میں آدھے سے زیادہ ناکارہ تھے۔ اور نہ ان بائیس شہدا کا ذکر کرتے ہیں، جن کے بدن کا کوئی حصہ کہیں سے نہ مل سکا۔ یعنی جس طرح بریگیڈیئر قیوم شیر اور میجر رحمٰن پوری جنگ کے دوران ہمارے حالات سے "ناواقف" رہے جنرل شوکت رضا بیس سال بعد اب بھی "ناسمجھ اور ناواقف" ہے۔

بھارت کا واویلا

جنرل شوکت اس سے بھی بے خبر ہے کہ بھارتی ہمارے سامنے سے سات سو لاشیں اُٹھا کر لے گئے اور ۲۱ اپریل ۶۹ء کو بھارتی لوک سبھا میں مسٹر فرینک انتھونی نے جو بھارت کے سارے نقصان کا ذکر کر دیا کہ بھارت کے اخباروں میں شور مچ گیا۔ ان بھارتیوں کو مارنے والے کون تھے؟ جنرل شوکت کو ان ساٹھ شہداء کا خیال بھی نہ آیا۔ جو آخری دو دنوں میں شہید ہوئے اور میجر امیر افضل سمجھوتے کے تحت ان کی لاشوں کو فائر بندی کے بعد اُٹھا کر لے آیا۔ ہماری ساتھ جو باقی یونٹوں کے جوان تھے ان کے شہدا اور زخمیوں کی تعداد الگ ہے۔ لیکن افسوس کہ قیوم شیر کی کوتاہی اور میجر رحمٰن کی نالائقی پر پردہ ڈالنے کے لئے جنرل شوکت نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ قیوم شیر کے پاس ڈوگرئی پر دوبارہ حملہ کرنے کی تجویز بنانے کا وقت نہ تھا اور یہ تھا اور وہ تھا۔ اور یہ بھول گیا کہ لیفٹیننٹ افتخار نے

رات کے آٹھ بجے سے پہلے قیوم شیر کو سب حالات سے آگاہ کر دیا تھا اور نو بجے یہ بھی بتا دیا تھا کہ پلٹن کو گھیرا پڑ گیا ہے۔ اس کے باوجود ہم سولہ گھنٹے لڑتے رہے افتخار نے جنرل سرفراز اور دوجن کے قریب افسروں کے سامنے ۲۴ ستمبر کو بریگیڈیئر قیوم شیر کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے بہتر ہے ان کو دُہرا کر جنرل شوکت کی "ناواقفیت" کو دور کیا جائے۔

"بریگیڈیئر صاحب جو بات چیت آپ اور میرے مابین ہوئی میں اُس کو دُہراتا ہوں! اور میں نے کہا کہ میجر امیر افضل اور کپتان صغیر دونوں کی کمپنیوں کی صرف آدھی نفری رہ گئی ہے۔ دونوں کمپنیوں پر حملہ سامنے سے ہو رہا ہے۔ اور کچھ دشمن امیر افضل کی کمپنی کے بائیں بازو پر بھی پہنچ گیا ہے۔ ہمارے بکتر بند دستے جو میجر وحید قادر کے ساتھ میجر امیر افضل کے بائیں اور پیچھے تھے وہ اپنی جگہ چھوڑ چکے ہیں خدارا! وہاں پر کچھ امداد بھیج دیں ورنہ پلٹن ختم ہو جائے گی۔ گول والہ نے مجھے کہا کہ میں آپ کو بتا دوں کہ حالات ہمارے بس سے نکل چکے ہیں۔ ہمارا کام تھا کہ آپ کو زبانی آگاہ کر دیں ہم آخری جوان اور آخری گولی تک لڑیں گے۔ اللہ پاکستان کی حفاظت کرے۔"

"بریگیڈیئر صاحب کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کہا کہ رات کو کچھ نہیں ہو سکتا سویرے مدد کی جائے گی۔ اور اس کے بعد میں چل پڑا کہ اپنے مجاہدوں میں شامل ہو جاؤں لیکن جب میں میجر محبوب کی کمپنی میں پہنچا تو ہماری دونوں کمپنیاں دشمن کے گھیرے میں آ چکی تھیں۔ اور میں نے فون کے ذریعہ آپ کو ان حالات سے بھی آگاہ کیا۔ لیکن آپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔"

"بریگیڈیئر صاحب! آپ صبح پہلی روشنی کے وقت تک بھی بی آر بی پر نہ پہنچے اور ڈویژن کو کہیں اور سے خبر ملی یا کیا وجہ ہے کہ آپ صبح ساڑھے آٹھ بجے آ کر مجھے ملے اور پھر بھی وقت ضائع کرتے رہے۔"

"اب آپ بتائیں کہ میں نے کوئی غلط بات کہی ہے۔"

علاج کیا ہے

قارئین! آپ میرے ذاتی واقعات پڑھ کر گلہ کریں گے کہ میں صرف اپنے بارے بات کر رہا ہوں۔ لیکن میں مجبور ہوں کہ یہ ذاتی وضاحت ہے اور یہ سرکاری کتاب نہیں کہ توازن رکھا جائے البتہ جنرل شوکت کی "ناسمجھی" کی یہ حالت ہے کہ کہتا ہے کہ سولہ پنجاب کا کافی نقصان ہوا۔ اور پلٹن کا کچھ حصہ بی آر بی کے مغربی کنارے پر آ گیا۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کون سی پلٹن اور

کون سا حصہ۔ صرف دو کمپنیاں تھیں۔ جن میں سے صرف چھ سات آدمی، اس وقت دشمن کے گھیر
نکل کر میرے اور صوبیدار رستم کے ساتھ بی آر بی کے مشرقی کنارے پر بیٹھ گئے۔ اور تین چار آدمی
امیر خان کے ساتھ اور جب تک روشنی رہی ہم دشمن کے گھیرے سے نکالنے والوں کی رہنمائی کرتے
اور پھر کچھ لوگ رات کے وقت نکلے۔ ان سب کی تعداد کوئی چالیس کے قریب بنتی ہے۔

سچائی چھپ نہیں سکتی

البتہ جنرل شوکت کی کتاب کے پڑھنے سے یہ چیز سامنے آجاتی ہے کہ بارہ ستمبر سے فائر بند
ہماری دو کمپنیاں اور ہمارے چند ساتھی، اکیلے ہی سارے محاذ پر لڑائی لڑتے رہے۔ اور باقی
ڈویژن کے محاذ پر کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ اور ان دنوں میں البتہ دشمن کے جو سات سو آدمی ہما
سامنے کھیت رہے، وہ کیسے ہوا، اس سلسلہ میں مصنف خاموش ہے۔ اور میں بھی تفص
میں نہیں جاتا کہ خودنمائی والی بات ہے۔ علاوہ دبی زبان میں جنرل شوکت نے سب کچھ تسلیم
کہ ہم تیار نہ تھے۔ بھارتی "ڈرائیور" آئے، اور خبر پیچھے لے گئے۔ افراتفری تھی۔ گیارہ ستمبر کو ڈ
ہیڈکوارٹر نے ایک وقت میں چار اختلافی احکام دیئے۔ ہر جگہ افراتفری تھی۔ اور میں نے جن
کا ذکر کیا ہے۔ اب ان تمام کوتاہیوں کو میں جنرل شوکت کی کتاب کے بیانات سے ثابت کر سک
کہ میں نے سب کچھ صحیح مطالعہ کیا تھا۔

قومی کردار

لیکن قارئین اپنے قومی کردار پر نظر دوڑائیں کہ میں نے جنرل شوکت کو کھری کھری سُنائیں
اوپر والوں کو لکھا کہ یہ شخص اس کام کے لئے موزوں نہیں۔ تو جنرل شوکت نے میرے عظیم ساتھیو
بہادریوں پر بھی پردے ڈال دیئے۔ اور اپنے دوست اور "میزبان" میجر بعد میں جنرل رحمٰن کو
کے لئے ہر قسم کے پاپڑ بیلے۔ یہ اس شخص کا کردار ہے جس کے بارے مشہور ہے کہ "سچا" آدمی
اب ہمارے حالات خدا کیسے ٹھیک کرے۔

عجب نہیں کہ خدا تک تیری رسائی ہو
تیری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام

آٹھواں باب

جنگ کے اثرات اور یحییٰ کی جانشینی

جنگ کے نتائج

کسی جنگ کے نتائج کو سمجھنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ جنگ کے کچھ فوری نتائج ہوتے ہیں اور کچھ دور رس۔ پھر ان نتائج کے اثرات ہوتے ہیں۔ یعنی فائدے بھی اور نقصانات بھی۔ اگر فوائد کی افادیت کو نہ سمجھا جائے یا نقصان کی تلافی نہ کی جائے تو پھر ایسے ہی ہوتا ہے۔ جیسے ہم جیسی جنگ سے نابلد قوم کے ساتھ ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ جو صاحب اس پہلو کو سمجھنا چاہیں وہ راقم کے کلاسوٹز کے فلسفہ جنگ کے ترجمہ اور تبصرہ والی تین کتابوں سے استفادہ کریں، تو معاملات کچھ سمجھ آجائیں گے۔ یہاں پر البتہ ہم عملی طور پر ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے بعد کے واقعات بیان کریں گے۔

اب مختصر طور پر ذرا ستمبر ۶۵ء کے نتائج میں جائیے۔

اوّل تو اختر ملک کے گُن گائے جاتے ہیں کہ اس نے کشمیر میں یہ کر دیا اور وہ کر دیا اور کشمیر کے سوال کو زندہ کر دیا۔ کیا یہ سوال زندہ ہو گیا؟ پھر ہم اس قابل تھے، کہ بھارت پر فوجی برتری دکھا سکتے یعنی مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے جارحانہ کارروائی کر کے کرتے۔ تو اختر ملک نے ہماری اُس قوت کو چھمب جوڑیاں۔ یا فائر بندی لائن کی طرف پھنکوا دیا۔ اور ایسے وقت آئے کہ سیالکوٹ یا لاہور بھی دشمن کی جھولی میں گرنے والے تھے۔ اب ایوب خان کو کیسے معاف کیا جا سکتا ہے، کہ اس نے بھارت پر یہ ظاہر کر دیا کہ ہماری قوم میں ایسے ڈرپوک لوگ بھی ہیں۔ ایوب خان کے جو بیٹے فوج سے جا چکے تھے، اُن کے بارے قوم کو بے وقوف بنانے کے لئے اعلان پر اعلان ہو رہا تھا کہ ایوب خان کے بیٹوں نے جنرل موسیٰ کو رپورٹ کر دی ہے، اور اپنی یونٹوں میں چلے گئے ہیں یہ رپورٹ اپنے سنٹروں میں کرنا تھی۔ باقی ریزرو افسروں نے تو سنٹروں میں رپورٹ کی۔ ایوب خان کے کسی لڑکے کو ہم نے وردی پہنے نہ دیکھا۔

ذمہ داری موسیٰ اور ایوب پر آتی ہے

پھر جو کچھ ہوا اس کا ذمہ دار اگر جنرل محمد موسیٰ نہیں تو اور کون ہے۔ اختر ملک کی کارروائی۔ چھ
کا غلط محاذ۔ لاہور والوں کو محاذ پر نہ جانے دینا۔ فوج کے چوتھے حصّہ کو چھٹی بھیج دینا۔ بارودی
اور رکاوٹوں کو ہٹانے والی کمپنی کو پانچوں سواروں میں شامل کرنا۔ بکتر بند دستوں کا غلط استعمال۔ پیدل
دستوں کی کمی۔ اور جو رہ گئے ان کا غلط استعمال، سیالکوٹ محاذ کی بے خبری۔ اور غلط فلسفہ دفاع ایسا
اب کس کس بات کا جواب جنرل موسیٰ سے پوچھا جائے کہ پاکستان نے کچھ بھی نہ پایا اور بہت کچھ کھو
اس کی ذمہ داری جنرل ایوب اور جنرل موسیٰ دونوں پر آتی ہے۔

نیچے والے کیوں نہ بھاگے

علاوہ اس گناہ گار نے سب لوگوں کے کام پر تبصرہ واقعات کے جائزے پیش کر کے دیا۔ اگر ستم
۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد انکوائری ہو جاتی اور نالائقوں کو نالائقی کی سزا ملتی تو وہ کچھ نہ ہوتا جو دسمبر
۱۹۷۱ء میں ہوا۔ لیکن ایسا کون کراتا۔ سب ہی قصوروار تھے۔ ہاں چند بریگیڈیئروں، یعنی قیوم شیر،
اصغر اور ظفر وغیرہ کے آگے ترقی نہ ملی، کہ بہت بدنام ہو گئے تھے، اور کچھ عرصے کے بعد گھر چلے گئے۔ یا بریگیڈیئر
بشیر اور بریگیڈیئر لمب وغیرہ کے قسم کے لوگوں کو اور ایک جنرل نصیر کو جلدی ہی گھر پنشن پر بھیج دیا
گیا۔ کیا یہ کافی تھا؟ لیکن نیچے والے کیوں نہ بھاگے؟ تو فرانسیسی جنرل ٹھیک کہتا تھا۔ کہ ہم جو نیچے
عہدوں میں ٹھیک ہوتے ہیں۔ لیکن اُوپر جانے کے طریقے ایسے ہیں کہ ہمیں غلط راہ اختیار کر کے اُوپر والے
عہدے حاصل کرنا پڑتے ہیں۔ اس لئے کام صحیح نہیں ہوتا۔

اُوپر کے عہدے کم کئے جائیں

دراصل اُوپر والے عہدے جتنے کم ہوں، اتنا بہتر ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ پلٹن اور اس کے مقابل
کی کمانڈ میجر یا کپتان کو کرنا چاہیئے۔ بریگیڈ کی کمانڈ لفٹیننٹ کرنل یا چھوٹے کرنل کو اور ڈویژن کی
کرنل کو۔ اور جب تک ان انگریزی ناموں، طرز زندگی، اور فلسفہ دفاع سے جان نہیں چھوٹتی۔ ہماری سرویس
ختم نہ ہوگی۔ یہ زندگی کے ہر شعبہ کو لاگو ہے۔ خواہ تعلیم ہو یا تجارت اور خواہ عدلیہ ہو یا انتظامیہ۔
ہمیں انگریزی رسم و رواج کو بحیرہ عرب میں غرق کرنا ہوگا۔

؎ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ — سُرمہ ہے میری آنکھوں کا خاکِ مدینہ و نجف

سائفن یا اکاڈٹ

ستمبر ۶۵ کی فائر بندی کے ہفتہ کے اندر اندر راقم اور کپتان صفدر نے پلٹن کو لڑائی کے لئے دوبارہ تیار کر لیا تھا۔ کہ سنٹر سے کمک پہنچ گئی تھی۔ لیکن راقم کو کوئی خاطر خواہ کام نہ دیا گیا۔ صرف کاغذی کام دیا گیا اور میں ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا رہتا تھا کہ تنظیمی کام کروں۔ پلٹن اس وقت بھی بریگیڈیئر قیوم شیر کے بریگیڈ میں تھی۔ اور ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ قیوم شیر کو ہلال جرأت مل گیا تھا اور وہ ہر جگہ ہیرو بنا پھرتا تھا۔ لیکن اُس کو ڈر یہ ہوتا تھا کہ کسی جگہ وہ اور میں اکٹھے ہو گئے تو میں پھر اس کا بھانڈا پھوڑ دوں گا۔ چنانچہ ڈویژن والوں کو موقع بھی مل گیا اس لئے انہوں نے ہمیں بریگیڈیئر اصغر کے بریگیڈ میں برکی محاذ پر بھیج دیا اور مجھے بھی اگلے دستوں کے ساتھ فائر بندی لائن پر جانا پڑا۔ میری ڈیوٹی ہڈیارہ سائفن پر تھی جو اکاڈٹ نکلا۔ اور میں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ جس آدمی نے یہ یقین کر لیا تھا کہ وہاں سے دشمن کی تین بکتر بند گاڑیاں نکل گئیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ایسے آدمی کو فوج میں ایک دن بھی رکھنا جائز نہ تھا۔

اُوپر والے مجھ سے دُور رہتے تھے

بہر حال جب تک میں لاہور رہا۔ میری کمپنی کو ملاحظہ کرنے کوئی اوپر والا نہ آتا تھا۔ بلکہ تاشقند کے بعد جب فوجوں کی واپسی ہونا تھی تو بھارتی بریگیڈیئر اور ہمارے بریگیڈیئر اصغر نے میری کمپنی کی پوزیشن میں ملنا تھا۔ تو کمال ہوشیاری سے اُس دن مجھے نوجوان افسروں کی ایک کلاس لینے کے لئے بھیج دیا گیا۔ اور ہمارا کرنل غلام حسن از خود میری جگہ کام کرتا رہا۔ اور اب جب فوجوں نے واپس جانا تھا تو لاہور محاذ کے اوپر والے افسر مجھے لاہور میں نہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے راقم کی تبدیلی ہو گئی کہ ایک نئی پلٹن کھڑی کروں، کہ اب تک اس پلٹن کے کمانڈنگ افسر کا فیصلہ نہ ہوا تھا اور ایسا فیصلہ ہونے تک راقم ہی کمانڈنگ افسر ہوگا اور اسی وجہ سے مجھے فروری ۱۹۶۶ء میں مردان جانا پڑا۔ جہاں سے پلٹن کھڑی کر کے کوئٹہ پہنچ گیا۔ یعنی جنگ سے پہلے تو میں اتنا بوڑھا تھا کہ سنٹر میں آرام سے نوکری کرتا اور اب جوان ہو گیا کہ ایک نئی پلٹن کھڑی کروں۔ راقم نے یہ حکم بسر و چشم مانا۔ حالانکہ میرے لئے لاہور زیادہ موزوں تھا کہ بچے پڑھ رہے تھے اور میرے بڑے لڑکے خالد کو لاہور میڈیکل کالج میں انہی دنوں داخلہ ملا تھا اور میرا مکان کالج سے ایک میل

سے بھی کم فاصلہ پر تھا۔ لیکن اوپر والوں کا مقصد یہ تھا کہ میں لاہور سے دور رہوں کہ اخبار والوں
حالات نہ بتا دوں۔

تاشقند کے راز

تاشقند میں کیا ہوا۔ میں اس پر کوئی تبصرہ نہ کروں گا۔ وہی ذوالفقار علی بھٹو، ڈرافٹ بر
والے تھے۔ اور انہی نے واپس آکر کہا کہ وہ اس میں شامل نہیں۔ اور پھر اسی تاشقند کے راز وا
فاش کرنے کے وعدہ نے اُن کو لیڈر بنا دیا۔ نہ اس زمانے میں کسی نے ان سے پوچھا کہ آخر یہ کیا را
اور نہ کسی نے کہا کہ وہ غلط کہتا ہے۔ یا چلو بھٹو کو کہہ دیں کہ تم یہ راز فاش کرو۔ یا بھٹو جب خود حکو
آیا تو پھر بھی یہ راز فاش نہ کئے۔ اور اس کو کسی نے پُوچھا۔ تو اب اللہ تعالےٰ نے مجھے توفیق دی کہ یہ
فاش کر رہا ہوں اور یہ راز اتنے زیادہ ہیں کہ شاید میں بھی یہ راز فاش نہ کر سکوں۔

بنیادی راز یہ ہے کہ ہم میں ایمان کی کمی ہے اور مومن کی فراست نہیں۔ ہم نے لیاقت علی کو
اور اس کو شہیدِ ملّت کا خطاب دیا۔ یہ بھول گئے کہ جو آدمی جھوٹے نبی کا مرکز بنواتا ہے تو وہ ملّت کا
کیسے ہو سکتا ہے؟ دولتانہ کو آج بھی بزرگ سیاستدان کہتے ہیں اور یہ خیال نہیں، کہ قادیانوں
کی زمین اس نے دی۔ میر جعفر کے پوتے سکندر مرزا کو پاکستان کا پہلا صدر بنایا۔ ایوب جو کا
تھا اس سے اُمیدیں وابستہ کیں۔ یحییٰ خان کے بارے ایک اسلامی جماعت کے سربراہ کو
تھی کہ وہ قوم کو اسلامی قانون عطا کرے گا۔ بھٹو کو اپنا نجات دہندہ سمجھا اور یہی تاشقند کا
تھا۔ بھٹو تو سب کچھ اپنے ساتھ قبر میں لے گیا لیکن راز یہ تھے۔ کہ اے لوگو تم بڑے بے وقوف او
ہو۔ زندگی فراڈ ہے۔ تمہارے ساتھ جتنا فراڈ کیا جائے اتنا بہتر ہے۔ تم کو لیاقت علی نے خلیفۃ الا
دیا۔ بھٹو نے قائدِ عوام بن کر نہ صرف قوم کو بے وقوف بنایا بلکہ ستمبر ۶۵ء میں ساری فوج کو بے
بنایا۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کے ہمدردوں کو بے وقوف بنایا۔ قادیانیوں کو استعمال کیا او
وہ اس کو استعمال کر رہے ہوں۔ یہ فیصلہ تاریخ کرے گی۔ بھٹو کو مغربی پاکستان کی حکومت چا
اور اس کی بلا سے یہ مغربی پاکستان چھوٹا ہوتے ہوتے صرف لاڑکانہ تک رہ جائے تو اتنی حکومت
ہے۔ ایوب خان اور اُس کے حواری اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کہ وہ خود اس کی طرح ہیں۔ اگر وہ اس
راز فاش کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ خود ننگے ہو جائیں گے۔

فوج میں نئی جان ڈالنے کی کوشش

ہم لوگ سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ اس فوج میں نئی جان ڈالیں اور کوئٹہ میں ہمارے ڈویژن میں اس سلسلہ میں جو بحث مباحثے ہوئے اُن کی تفصیل ہمارے مضمون کو لمبا کر دے گی۔ لیکن افسوس کہ اس کا خاک نتیجہ بھی نہ نکلا۔ چند ترمیمات ضرور ہوئیں کہ ستمبر ۶۵ سے پہلے یا جنگ میں جو غلطیاں ہوئیں ان سے کچھ اسباق نکالے۔ لیکن راقم کی اس بنیادی تجویز کو کسی نہ سُنا کہ ہمیں اسلامی فلسفۂ دفاع اپنانا چاہیئے اور انہی دنوں خبر ملی کہ یحییٰ خان اب بری فوج کے نئے کمانڈر انچیف ہوں گے تو رہی سہی اُمیدیں بھی ختم ہو گئیں یحییٰ کو اُوپر لانے میں ایوب خان اور محمد موسےٰ دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ اور نور خان کو اُوپر لانے کے بعد، ایوب خان ایک طرف نواب کالاباغ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا تو دوسری طرف اپنے وفادار جرنل سرفراز کو اُوپر لاتے لاتے رہ گیا۔

ایوب کے پروردہ ۔ یحییٰ اور بھٹو

نواب کالاباغ نے ایوب خان کو صاف صاف کہہ دیا کہ سُنو ایوب خان ! میرا باپ بچپن میں فوت ہو گیا تھا اور میں یتیم تھا۔ میری ماں کو ڈر تھا کہ مجھے کوئی جلدی ختم کر دے گا کہ ہم دشمنوں والے بھی تھے اور میری جائداد بھی تھی۔ اس لئے میری ماں اپنے دل کو تسلّی دینے کے لئے مجھے لوری دیتی تھی کہ "پُتر بنے لاٹ پنجاب دا" یعنی میرا بیٹا پنجاب کا گورنر بنے۔ میں اس سے زیادہ بن گیا۔ میرے لئے اس سے اُوپر کوئی جگہ نہیں۔ پھر ہم نیچ پال لوگ ہیں اور بے وفائی نہیں کرتے۔ تو میری جگہ جس کو تیری مرضی ہے لے آ۔ لیکن یاد رکھ کہ میرے بعد تو بھی نہ رہے گا کہ تو اِس غلطی میں ہے کہ تیرے بیٹے تیرے جانشین ہوں گے۔ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ تو نے دو سانپ پال رکھے ہیں۔ ایک یحییٰ اور دوسرا بھٹو۔ یہی تمہیں ختم کریں گے۔

یحییٰ کیسے کمانڈر انچیف بنا

مجھے یہ بات میرے ہم زُلف ملک سرخرو خان نے بتائی جو گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں متعیّن تھا۔ کیونکہ پنڈی سے لاہور تبدیلی کے وقت یہی بات راقم نے اختر ایوب کو بتائی تھی۔ گو نور خان اُس وقت تک کمانڈر انچیف نہ بنا تھا اور میں نے صرف یحییٰ اور بھٹو کا ذکر کیا تھا! اور آج کل یہ بحث چل رہی ہے کہ کیا یحییٰ کو کمانڈر انچیف بنانے کا فیصلہ اکیلے ایوب خان کا تھا یا ایسا جرنل موسےٰ کی سفارش پر ہوا۔

جنرل موسیٰ اور جنرل یحییٰ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ دونوں کے شاہ ایران
تعلقات تھے اور یہی وجہ تھی کہ جنرل موسیٰ ریٹائرڈ ہو کر ایران میں سفیر بن کر جا رہے تھے۔
دوران جنرل یحییٰ کے بھائی آغا محمد علی نے ایک طرف اور مسٹر اعوان نے جو بقول نواب کالاباغ
اعوان تھا، دوسری طرف امیر محمد خان اور ایوب کے درمیان تفرقات بڑھا دیئے تھے۔ کچھ غلطی
کی بھی تھی کہ اس نے نواب کالاباغ کے مخالفین کے ساتھ دوستی بڑھائی اور انہی دنوں جب
ہو کر لاہور پہنچے اور ہماری جاہل قوم اس کو ہیرو سمجھ رہی تھی تو نواب کالاباغ نے بھٹو کو دو
کھانے پر بلا کر اس آگ کو "ٹھنڈا" کر دیا۔ لیکن ایوب خان بات کو نہ سمجھے۔ اس کو کہا گیا کہ
دشمن کو نواب صاحب نے دعوت دے دی۔

اصل میں یحییٰ خان، اس کا بھائی اور شاہِ ایران سب کی یہ کوشش تھی کہ ایوب خان
اس کے بعد گدی کو یحییٰ خان سنبھالے۔ شاہِ ایران کو بھٹو بھی منظور تھا۔ اُوپر والوں
مشترک تھیں۔ البتہ جنرل موسیٰ کے بارے وہ یہ جانتے تھے کہ وہ خطرہ مول نہ لے گا۔ لیکن ضرورت
وہ اس کو ساتھ ملا لیتے تھے اور شاہ ایران، بھٹو اور یحییٰ خان میں یہ قدر مشترک تھی کہ ایوب
ہی نکالا جا سکتا ہے کہ پہلے نواب کالاباغ کو نکالا جائے اور اس کی جگہ لینے کے لئے یہ گروہ جنرل
تیار کئے ہوئے تھے اور اس سے اپنا کام نکال رہے تھے۔ علاوہ اُن کو یہ فکر تھا کہ اگر ایوب
جنرل سرفراز کو کمانڈر انچیف بنا دیا تو پھر وہ ایوب خان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

موسیٰ کا مشیر، یحییٰ کا بھائی

معاملات یہاں تک ہیں کہ جب جنرل موسیٰ گورنر بن کر لاہور پہنچے تو ہر بات کا فیصلہ کرنے
وہ یحییٰ کے بھائی محمد علی کے ساتھ مشورہ کرتے تھے اور محمد علی نے اس مشورہ کو یہاں تک بڑھا
اعوان قوم کے کسی چپڑاسی تک کو بھی گورنمنٹ ہاؤس میں نہ رہنے دیا جائے کہ یہ سب نواب کالاباغ
جاسوس ہیں اور جنرل موسیٰ اس حد اور سطح پر بھی تیار ہو گیا تھا۔ لیکن جنرل موسیٰ کے فوجی
جو نائب صوبیدار بن گیا تھا اور جنرل موسیٰ کے ساتھ تھا اس نے جنرل موسیٰ کو سمجھایا کہ غریب
کرو۔ امیر محمد خان نے اپنے زمانے میں کسی ایک اعوان کو بھی بھرتی کر کے مالی کے طور پر بھی
میں نہیں لگوایا۔ یہ چھوٹے موٹے لوگ گورنر موسیٰ یا اس کے بعد کے زمانے کے بھرتی ہیں۔

جزل موسیٰ اور جنرل یحییٰ کے ہاں اندر اندر ایسی گاڑھی چھنتی تھی کہ جنرل موسیٰ کا بھی ملٹری
ٹری بریگیڈیئر اسحٰق ، نہ صرف یحییٰ کا جی۔ایچ۔کیو میں ملٹری سیکرٹری رہا ۔ بلکہ یحییٰ اس کو صدر ہاؤس
ں اپنے ساتھ لے گیا اور اس کو میجر جنرل بنا دیا۔یہ صاحب پانچ وقت نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے
ے ساتھ کیسے گزارہ کیا۔ اللہ مغفرت کرے اب فوت ہو چکے ہیں اور میرے دیرینہ دوست تھے بس یہی
ہیں کہ "مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی"۔

ہ تعلقاتِ عامہ میں پانچویں دفعہ

ارئین ! اب نزدیک والے زمانے میں پہنچ گئے ہیں تو حالات کو مختصر کیا جائے کہ "تاشقند" تو ہو
ا۔ یعنی ہمارا توشہ تو دیوار پر لکھا جا چکا تھا۔ اب "سقوط" دیکھنا تھا۔ راقم نے بریگیڈیئر قیوم شیر
اف اور لاہور کی جنگ کے سلسلہ میں جو انکوائری کی درخواست دی ہوئی تھی۔ اس کا جواب نہ مل
۔ نومبر ۱۹۶۶ء میں ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر ملک نواز کوئٹہ آئے تو میں نے اُن سے انٹرویو لیا۔
ں نے مجھے بتایا کہ امیر افضل گزارہ کرو۔ کوئی انکوائری نہ ہوگی ۔ البتہ بریگیڈیئر قیوم شیر کا پہلے
وشن نہ ہوا۔ اور اب وہ پنشن پر جا رہا ہے ۔ میں نے گزارش کی پنشن پر تو میں بھی جانے والا ہوں
ر کرنیلی کا نمبر آنے سے پہلے میں OVERAGE یعنی زیادہ عمر کا ہو چکا ہوں گا۔ تو ملٹری سیکرٹری
یا کہ تمہاری ابھی فوج کو ضرورت ہے محکمہ تعلقاتِ عامہ والے پھر تمہارے لئے کہہ رہے ہیں۔
آپ کا ڈویژن کمانڈر بھی یہاں پر آپ سے بہت خوش ہے اور اس کو بتانا پڑے گا کہ تمہارے کرنل
کا کوئی موقع نہیں تو پھر وہ تمہاری تبدیلی پہ کچھ نہ کہے گا ۔ ڈویژن کمانڈر صاحب اور ملٹری سیکرٹری
درمیان کیا بات ہوئی، معلوم نہیں۔ بہر حال میری تبدیلی پاکستان بننے کے بعد تیسری دفعہ اور ویسے
یں دفعہ پھر تعلقاتِ عامہ میں ہو گئی اور ڈویژن کمانڈر کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس کو خیال ہو
میں اتنی محنت اس وجہ سے کر رہا ہوں کہ کرنیلی کا خواہاں ہوں ، اور اس نے میری رپورٹ
ی کچھ اس قسم کی لکھی ۔ شاید کسی بڑے افسر کی میرے بارے میں یہ پہلی دیانتدارانہ رپورٹ
ی۔ ورنہ عام طور پر سب سینئر مجھ سے جان چھڑانے کی کوشش میں ہوتے تھے ۔

وب خان ریت پر قلعہ تعمیر کر رہا تھا

اب محکمہ تعلقاتِ عامہ میں واپس آکر راقم نے معاملات کو پھر نزدیک سے دیکھنا شروع کر دیا۔

مِس فاطمہ جناح کے ساتھ الیکشن اور ستمبر ۶۵ کی جنگ نے ایوب خان پر بڑے نفسیاتی اثرات
کئے تھے۔ لیکن اس نے مضبوط دلی کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ اب اسے یہ فکر تھی کہ اس کا
اس کا جانشین بن جائے۔ کشمیر کو وہ فتح نہ کر سکا۔ باقی معاملات اس کے خیال سے ٹھیک چل رہے
اور ہم کو اتنے ہی پاکستان پر گزارہ کرنا چاہیئے جتنا مل گیا ہے۔ کشمیر لینے کے لئے پاکستان کو داؤ
لگانا چاہیئے۔ اب وہ مکمل طور پر لیاقت علی والی پالیسی اختیار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن نہ وہ لیاقت
طرح سیاستدان تھا اور نہ اس میں پہلے والا جذبہ یا سکت باقی رہ گئی تھی۔ انہی دنوں میں اس
الطاف گوہر مل گیا جس نے ایوب خان کو کچھ سبز باغ دکھائے کہ اگلے سال یعنی ۱۹۶۸ء میں آپ
دس سالہ سنہری دور کو منائیں گے۔ ایوب خان سے ایک کتاب بھی لکھوا ڈالی اور ایوب خان اب
آپ کو پاکستان کا کمال ترکی سمجھنے لگ گیا۔ بلکہ ایشیا کا ڈیگال بھی بن رہا تھا۔ یہ ریت پر قلعہ تعمیر
والی بات تھی۔ اپنی کتاب کو وہ اتنا اہم سمجھتا تھا اور اپنے آپ کے بارے میں اتنی غلط فہمیوں
ہو گیا تھا کہ اپنی انگریزی کی کتاب FRIENDS NOT MASTER کا جب اُردو میں ترجمہ کرایا
کو مندرجہ ذیل عنوان دیا۔

ے اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اقبالؒ

نوجوانوں نے راقم سے پُوچھا کہ کیا ایوب خان اتنا بلند آدمی ہے۔ تو میں نے اُن کو پنجابی کی
کہانی سُنائی کہ بھیڑوں کا ایک ریوڑ جا رہا تھا، اور سردیوں کا موسم تھا۔ ان کے ناک بہہ رہے
اور کچھ مینگنیاں بھی اُون کے ساتھ چمٹی ہوئی تھیں۔ تو ان سے کسی نے پوچھا کہ سُنا ہے آج کل
آسمانوں سے اُتر کر دُنیا پر آئی ہوئی ہیں۔ تم نے ان کو کہیں دیکھا تو نہیں؟ بھیڑوں نے کہا دیکھا
لیکن کچھ لوگ شک ہمارے اُوپر بھی کرتے ہیں۔

ایوب کی غلط فہمیاں

یہی بات ایوب خان پر لاگو ہے۔ اُس بے چارے کو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ اس کو لائے تھے
اب اس کو چلتا کرنے والے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ ایک کوشش کر بھی چکے ہیں۔ جو مکمل

۔ اب ایک اور جھٹکے کی ضرورت ہے۔ کئی شاہسوار میدان میں تیار کئے جا چکے ہیں۔ انہوں نے ہر
کے لبادے اوڑھے ہوئے ہیں۔ کوئی باہر سے سوشلسٹ ہے اور اندر سے جاگیر دار یا آمر۔ کوئی ایوب خان
رح "فیلڈ مارشل" نہیں اصلی اور صحیح مارشل ہے۔ کسی نے اسلام کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ کسی نے
تان کی خالق جماعت کا صحیح لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ کوئی لوگوں کو انصاف مہیا کرنا چاہتا ہے۔ کسی کے
"کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہے۔ کوئی علم و عرفان کے دریا بہا رہا ہے۔ کوئی گھیراؤ کی دھمکیاں دے
ہے۔ یعنی فرنگی مقامروں کے قمار خانہ میں رونق آ گئی اور ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خان کی نفسیات
و لر کر ہی دیا۔ لیکن حکومت نے بھٹو کے بیان کو کہیں شائع نہ ہونے دی۔ لیکن سازش اتنی گہری تھی
ب کی "امداد" کے لئے محمد موسیٰ صاحب کو آگے بڑھایا گیا جس نے بھٹو کے بیان کی تردید کر کے ایوب خان
وئی فائدہ نہ پہنچایا۔ البتہ بھٹو کے بیان کو "زندہ" کر دیا اور ہے جمالو۔ اور دمادم مست قلندر کے نعرے
ا شروع ہو گئے۔ بنگال میں پہلے ہی بغاوت ہو چکی تھی اور متعدد سابق فوجی اور مجیب الرحمٰن۔
ر سازش کے تحت ملزم کے طور پر ایک مقدمے میں ملوث تھے۔

ب جاوے ہی جاوے

دراصل قوم کو بے وقوف بنایا جا رہا تھا اور نعرہ تھا ایوب جاوے ہی جاوے اور کون آوے
ئے)۔ یہ دیکھا جائے گا۔ بس ہم اسی غلطی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ دراصل یہ ایک جانشینی کی
ت تھی۔ چار جانشین تو بالکل ظاہر تھے۔ یحییٰ خان، بھٹو، اصغر خان اور مجیب الرحمٰن۔ باقی براتی تھے۔
نوابزادہ نصر اللہ خان سب سے بڑا سیاست باز سیاسی ماہر ہونے کی وجہ سے کچھ ذاتی وقعت حاصل کر
تھا۔ یا بھاشانی اپنی الگ بانسری بجا رہا تھا۔ لیکن بے چارے "اسلام پسندے" تو "گھیاچو" کی
رح دیوانہ دار خواہ مخواہ چلو ہی بھر پانی میں گز بھر اُچھل چلے تھے کہ شاید بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی مل
الے۔ بھٹو اگر ایک طرف یحییٰ کے ساتھ یارانہ گانٹھے ہوئے تھا۔ تو دوسری طرف اصغر خان کو کئی ذرائع
ت بڑی اُمیدیں دلائے بیٹھا تھا اور مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن کے ساتھ ٹکر لینا تو اس
ی کتاب میں ہی نہ لکھا تھا۔ اس کی دلچسپی صرف مغربی پاکستان میں تھی اور یہی حالت مجیب الرحمٰن
کی تھی کہ اس کو مغربی پاکستان کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اگر وہ مغربی پاکستان میں دلچسپی لیتا اور
اس طرف لیڈری چمکاتا تو مشرقی پاکستان میں اس کی لیڈری ختم تھی کہ اس کی لیڈری کی بنیاد ہی مغربی پاکستان

کے ساتھ نفرت تھی۔ اصغر خان، غلط فہمیوں کا شکار تھا اور تاجپوشی کے لئے وہ اتنا تیار تھا کہ اپنی
کابینہ" بھی بنا چکا تھا۔ لیکن دراصل یہ سب لوگ یحییٰ کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے کہ وہ اتنی
چاہتا تھا کہ وہ ایک اور مارشل لا لگا سکے۔ شاید بھٹو اس "عارضی انتظام" کے لئے تیار بھی تھا۔

یحییٰ سب کو بے وقوف بنا رہا تھا

لیکن یحییٰ خان کو کچھ یقین دہانیوں کی ضرورت تھی۔ اوّل نواب کالاباغ جا چکا تھا۔ لیکن اس
زندہ ہونا بھی یحییٰ اور اس کے بھائی محمد علی کو چبھتا تھا۔ کہ ایوب جب زیادہ تنگ پڑ گیا تو وہ کہیں
نواب کالاباغ سے صلاح و مشورہ نہ کرلے۔ دوسرا نور خان تھا، جس کی یحییٰ کو ضرورت تھی اور
تک نواب کالاباغ زندہ تھا، وہ نور خان کو کبھی اجازت نہ دیتا کہ وہ یحییٰ خان پر اعتبار کرے یا اس
ساتھ پینگیں اُڑائے۔ اس لئے نواب کالاباغ کا قتل ایک سازش ہے اور اس کے بیٹے نے جو
کرلیا کہ وہ قاتل ہے، اس کے پیچھے کوئی بات ضرور ہے۔ کہ کالاباغ کے اِس بیٹے کی شادی ہنزہ میں
تھی اور عام خیال یہ ہے کہ جو کچھ ہوا یا کیا گیا وہ نواب صاحب کی بہو نے ہی کیا یا کروایا۔ اس
تعلقات یحییٰ خان کے ساتھ بھی تھے۔

نواب کالاباغ کا قتل

اسد کو مجبور کیا کہ ایسا بیان دے ورنہ قتل کی ذمہ داری اس کے سر ڈال دی جائے گی
اس کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ لیکن مدافعانہ بیان کے بعد اسد کو پوچھا بھی نہ جائے گا۔ یہی
ہے کہ اسد کے تسلیم کر لینے کے بعد کہ وہ قاتل ہے، اس کو ایک دن بھی ہتھکڑی نہ لگی۔ نواب صاحب
بارے ادھر ایوب خان کو یہ بتایا جاتا تھا کہ جب تک کالاباغ زندہ ہے۔ ایوب خان کو خطرہ ہے کہ
ایوب خان کو کسی سے مروا دے گا۔ اس لئے کالاباغ کے قتل پر ایوب خان کو اُلٹا تسلی دی گئی
اب اس کو کوئی خطرہ نہیں اور ایوب خان بجائے اس کے کہ اپنے ایک پُرانے ساتھی یاد آئیں۔
کی موت پر چند آنسو بہاتا۔ قتل کی خبر سُن کر RELAX ہوا اور حیدرآباد کی طرف شکار پر نکل گیا
جنرل موسیٰ صاحب کی گورنری اور یحییٰ کے بھائی آغا محمد علی کے پولیس کی سربراہی کے زمانے
ہے۔ کہ کچھ بھی نہ ہوا۔ کالاباغ میں اچھی باتیں بھی تھیں اور کمزوریاں بھی تھیں۔ وہ شتر والا کینہ رکھتا
اور دشمن کو معاف کرنے کو تیار نہ تھا۔ اگر اس میں یہ کمی یا خامی نہ ہوتی تو وہ عظیم انسان ہوتا

خامی یہی۔ وہ اس حد تک گیا ہوا تھا کہ دشمن کے خلاف ہر ہتھیار یا طریقہ استعمال کرنے کو تیار تھا۔ وگرنہ وہ عظیم آدمی تھا اور دوستوں کا دوست، وعدہ کا پکّا۔ ہلج پال اور ایوب کے ساتھ اس نے ایک تھالی میں کھایا تھا۔ اس کے ساتھ بے وفائی نہ کرتا اور مغربی پاکستان میں جو زرعی ترقی ہوئی ہے یا باقی بہتریاں ہوئی ہیں اس کا سہرا بھی اس کے سر ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایوب چند سال اور رہ جاتا۔ یا کالاباغ چند سال نہ جاتا تو کیا ہمارے حالات ٹھیک ہو جاتے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آدمی ملکوں اور قوموں کو وقتی طور ٹھیک کر سکتے ہیں۔ اصلی چیز فلسفہ اور طریقہ کار ہے۔ ہم اسلامی فلسفہ حیات کی پیروی کر کے اور اسلامی سیاسی فلسفہ نفاذ سے ہی سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا — اقبالؒ

یحییٰ نے نور خان کو ساتھ ملا لیا

جنرل یحییٰ نے کمانڈر انچیف بننے کے بہت جلد بعد مارشل نور خان کے ساتھ پیشہ ورانہ سطح پر تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے۔ نور خان بنیادی طور پر سخت پیشہ ور ہوا باز ہے اور اس کو ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ بری فوج، فضائی فوج کو کوئی ثانوی حیثیت نہ دے۔ یحییٰ خان یہ جانتا تھا اس لئے اس نے نور خان کو خوش کرنے کے لئے فضائی فوج کو بہت زیادہ اہمیت دینا شروع کر دی اور نور خان کے آدمیوں کو اپنے جنرل ہیڈ کوارٹر میں لانا شروع کر دیا۔ ان میں کچھ کو تو جنگ کے رابطہ کے طور پر رکھا۔ بلکہ ایڈمنسٹریشن اور اکاؤنٹ وغیرہ کے سلسلہ میں ہوائی فوج کے لوگوں کو جی۔ایچ۔کیو میں لانا شروع کر دیا کہ یہ لوگ بری فوج کی طرح دقیانوس نہیں۔ ہوائی فوج والے نئے ہیں اور ستھرے خیالات رکھتے ہیں اور ہمیں نور خان اور ہوائی فوج سے بہت کچھ سیکھنا چاہیئے۔ نور خان، ان باتوں میں آگیا۔ اصل بات یہ تھی کہ یحییٰ خان کو بحری فوج سے کوئی ڈر نہ تھا۔ کہ وہ خشکی پر نہ تھے۔ پھر ان کا کمانڈر انچیف احسن کمزور آدمی تھا۔ لیکن ائیر فورس سے یحییٰ کو ڈر تھا کہ اگر یہ لوگ ایوب کے وفادار رہے۔ تو یحییٰ کی بری فوج سے بھی کئی لوگ ایوب کے وفادار رہیں گے۔

بھٹو میدان میں آگیا

بہرحال اس ساری تیاری کے بعد جب یحییٰ خان کی طرف سے گرین سگنل مل گیا تو بھٹو بھی میدان
گیا۔ ورنہ ایک دفعہ وہ گوشہ نشینی بھی اختیار کرنے والا تھا۔ لیکن بھٹو کے نعرہ دمادم مست
قوم نے نہ سُنا، تو یحییٰ کے بھائی نے جنرل موسیٰ کو شہ دی کہ ایوب خان کی "وفاداری" کردا
کو جاکر اُس کے صوبہ میں کھری کھری سُنا آؤ۔ یعنی پنڈورا باکس کھول دو۔ یا پنجابی کی مثال
کو کہا کہ ملاں گھر خالی ہے اور مالکوں کو کہا کہ خیال رکھنا چور آنے والے ہیں۔ بس پھر لمبی کہانی

ے کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام

چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ینسلون

ایوب ستھری سیاست دینے کی بجائے خود کٹھ پتلی بن گیا

نتیجہ قوم نے دیکھ لیا۔ مجیب الرحمٰن کو محبِ وطن بنا کر پاکستان والوں نے اپنا لیا
لیا۔ ۱۹۵۸ میں ایوب خان اس لئے آیا تھا کہ سیاستدانوں کو راہِ راست پر لایا جائے گا۔ آ
سیاستدانوں کے سامنے وہ کٹھ پتلی تھا۔ اس کو مجبور کیا جا رہا تھا کہ ملک اصغر خان کے حوالے کر دے
یحییٰ خان اور نور خان نہیں مان رہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یا تو ملک سپیکر کے حوالے کرو۔ کہ وہ تمہارا
ہم الگ بیٹھے ہیں اور یا ہمارے حوالے کر دو، ہم اس ملک کو ٹھیک کریں گے۔

یحییٰ کی عیو جانبداری

دراصل جب ایوب خان کے خلاف تحریک شروع ہوئی، تو یحییٰ خان کا پہلا بیان یہ تھا
خاص طور پر حکم دیا کہ ہم اخبار نویسوں کو بتا دیں کہ یہ ایوب خان اور سیاستدانوں کا جھگڑا
اپنے آپ کو اس میں ملوث نہیں کرنا چاہتے۔ اور ہماری کوشش ہو گی کہ ہم اس جھگڑے سے دو
یہی چیز یحییٰ نے اپنے جرنیلوں کو باور کرائی اور مارشل نور خان اور ایڈمرل احسن کو بھی اپنا ہم
بنا لیا۔ لیکن دوسری طرف حالت یہ تھی کہ کرنل مسعود کو محکمہ تعلقاتِ عامہ سے چلتا کیا اور عبدالرحمٰن
کو لے آیا، جس کے بارے اس کو معلوم تھا کہ اُس "جیسا" اس کو اور نہیں مل سکتا۔
گل حسن کو واپس بلایا گیا اور وہ چیف آف دی جنرل سٹاف بن کر اب جی ایس برانچ کا
اُدھر یحییٰ کا پرانا دوست اور پچھلے مارشل لاء کا ڈی ایم او پیرزادہ اب ایجوٹنٹ جنرل تھا کہ اس دف

"یکل" مارشل لاء کی تیاری تھی۔ گل حسن کے بھی بھٹو کے ساتھ روابط تھے اور پیرزادہ کے بھی۔ دونوں بھٹو کے آجانے کے بعد کمانڈر انچیف کے امیدوار تھے اور یحییٰ اپنا مطلب نکال رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کو وقتی طور پر استعمال کر رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی جنرل یحییٰ نے ایک فوجی گروپ بنایا ہوا تھا جس کا ہیڈ جنرل حمید تھا جو جنرل یحییٰ کا سایہ "مشہور" تھا۔ اس گروپ میں جنرل خداداد۔ جنرل ابوبکر مٹھا، جنرل غلام عمر اور جنرل عنایت کیانی وغیرہ شامل تھے۔ ان میں کچھ یعنی جنرل عمر وغیرہ "اسلام پسند" مشہور تھے کہ جنرل عمر کے نانا قاضی سلیمان نے حضور پاکؐ کی سیرت پر مشہور کتاب رحمۃ اللعالمین لکھی تھی اس لئے ان لوگوں کی مدد سے یحییٰ۔ اسلام پسند سیاستدان کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا اور ساتھ ہی کہتا تھا کہ اگر وہ گیا تو حکومت جنرل حمید کے حوالے کر جائے گا۔ جنرل عمر اپنے آپ کو کسینگر آف پاکستان کہتا تھا۔

یہ سارے گروپ اِن شکلوں میں دوبارہ مارشل لاء لگنے کے بعد ظاہر ہوئے لیکن ان کا وجود موجود تھا اور یحییٰ اپنے آپ کو بڑا لبرل ظاہر کرتا تھا اور کئی لوگوں کا GOD FATHER بنا ہوا تھا۔ جن میں جنرل اور بریگیڈیر شامل تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ کئی بڑے مذہبی قسم کے لوگ بھی یحییٰ کے سلسلہ میں پُر امید تھے کہ شاید پریذیڈنٹ بننے کے بعد یحییٰ توبہ کر لے اور اس ملک کو ٹھیک کر دے۔ اس کا ملٹری سیکرٹری بریگیڈیر بعد میں جنرل اسحاق بہت مذہبی آدمی تھا اور پانچ وقت کا نمازی تھا اور یحییٰ کا مداح بھی تھا۔

البتہ میرے لئے یہ سب حیرانگی کا باعث ہوتا تھا کہ مجھے یحییٰ صاحب کبھی متاثر نہ کر سکے اور میں دوبارہ محکمانہ تعلقاتِ عامہ میں آنے سے کچھ اس لئے بھی گھبراتا تھا کہ میرے لئے یحییٰ کے گیت گانے مشکل ہو جائیں گے۔ یحییٰ کے ساتھ میں صرف دو دفعہ ڈیوٹی پر گیا اور عام قسم کی پبلسٹی کی۔ البتہ یحییٰ کی ایک بات یہ ضرور تھی کہ جب وہ جان جاتا تھا کہ فلاں آدمی اس کا STOOGE بننے کو تیار نہیں تو اس کی بھی عزت کرتا تھا۔ مجھ سے کئی سینئیر لوگوں کو وہ "تُو۔ تُو" کر کے پکارتا تھا۔ لیکن مجھے ہمیشہ آپ کر کے پکارا اور عزت سے پیش آتا تھا۔ جو لوگ اتنے اونچے مقام پر پہنچ جاتے ہیں ان میں کچھ اوصاف بھی ہوتے ہیں۔ ابوجہل بھی تمام یونانی فلسفہ پڑھا ہوا تھا تو تب ہی ابوالحکم کے نام سے مشہور تھا اور اسلام نے اس کو ابوجہل بنا دیا۔ لیکن آج کل پھر باطل فلسفوں کے اماموں کو یا

ترقی پسندوں کو یا اصحاب شمال کو ہم ادیب، فن کار، دانشور، فلسفی اور پتہ نہیں کون کون سے خطاب دیئے ہوئے ہیں۔

ایوب کو یحیٰی کے ارادوں کا علم ہوگیا

بہرحال ایوب خان کے خلاف جب تحریک شروع ہوئی تو یحیٰی کے اس رویّہ سے وہ تاڑ گیا کہ یحیٰی اس کے ساتھ نہیں۔ اس لئے اس نے یحیٰی کو چین بھیجا اور پیچھے جنرل حمید نے یحیٰی کی کرسی سنبھال لی۔ ایوب نے جنرل حمید کو بُلا بھیجا کہ وہ اس کو حالات سے آگاہ کرے۔ لیکن حمید اپنے ساتھ لمبا چوڑا سٹاف لے گیا، جس میں خُفیہ سروس کے کرنل کے عہدہ تک کے لوگ شامل تھے اور ان سب نے ایوب خان کو یہ باور کرایا کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے۔ ایوب خان، سیاستدانوں کے ساتھ فیصلہ کرے فوج بیچ میں آنا پسند نہ کرے گی۔ یعنی حمید وہی کہہ رہا تھا جو کچھ اس کو یحیٰی پڑھا گیا تھا۔ ایوب خان نے حمید کو دبی زبان میں یہ بھی کہا کہ اگر یحیٰی کو چین سے واپس آنے میں دیر لگ جائے اور اگر ساری ذمہ داری تمہیں سونپ دی جائے تو پھر تو اس کو سنبھالو گے نا۔ دوسرے لفظوں میں ایوب خان یحیٰی کی جگہ حمید کو کمانڈر انچیف بنانے کو تیار تھا اور یہ آخری بات ایوب خان نے اکیلے حمید کے ساتھ کی لیکن حمید کا جواب تھا کہ اگر حالات اتنے خراب ہیں تو جنرل یحیٰی کو چین سے واپس بُلا لیا جائے۔

ایوب ہمّت ہار گیا

اب ایوب ہمت ہار گیا۔ اُس کے لئے ایک طریقِ کار رہ گیا تھا کہ جنرل سرفراز یا جنرل بختیار رانا کو واپس بُلاتا۔ یحیٰی اور حمید دونوں کو چُھٹی کراتا۔ تو ایک دفعہ مکمل خاموشی ہو جاتی اور یہ قوم یحیٰی اور بھٹو کے "تاشقند" یا "سقوط" سے بچ جاتی۔ لیکن کب تلک؟ اوّل تو ایوب میں اتنی ہمت نہ تھی اور اگر ایسا کر بھی لیتا تو سال دو سال نکال جاتا۔ ملک اور قومیں فلسفوں سے چلتے ہیں، بے جان فلسفوں سے نہیں، کہ حقیقت یہ ہے۔

یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے
اقبالؒ

اب وہی ہونا تھا جو سازش والے چاہتے تھے۔ ایک اور بے دین ملک کا سربراہ بن گیا۔

اِدھر بھٹو نے سوشلزم کے باطل فلسفے پر اسلام کا لیبل لگایا اور اُدھر مجیب نے نفرت کا بیج بونا شروع کر دیا۔ نصراللہ خان اپنا حقہ لے کر واپس مظفر گڑھ پہنچ گئے اور اصغر خان نے اب نیا لنگوٹ کسنا شروع کر دیا۔ اُس نے بھی آدھا میدان تو مار لیا تھا کہ ایوب خان تو چلا گیا اور دنیا اُمید پر قائم ہے۔ یہاں پر ہم اصغر خان کو داد دیں گے کہ دل نہ چھوڑا۔ گو آگے کئی دفعہ بچھڑیں گے۔

یحییٰ کا مارشل لا

جنرل یحییٰ کا مارشل لاء اپنی قسم کا آپ تھا۔ اُس زمانے جس جگہ جو بیٹھا تھا، اس نے جو کچھ کر دیا۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ یحییٰ خود ہر کاغذ پر جو اس کے سامنے رکھا جاتا، دستخط کر دیتا تھا۔ صرف وہ یہ کہتا تھا کہ مجھے بتاؤ، اس میں کیا بات ہے۔ زبانی بات سُن کر دستخط کر دیتا تھا اور اس افسر کو کہتا تھا کہ بچو! اس میں کوئی غلطی ہوئی تو تمہاری گردن پکڑوں گا۔ حتیٰ کہ جو مارشل لاء ریگولیشن جاری ہوتے تھے، وہ بھی جب راقم کے پاس آتے تھے، تو راقم غلطیاں نکالتا تھا۔ تو کرنل حسن وہ غلطیاں ربڑ سے مٹا کر نئے لفظ ٹائپ کر دیتا تھا۔ راقم تو ایسے احکام جاری کرنے سے انکار کر دیتا تھا، لیکن کرنل عبدالرحمٰن صدیقی یا کرنل قاسم جاری کر دیتے تھے۔

یحییٰ کے کام کرنے کے طریقے

یحییٰ کے کام کرنے کے طریقے عجیب و غریب تھے۔ پہلے مہینے وہ کسی غیر ملکی اخباری نمائندہ سے نہ ملا اور نہ اُن کو پہلی پریس کانفرنس میں بُلایا۔ یہ اس نے ہماری سفارش پر کیا تھا اور الطاف گوہر کی اس سلسلہ میں سفارش نہ مانی۔ تو اُسی دن سے الطاف گوہر اور اُس میں ٹھن گئی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا، کہ غیر ملکی اخبار نویسوں کی باتوں کا جواب کون دے گا اور ان کے ساتھ کون رابطہ رکھے گا۔ یہ کام بھی جنرل یحییٰ نے وزارتِ انفارمیشن کی بجائے ہمیں سونپ دیا تھا اور دو ہفتہ کے اندر اندر، یہ غیر ملکی نمائندے ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ دراصل ہمارے لیڈر بڑی غلط فہمی میں ہیں۔ اور وہ لوگ خواہ مخواہ ان لوگوں کو سر پر چڑھا دیتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارا کوئی فائدہ نہ کریں گے۔ ان کی اپنی پالیسی ہوتی ہے۔ سب کچھ یہ لوگ اس کے تحت کرتے ہیں۔ راقم چونکہ ایسے لوگوں کو دوسری جنگِ عظیم کے وقت سے جانتا ہے۔ اس لئے راقم کے سامنے یہ لوگ بات بھی نہ کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا کرنے کے لئے ہمارے سامنے کوئی پالیسی

یا مقصد ہونا چاہیئے ۔ شروع میں تو ہم ان لوگوں کو کہہ دیتے تھے، کہ ہمیں مجبوراً ملک کی باگ ڈور سنبھالنا پڑ گئی ہے ۔ پالیسی بنا رہے ہیں اور جب بن جائے گی تو اعلان کر دیں گے اور آپ بھی سُن لیں گے ۔

ایسا راقم تین ماہ تک تو کر سکا۔ پھر چونکہ پالیسی ایسی تھی جس کے ساتھ راقم کو اتفاق نہ تھا۔ تو راقم پھر اپنے پرانے کام وکاج یعنی ہلال کو اسلامی رنگ دینے میں مصروف ہو گیا تو مارشل لاء ڈیوٹی سے لاتعلق ہو گیا۔ اور غیر ملکی مبصروں سے بھی چھٹی مل گئی ۔ یحیٰی کام نہ کرتا تھا۔ لیکن ماتحتوں سے کام لینا خوب جانتا تھا، اور ان پر بھروسہ بھی کرتا تھا۔ اس خود کے بارے مجھے مارشل لائ سے پہلے ایک خواب آیا کہ یحییٰ نے ملک کی باگ ڈور سنبھال لی ہے۔ اور ہم اس سے پالیسی پُوچھنے گئے تو وہ چارپائی پر آرام کر رہا تھا، اور لوگ مُٹھی چاپی کر رہے تھے ۔ کہنے لگا "خود سوچو اور کام چلاؤ" ایک مغربی اخبار نویس نے یحییٰ کے بارے بہتر فقرہ استعمال کیا۔ کہ مرنے کے بعد جو زندگی نصیب ہونے کی اُمید ہے۔ وہ یحییٰ کو اسی جہاں میں میسّر ہے۔ یعنی دنیا کی سب لذتیں تو وہ لے رہا ہے۔

یحییٰ کے مقاصد

یحییٰ کے سامنے صرف تین مقصد تھے ۔ ایک اس نے ظاہر کر دیا اور وہ یہ تھا کہ سویلین افسروں میں سے جن کو وہ، یا اس کے حواری ناپسند کرتے تھے یا جو ویسے بہت بددیانت تھے، ان کو نکالنا۔ تاکہ ملک کو "صاف ستھری" انتظامیہ مل سکے ۔ یہ ایک شوشہ تھا اور جن تین سو تین آدمی کو نکالا گیا۔ ان کے لئے طریق کار ایک جیسا نہ تھا۔ دوسری بات جو یحییٰ کے ذہن میں تھی وہ یہ تھی کہ ایوب خان کی طرح وہ سیاست میں ملوّث نہ ہوگا ۔ بلکہ سیاستدانوں کو لڑائے گا ۔ اور خود حکومت کرے گا۔ تیسری بات یہ تھی کہ وہ نور خان سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا اور الطاف گوہر کو بھی یحییٰ ایک دن کے لئے رکھنے کو تیار نہ تھا۔

ایوب کی غلط اُمید

دراصل ایوب خان کو کچھ اُمید تھی کہ یحییٰ اس کو صدر رہنے دے گا، اس لئے اس نے اپنی تقریر کا متن یحییٰ کو بھیج دیا، جس میں ایوب نے استعفیٰ نہ دیا تھا ۔ بلکہ حالات کی خرابی کا ذکر کر کے یحییٰ کو دعوت دی کہ وہ برّی فوج کے سربراہ کے طور پر اپنی "قانونی" ذمہ داری یعنی "ملک کی

حفاظت" کا کام سنبھال لیں اور ایوب خان نے تقریر کا وقت بھی مقرر کر دیا تھا۔ الطاف گوہر کو یحیٰی کے پاس بھیجا گیا کہ وہ یحییٰ سے تقریر کا ڈرافٹ لیں۔ کہ اس کو بھی براڈ کاسٹ کرنا ہو گا۔ یحییٰ نے الطاف گوہر کو ٹال دیا۔ حتیٰ کہ ایوب کی تقریر بہت پہلے ریکارڈ ہو گئی تھی اور تقریر کو براڈ کاسٹ کرنے کے وقت تک یحییٰ نے اپنی تقریر ریکارڈ نہ کرائی۔ یحییٰ نے اپنی تقریر اس وقت ریکارڈ کرائی۔ جب کہ یحییٰ کی پرانی پلٹن بلوچ رجمنٹ اور کمانڈو پنڈی پہنچ گئے۔ کہ یحییٰ کو شک تھا کہ اگر اس نے ایوب کو صدر نہ رہنے دیا تو ایوب، اپنی گارڈ بٹالین پنجاب رجمنٹ کی مدد سے آخری وقت کوئی تبدیلی نہ کر دے۔ کہ آخر ایوب تو ویسے گھبرا گیا تھا۔ اس کے بے شمار ہمدرد موجود تھے۔ اور گاؤں یا فوجی علاقوں میں تو لوگ اس کو بہت پسند کرتے تھے اور ان لوگوں کو یحیٰی کے ساتھ نفرت تھی۔

پنجاب کی جگہ بلوچ رجمنٹ

بہرحال دوسرے تیسرے دن پنجاب رجمنٹ کی جگہ بلوچ رجمنٹ نے لے لی اور یحییٰ نے ایوب خان کو صدر ہاؤس سے نکال کر خود صدر ہاؤس پر قبضہ کر لیا۔ ایوب خان نے اس گھر میں اٹھارہ سال گذارے تھے اور لوگ اس کو "بادشاہ سلامت" کہتے تھے۔ آج اس کے ایک پروردہ کے حکم پر وہ یہ گھر خالی کر رہا تھا۔ کہ یحیٰی کے مہمان کھلے طور پر وہاں رہیں! اور اب صدر ہاؤس کی کتاب پر دستخط کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ لیکن ایوب کے زمانے میں کچھ رکھ رکھاؤ تھا۔ سنجیدہ قسم کے لوگ آتے تھے یحیٰی کے زمانے میں ایک بیگم صاحبہ وہاں آئیں اور صدر کی کتاب پر یہ الفاظ لکھے:۔

"چارے چوکاں تیرے ڈیوا بلدا۔ پنجواں میں بالن آئی۔"

(یعنی تیری چاروں طرف روشنی کے چراغ جل رہے ہیں۔ میں پانچواں چراغ جلانے آئی ہوں۔)

یہ شعر شاید کسی بزرگ صاحبِ مزار کے لئے کہا گیا۔

لیکن بہتر شعر یہ تھا۔

"چارے چوکاں تیریاں چکڑ ڈبیاں ــــ کیہڑی نوں مَل مَل دھوئیے"

یعنی چاروں طرف تو کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کونسی جگہ یا حصّہ دھوئیں۔

یحییٰ خان اب نور خان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا

یحیٰی خان اب اس فکر میں تھا کہ نور خان کی چھٹی کر دوں اور ایسا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ

نورخان کو پہلے فضائی فوج کی کمانڈ سے علیحدہ کرتا۔ چنانچہ اس نے اپنے "سایہ" جنرل حمید نورخان
اور ایڈمرل احسن کا ایک گروہ بنایا کہ تمام وزارتی معاملات یحیےٰ اور یہ تین آدمی چلائیں گے۔ اور
اس طرح نورخان اور احسن کو بھی پنڈی لے آیا۔ لیکن یہ کام نہ چلا اور نورخان نے ایئر ہیڈ کوارٹر کا کچھ
حصہ پنڈی منگوا لیا اور ایئر فورس کے ساتھ رابطہ رکھنے کے لئے کام چک لالہ بیٹھ کر کرتا تھا۔ تو یحیےٰ
نے پھر غیر جانبدار لوگوں کی وزارت بنائی جن میں نوابزادہ شیر علی کے علاوہ مظفر علی قزلباش جیسے یونینسٹ
اور سردار رشید جیسے وقتی اور پولیس افسر شامل کئے اور مشرقی پاکستان سے بھی کچھ ایسے لوگوں کو وزارت میں
شامل کرکے کام چلانا شروع کیا اور ادھر تمام سول افسروں کے پیچھے تفتیشی ادارے لگا دیئے اور یحیےٰ کے
سامنے جو کاغذ آتا، اس پر دستخط کر دیتا اور اگر معمولی آدمی بھی کوئی بات لکھتا تو اس کا جواب
یحیےٰ کے دستخطوں سے جاتا۔

یحیےٰ بغیر پڑھے دستخط کرتا تھا

یہی نہیں بلکہ کسی فوجی افسر سے یا صوبہ سے کوئی سفارشات آتیں تو بھی جواب جاتا تھا، اور اکثر
یحیےٰ کے دستخط ہوتے تھے کہ بہت اچھی سفارشات ہیں۔ اس سلسلہ میں اور سوچو اور زیادہ تفصیل میں
جاؤ، اور یحیےٰ کو بعض دفعہ معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ کیا لکھا ہے کہ وہ شراب کے نشے میں دھت ہر کاغذ
پر دستخط کرتا چلا جاتا تھا۔ پھر کہنے لگا کہ صوبوں کے معاملات نہیں سدھر سکتے وہاں پکے فوجی گورنر
ہوں اور پہلے سب کچھ بری فوج لے لیتی تھی یہ جگہ فضائی اور بحری فوج کو ملنا چاہیئے۔ نورخان یہ
بات نہ سمجھا۔ اس نے سمجھا وہ اپنے ماموں نواب کالاباغ سے بھی بہتر گورنر ہوگا۔ لیکن دراصل
سازش یہ تھی، کہ نورخان کی جگہ رحیم کو فضائی فوج کا کمانڈر انچیف بنایا جائے۔ اور چند دن کے بعد
نورخان کو چلتا کیا جائے۔ نورخان سیاست میں گیا۔ لیکن تاڑ گیا کہ وہاں دال نہ گلے گی۔ اور
اصغرخان کی طرح اس نے البتہ اتنی بے عزتی نہ کرائی کہ ایک معمولی آدمی سے ہار جاتا۔ بہرحال گورنری
سے جلد ہاتھ دھو بیٹھا۔

یحیےٰ اور اعوان

بہرحال نورخان کے نکالنے کے بعد یحیےٰ کو جو آدمی اعوان قوم کا نظر آیا تو یا تو اس کو گھر
بھیج دیا یا ترقی نہ دی۔ اس میں بے چارہ بریگیڈیئر اسلم خواہ مخواہ مارا گیا، کہ اس کو وقت سے

پہلے گھر بھیج دیا۔ بریگیڈیئر حیات اور بریگیڈیئر حق نواز کو جنرل نہ بننے دیا۔ اور یہاں تک گیا کہ بریگیڈیئر اقبال جس کو ایک سو سے زائد افسروں کے نمبر کاٹ کر کرنل کے عہدہ پر ترقی دی گئی تھی۔ اور وقت سے پہلے پکا کرنل بنایا گیا تھا۔ اور سب رپورٹوں میں OUTSTANDING رہا تھا اس کو بھی جنرل نہ بننے دیا۔ جنرل یحییٰ کا خاص دشمن تو جنرل حق نواز تھا جو اس سے سینیئر تھا۔ اس نے تو ایوب خان کو پہلے ہی ایک زمانے میں کہا تھا کہ یحییٰ بارہ سال سے پنڈی بیٹھا ہے۔ اور ہمیں کسی جگہ پر ایک آدھ سال بھی نہیں گذارنے دیا جاتا۔ تو حق نواز کو تو اسی زمانے میں سول میں بھیج دیا گیا تھا۔ اور پھر یحییٰ کو کچھ عرصہ کے لئے مشرقی پاکستان اسی وجہ بھیجا گیا۔ اس کے بعد یحییٰ۔ اعوان قوم کو اپنا دشمنِ خاص سمجھتا تھا کہ سرفراز اور شیر بہادر جو اعوان تھے وہ بھی اس سے سینیئر تھے اور اس کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے یحییٰ نے جنرل شریف کو چھوڑ کر کہ وہ اس کا کلب کا دوست تھا یا عبدالعلی جو قادیانی تھا اور اختر و عبدالعلی دونوں بھائیوں ایک وقت نکالنا بھی ٹھیک نہ تھا۔ باقی کسی اعوان کو کسی اہم جگہ پر نہ رہنے دیا۔ اور آخر جنرل شریف کو بھی ترکی بھیج ہی دیا۔

یحییٰ اور سیاستدان

یحییٰ نے سیاستدانوں کے ساتھ بھی ملاقاتیں کیں۔ اور بھٹو کے بغیر وہ کسی سے متاثر نہ تھا۔ بھٹو بھی البتہ جب مشیروں کے ساتھ یحییٰ کو ملتا تھا تو، کچھ سیاسی بات چیت ہوتی تھی۔ اور جب مشیر چلے جاتے تھے تو شراب کا دور چلتا تھا۔ اور بھٹو اور یحییٰ میں خوب گپ شپ ہوتی تھی۔ یحییٰ کو بتایا گیا، اور اس کا خود بھی خیال تھا کہ انتخابات کے بعد کوئی پارٹی حکومت نہ بنا سکے گی اور بھان متی کا کنبہ ہوگا۔ البتہ فوج میں کچھ بڑ معوتی کی جا رہی تھی اور جنرل گل حسن اپنے آپ کو ایسا ظاہر کر رہا تھا کہ اس کو سیاست کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں، اور ہمیں فوج کے پیشہ ورانہ حالات ٹھیک کرنا چاہئیں۔ راقم ستمبر ۶۵ کا تفصیلی مطالعہ کر چکا تھا، اور مجھ پر عیاں ہو چکا تھا کہ اس یورپین طرزِ دفاع کے ساتھ ہم آئندہ جنگ میں ستمبر ۶۵ سے بھی بری مثال پیش کریں گے۔ اور گو میں بہت جونیئر تھا لیکن ملکی دفاع کے سلسلہ میں راقم نے پہلا مسودہ ۱۹۶۹ء کے شروع میں تیار کر کے جنرل گل حسن کو دیا، اور اس میں صاف لفظوں میں کہا کہ یہ کام آپ سینیئر لوگوں کا تھا۔ لیکن ستمبر ۶۵ کی جنگ نے واضح کر دیا کہ آپ لوگ جنگ اور لڑائی میں فرق نہیں سمجھتے اور ہماری تمام تر تدبیرات اور

حکمتِ عملیاں کسی مقصد کو سامنے رکھ کر نہیں بنائی گئیں ۔ یہ مسوّدہ اب بھی میرے پاس موجود ہے
اور اسی مطالعہ کے بعد راقم نے جو اور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ قومی لحاظ سے بھی ہمارے سامنے
کوئی مقصد نہیں اور اس کا ذکر آگے آتا ہے ۔ اس مسوّدہ کے اقتباسات یا تلخیص ان مضامین میں
شامل نہیں کئے جارہے کہ قومی سطح پر سفارشات کے وقت اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت اس مسوّدہ کی
باتیں خود بخود قوم کے سامنے آجائیں گی۔

ہر جگہ لال فیتہ

یحییٰ خان البتہ مزے میں تھا اور اس کے ماتحت جس طرح چاہتے کام چلاتے، کوئی پوچھنے والا
نہ تھا۔ میری اپنی سطح پر ہر فیصلہ میں خود کرلیتا تھا، اور میں ڈائریکٹر کو میں بعد میں بتاتا تھا کہ
ڈائریکٹر زیادہ وقت اپنی قلم کو یحییٰ کے پرنسپل سٹاف افسر پیرزادہ کی تلوار کے لئے استعمال کرتا
تھا۔ اور اس کو بریگیڈیئر کے عہدہ پر ترقی دے دی گئی ۔ یحییٰ کے ملٹری سیکرٹری کو میجر جنرل بنا
دیا گیا کہ جرنیلوں کے لئے اتنی جگہ پیدا کی گئیں کہ جرنیلوں، بریگیڈیئروں اور پکے کرنل کے عہدہ
والے افسروں کی بھرمار ہوگئی ۔ جدھر دیکھو ادھر لال فیتہ ہی نظر آتا تھا۔ اور یحییٰ اب انتخابات
کراکے سیاستدانوں کو لڑانا چاہتا تھا۔ تو ہم سب افسروں کو ایوب ہال میں بلایا ۔ پہلی دفعہ
اتنے لال فیتے دیکھ کر راقم بھی حیران ہوگیا کہ اگلی ساری کرسیاں ان سے بھر گئیں ۔ یہ ستمبر ۱۹۷۰ء
وسط کی بات ہے۔ اور یحییٰ نے تقریر شروع کی کہ وہ حد درجہ RELAX پُرامید، فاتح، پُر جوش
اور پتہ نہیں کیا کیا نظر آرہا تھا۔

کہنے لگا میرے فوجی بھائیو۔ میں آج کل غیر لڑاکا ہوں پھر جنرل آغا اکرم کو مخاطب کرتے
ہوئے کہا، " اکرم اس کو کیا کہتے ہو جو وہ NON - COMBAT - EMOLLED ہوتے ہیں " میں
وہی ہوں ۔ جنرل اکرم فوج کے ملٹری سیکرٹری تھے اور پہلے اس عہدہ پر بریگیڈیئر ہوتا تھا۔ اب
جنرل یحییٰ نے وہاں بھی میجر جنرل کی جگہ بنادی۔ اور اکرم چونکہ اس کی قوم کا آدمی تھا تو ایک طرف
لوگوں پر رعب بٹھا رہا تھا کہ فوج میں اس کے اپنے آدمی ہیں۔ اور اکرم کی پوزیشن کو بھی بڑھا رہا
تھا اور ویسے اس میں شک نہیں کہ یحییٰ نے اپنے سے چھوٹے عہدوں والوں کے ساتھ بڑے اچھے
تعلقات رکھے ہوئے تھے۔ اور کافی لوگ اس کے "مدّاح" یا گروہ میں تھے ۔ ظاہر ہے کہ اوپر والوں

کی طرح کافی نیچے والے بھی اس "گروہ" میں شامل تھے۔

یحییٰ کی تقریر

تو آگے جنرل یحییٰ کہنے لگا "کہ آج میں بڑا خوش ہوں کہ اپنے لڑاکا فوجی بھائیوں کے درمیان آیا ہوں اور آپ کو حالات سے باخبر کرنا چاہتا ہوں۔ انتظامیہ سے راشی افسروں کو ہم نے نکال دیا ہے۔ سیاستدانوں کے ساتھ میں نے ملاقات کی ہے۔ ان لوگوں کی سوچنے کی سطح بہت محدود ہے۔ سیاست اِن کے لئے تجارت ہے۔ یہ لوگ وہ نہیں جو آپ کو باہر سے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے جب اِن میں سے بعض کو کہا کہ اس کا فلاں بیان خراب تھا تو جواب تھا کہ سیاست میں ایسے بیان دینے پڑتے ہیں۔ ورنہ دل سے وہ اچھے لوگ ہیں۔" ان لوگوں کا کوئی اصول نہیں۔ ملکی اور غیر ملکی معاملات ویہ لوگ سمجھتے بھی نہیں اور جب مجھ سے ملتے ہیں تو کئی چھوٹی چھوٹی گذارشات کرتے ہیں جو کام ان کے علاقے کا تحصیلدار یا تھانیدار کر سکتا ہے۔ وہ مجھے کرنے کو کہتے ہیں۔ بہرحال میرا قوم کے ساتھ وعدہ ہے کہ میں انتخابات کراؤں گا اور بالکل غیر جانبدار قسم کے انتخابات ہوں گے۔ لیکن ظاہر ہے ان انتخابات کے بعد جو لوگ اسمبلی میں آئیں گے وہ کرسیوں کے لئے لڑائی کریں گے۔ اور ملک کی حفاظت کے لئے ضروری ہوگا کہ ہمیں اس ملک کو چلانے کے لئے فوج کے "چھاتہ" کو کافی عرصہ استعمال کرنا پڑے گا۔"

لوگوں کے سوال

اِس قسم کی تقریر کے بعد جنرل یحییٰ نے سوالات پوچھنے کی دعوت دی، جو چند میجروں اور کرنیلوں نے پوچھے لیکن سوالات بھی زیادہ تر اپنی نوکری بنانے کے لئے تھے۔ جن میں کچھ سوال ہوتا تھا اور کچھ خوشامد اور یحییٰ خوش ہو رہا تھا۔ کہ ساری فوج اس کے ساتھ ہے۔ کسی نے یہ سوال نہ پوچھا کہ اگر ایوب خان نے جب تم سے فوج کا "چھاتہ" مانگا تو تم نے انکار کر دیا تھا۔ اب تم کس فلسفہ کے تحت ملک پر فوج کے "چھاتہ" کو باقی رکھو گے۔ میں اندر ہی اندر سے جل رہا تھا کہ اتنے افسروں میں ایک بھی ایسا نہیں جو اُٹھ کر کوئی کلمۂ حق کہہ دے کہ اتنے میں ایک اور خوشامدی افسر اُٹھا۔ اور کہنے لگے کہ "جناب آپ نے "چھاتہ" کا ذکر کیا ہے۔ یہ "چھاتہ" کس قسم کا ہوگا۔ کھلا یا بند۔"

یہ سوال سُن کر سارا حال قہقہوں سے گونج اُٹھا۔ اور یحییٰ تو بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا کہ بھائی "چھاتہ۔ یا چھتری" عام طور پر بند ہی ہوتی ہے۔ جب ضرورت ہوئی تو کھول دی جب ضرورت ہوئی

تو بند کر دی" یحییٰ کا یہ جواب سُن کر تو خوشامدی لوگوں نے تالیاں تک بجا دیں۔ اور ہسلا الوہال
تحسین سے گُونج اُٹھا۔

غیبی طاقت نے مجھے کھڑا کر دیا

اب کسی غیبی طاقت نے مجھے اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اور جیسے ہی تالیوں کی گونج ختم ہوئی میں بول
اُٹھا۔" کہ جنرل صاحب اس گنہگار کی بات بھی سُن لیں۔ ایسا وقت آنے والا ہے کہ تمہارا یہ پھانا
ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور آپ ملک کے ٹکڑے ہونے پر صدارت کریں گے۔"
یہ عجیب و غریب بیان سُن کر سارا ہال سہم گیا اور مجھے خود بھی نہ پتہ تھا کہ میں نے یہ کیوں کہہ
دیا اور آگے کیا جواب دوں گا۔ بس دل میں عاجزی تھی کہ رب اللعالمین عزت رکھنا۔
جنرل یحییٰ کہنے لگا۔ تم کیا سوال کر رہے ہو۔ میں نے اس سوال کا جواب دے دیا ہے
میں نے گزارش کی کہ میں سوال نہیں کر رہا۔ حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ تاریخ میں رقم
ہو جائے کہ ایک آدمی نے اللہ اور رسول ؐ کی طرف اپنی ذمہ داری پوری کی اور سچ بولا۔
یحییٰ کہنے لگا۔ آگے آجاؤ۔ اور اپنا بیان پھر دہراؤ۔ تاکہ سب لوگ سُنیں" میں آگے چلا گیا" ا
اپنا بیان دہرا دیا۔"
یحییٰ کہنے لگا ایسا کیوں ہوگا۔"
میں نے کہا" اس لئے کہ تم نے جو موجودہ حالات بیان کئے ہیں وہ تو مانگنے والے بھی جانتے
ہیں۔ تمہیں وہ بتانا چاہیئے تھا کہ آگے کیا ہو سکتا ہے۔
یحییٰ کہنے لگا" میں کوئی فقیر ہوں کہ وہ حالات بیان کرتا۔"
میں نے کہا" افسوس کی بات ہے کہ تم لیڈر کے بنیادی اصول بھی نہیں جانتے کہ وہ
کے ساتھ ساتھ بھی چلتا ہے اور آگے بھی۔ A LEADER IS IN TIME AND-
(انگریزی کے الفاظ یہ تھے) SYMTHY WITH THE LED YET AHEAD OF THEM-
نے جو اتنے زیادہ آدمیوں کو لال فیتے پہنا دیئے ہیں۔ کہ میں ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔
لوگ تو تمہیں سچ نہ بتلائیں گے کہ یہ مادیات کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ مجھ جیسے جنونی آدمی تلاش
کرو۔ جو تمہیں حقیقت بتائیں گے۔

یحییٰ کہنے لگا مختصر طور پر بتاؤ کہ حقیقت کیا ہے۔ عرض کی کہ "ہم نے اب تک پاکستان کی
اد بھی نہیں رکھی۔ بندے ماترم کا ترجمہ کر کے پاک سر زمین شاد باد کر کے ATTENTION
باتے ہیں۔ اور مسجدوں سے جب لا الہ الا اللہ کی صدا آرہی ہوتی ہے تو ہم کلبوں میں شراب
رہے ہوتے ہیں۔ یحییٰ کہنے لگا "علاج کیا ہے"۔ عرض کی کہ شراب کی بوتلوں کو توڑ دو اور
کو اسلامی فلسفہ حیات کے تحت صراطِ مستقیم پر لگا دو"۔
یحییٰ کہنے لگا "اگر میں ایسا نہ کر سکوں تو پھر"۔
تو عرض کی۔ "کہ پھر یہ کرسی اس آدمی کے لئے خالی کر دو جو ایسا کر سکتا ہے"۔
اب تو کافی لوگوں کا خیال تھا کہ جنرل یحییٰ اِس افسر کو قید کر دے گا۔ اور کچھ خوشامدی لوگ
کے منتظر بھی تھے لیکن جنرل یحییٰ سمجھدار آدمی تھا۔ مجھے قید کر کے وہ "ہیرو" نہیں
چاہتا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ کیا میں اپنی اسلامی فلسفہ حیات والی تجویز لکھ کر اسے دے سکتا
ں یہ کسی غیبی طاقت نے جو میری مدد کر رہی تھی۔ آخری وقت تک میری امداد کی اور اب
رہ ہو گیا۔ کہ بس کرو۔ اور کہہ دو کہ ہاں لکھ کر تجویز بھیجوں گا۔ تو عرض کی بسر و چشم "یہ تجاویز
کر آپ کے ملٹری سیکرٹری کو دوں گا۔
کانفرنس ختم ہوئی تو میرے نزدیک بھی کوئی ٹھہرا نہ ہوا۔ سوائے بریگیڈیئر غضنفر (سابقہ وزیر پنجاب)
دو دیرینہ دوست کرنل یوسف اور میجر عجائب البتہ پاس آئے۔ کہ "لالہ" بڑی ہمت کی ہے۔ اس
عد کئی لوگوں نے مجھے ملنا چھوڑ دیا۔ البتہ راقم نے کرنل شیر محمد کی مدد سے جو تجاویز یا مسودہ
یحییٰ کو اس کے ملٹری سیکرٹری کی معرفت ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ کو پیش کیا وہ اب بھی میرے
ں موجود ہے۔ اس کے کچھ اقتباسات کا ذکر آگے ہے۔

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل —— دنیا تو ملی، طائرِ دین کر گیا پرواز
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی —— فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر زمیں تاز
پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو —— پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
میں بندۂ نادان ہوں مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند —— اقبالؒ

قارئین ! میں جب اُس گھڑی کو سوچتا ہوں کہ چھ سو افسروں میں سب لوگ میجر یا اس

اُوپر عہدے کے تھے ۔ اور تینوں افواج کے افسران تھے ۔ میں یہ سب کچھ کہہ تو گیا، اور کیسے کہہ گ

رب العزت نے میری عزت بھی رکھی ۔ گرفتاری بھی نہ ہوئی ۔ گو بعد میں میرے کئی جاننے والوں نے

کانفرنس میں کہا" کہ میجر امیر افضل نے، صدر صاحب کے ساتھ گستاخی کی ہے ۔ اس کے خلاف

کارروائی ہونی چاہیئے" جنرل عابد زاہد نے کہا کہ وہ وہاں موجود نہ تھا ۔ ایسا حکم صدر دفتر سے ملنا

البتہ وہ جنرل گل حسن کے ساتھ بات کریں گے ۔ اور شنید ہے کہ جنرل زاہد نے جنرل گل حسن کے

بات کی ۔ لیکن جنرل گل حسن نے کہا کہ ہمیں میجر امیر افضل جیسے سچے آدمیوں کی بھی ضرورت ہے

(واللہ اعلم)

جنرل قاضی نے مجھے کیا بتایا

جج ایڈووکیٹ جنرل عزیز قاضی نے مجھے اُسی زمانے میں بتایا کہ عام طور پر لوگ مجھ سے

رہنے کی کوشش کریں گے ۔ اس لئے میں خود بھی لوگوں کے نزدیک نہ جایا کروں ۔ البتہ میر

جنرل قاضی کے تعلقات میں کوئی فرق نہ پڑے گا ۔ اور یہی بات مجھے بریگیڈیر بعد میں جنرل مجید

نے کہی ۔ میں اُن سب لوگوں کا شکر گذار ہوں ۔ کہ ان دنوں میں کچھ لوگ میرے ساتھ بات

کرتے رہے ۔ لیکن لاتعداد دوست دور ہی سے دیکھ کر منہ دوسری طرف کر لیتے تھے ۔ یہ ہے

قومی کردار ۔ کہ سچ بولنا گناہ ہے ۔ یا سچ بولنے والے سے دور رہو ۔ تو پھر سقوط ڈھاکہ تو ہونا تھ

سفارشات کا مسوّدہ

بہرحال راقم نے جنرل یحییٰ کے لئے سفارشات کا جو مسوّدہ تیار کیا ۔ اس میں کرنل شبیر

بہت مدد ملی، اور میرے ماتحت سٹاف خاص کر ہلال کے سابق ایڈیٹر اکرام قمر ۔ حاجی شفیع

اور متعدد چھوٹے عہدہ والے سٹاف نے بہت مدد کی ۔ باتیں تو راقم نے وہی لکھیں جو زبانی

لیکن لکھنے میں سنجیدگی کے پہلو کو زیادہ مدِ نظر رکھا ۔ کہ شاید جنرل یحییٰ کا سولین سٹاف بھی

تو الفاظ میں کوئی بے ادبی یا گستاخی کا پہلو کسی کو نظر نہ آئے ۔ اب پورے مسودہ پر تبص

کرنے سے بات بہت لمبی ہو جائے گی ۔ اصل بات یہ تھی، کہ جنرل گل حسن کے لئے جب ملک

دفاعی فلسفہ کے سلسلہ میں مسودہ تیار کیا، تو اسی وقت یہ عیاں ہو گیا تھا کہ وہ کوشش

ادھوری تھی، کہ دفاعی فلسفہ کے لئے کسی سیاسی فلسفہ کا ہونا ضروری ہے، تاکہ اپنے دفاع کو قومی مقاصد کے تابع کریں اور یہ پہلو اُس مسودہ میں ظاہر کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ جنرل یحییٰ کے لئے جو مسودہ تیار کیا گیا اُس میں اس گنہگار کی ملک کے سیاسی معاملات کو حل کرنے کی وہ پہلی کوشش تھی جس میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرنے کے بعد واضح کیا گیا کہ آنے والے انتخابات ملک کو توڑ دیں گے۔ انتخابات سے تین ماہ پہلے کی اس پیشن گوئی میں کوئی فقیری والی بات نہ تھی بلکہ صرف منطق اور دلیل سے کام لیا تھا اور آگے بین الاقوامی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اوروں کی "غیر جانبداری" اور بھارت، روس کے عزائم کا ذکر بھی کیا جو ۱۹۷۱ء میں اِسی طرح ہوئے۔ اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

مسودہ میں البتہ زیادہ زور فلسفہ اور واقعات پر تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہم نے غیروں کے فلسفہ کو کس طرح اپنایا، اور وہ کتنا غیر اسلامی ہے۔ ساتھ ہی اپنے فلسفہ حیات کی نشاندہی کر کے نشان راہ کے لیے کچھ اصول بھی لکھے۔ لیکن یہ مسودہ مکمل اِسلامی نظامِ حکومت کی نشاندہی نہ کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں راقم نے اِن پچھلے مطالعوں کی مدد سے اب اسلامی نظامِ حکومت کا خاکہ بھی تیار کر لیا ہے اور اس کو کتابی شکل دی جا چکی ہے۔ یہاں پر البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ جنرل ضیاء الحق صاحب نے مارشل لاء لگانے کے دو ماہ بعد، اپنے وزیر جنرل غلام حسن، جو راقم کی یونٹ کے تھے، کے ذریعہ سے یہ مسوّدہ مجھ سے منگوایا۔ اور جنرل حسن نے کہا کہ جنرل ضیا صاحب ملنے کے بھی خواہش مند ہیں۔ لیکن آج تک ہماری ملاقات نہیں ہو سکی۔ البتہ میں جو کچھ جنرل صاحب کو لکھ کر بھیجتا رہا ہوں۔ وہ الگ کہانی ہے، جس کو وقت آنے پر بیان کیا جائے گا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات

اب انتخابات کی تیاری زوروں پر تھی۔ میرا بڑا لڑکا ڈاکٹر خالد جمعیت طلباء اسلام کے ساتھ ہوتے ہوئے جماعتِ اسلامی کے ساتھ تھا اور اپنے چھوٹے بھائی شبیر کو جو اَب کپتان ہیں۔ اور بہن فاطمہ، حتیٰ کہ اپنی والدہ کو بھی ساتھ ملا چکا تھا۔ راقم صرف مسلمان تھا اور رہے۔ اور اسلام میں کسی سیاسی یا عقیدائی گروہ بندی کا قائل نہیں لیکن محبت اللہ اور بغض للہ کے اصول کے تحت اللہ اور رسولؐ کا نام لینے والوں کو باطل فلسفہ والوں سے بہتر ضرور سمجھتا ہوں۔ اس لئے

گھر والوں کے راستے میں روڑے نہ اٹکائے۔ لیکن پکا حصہ تو راقم ویسے بھی نہ لے سکتا تھا کہ ابھی نوکری
تھی۔ میرے گھر والے جماعت اسلامی کی کامیابی کے بارے خاصے پُرامید تھے۔ لیکن راقم نے کہا کہ جماعت
اسلامی اگر آٹھ یا دس جگہوں پر جیت گئی تو وہ بھی معجزہ ہی ہوگا۔

مجیب کی کامیابی کے بارے مجھے کوئی شک نہ تھا۔ البتہ بھٹو کی کامیابی میرے لئے حیران کن تھی۔

انتخابات کے نتائج

نتائج کے طور پر جو تبصرے میں نے سُنے اور یحییٰ کی عظمت کے جو گُن اخباروں میں گائے گئے
ملک کے لوگوں کی بالغ نظری کو جو داد دی گئی۔ میں اُن سب باتوں کو یاد کر کے آج بھی حیران ہو
میں خاموش تھا کہ صدمہ جانکاہ تھا۔ مجھے جب "دانشوروں" نے تبصرہ کے لئے مجبور کیا تو راقم کا صرف ا
جواب تھا۔ "پنجاب نے بھٹو کو ووٹ دے کر فی الحال مغربی پاکستان کو بچا لیا ہے اور شاید قیوم خان بھی
سلسلہ میں مددگار ثابت ہو۔" میرے دوستوں نے میری اس منطق کو سمجھنے سے انکار کر دیا اور یہ کوئی
جانتا تھا کہ پاکستان دو لخت ہو جائے گا۔ حالانکہ راقم الیکشن سے تین ماہ پہلے ہی یہ کہہ چکا تھا کہ ا

ہوگا۔

سازش آج بھی جاری ہے

لیکن اگر بھٹو کو پنجاب میں اس طرح کامیابی نہ ہوتی تو یحییٰ ملک کو، مجیب الرحمٰن کے حوالے
پر مجبور ہو جاتا اور آج بنگلہ دیش کے علاوہ، مہا پنجاب، پختونستان، سندھو دیش اور عظیم بلوچستا
ملک یا صوبے ہوتے اور پاکستان کا نام بھی ختم ہو جاتا۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ قوم اب بھی نہیں
سکی۔ کہ یہ سازش تو اب بھی جاری ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں مواقع دے رہا ہے کہ ہم سمجھ جائیں۔ ور
کچھ دیوار پہ لکھا ہوا نظر آرہا ہے۔

مشرقی پاکستان کے سلسلہ میں ہم مجیب الرحمٰن اور اُن کے متعدد ساتھیوں کے بارے اعلان کر چکے
بھارت کے ساتھ مل کر سازش کے ذریعہ سے مشرقی پاکستان کو الگ کرنا چاہتے ہیں۔ آج اسی مجیب
تھی کہ وہ انتخاب لڑے اور لیگل فریم ورک آرڈر کی دھجیاں اُڑا دے۔ جو لوگ مجیب کے ساتھ
اُن کو بھی ساتھ دینا پڑا، کہ اس کے بغیر گزارہ نہ تھا۔ کہ مجیب کے ساتھی، ہندو کا پیسہ۔ اور نف
طوفان، ان سب لوگوں کو تہس نہس کر دیتا، جو مجیب کی مخالفت کا سوچتے۔ اس کے باوجود ہم ا

کو داد دیتے ہیں جنہوں نے مجیب کی عوامی لیگ کے خلاف ووٹ دیئے۔ ظاہر ہے کہ اسلام مشرقی پاکستان میں بھی موجود تھا۔ لیکن نہ حکومت اور نہ ہی کوئی مذہبی پارٹی اس قابل تھی کہ لوگوں کو سہارا دیتی۔

ہماری غلطیاں

مشرقی پاکستان کے سلسلہ میں غلطیوں کا کوئی حساب نہ تھا۔ سات، آٹھ پلٹنیں جو مشرقی پاکستان میں تھیں۔ ان میں چار بنگال رجمنٹ تھیں اور پانچویں رجمنٹ کھڑی کی جا رہی تھی۔ علاوہ بنگال رجمنٹل سنٹر تھا۔ جب پاکستان بنا تو بنگالیوں کی ایک بھی پلٹن نہ تھی۔ اور بنگال رجمنٹ کو جا کر مغربی پاکستانیوں نے شروع کیا اور اب وہ سارے پنشن پر جا چکے تھے۔ ایک اور غلطی یہ کی کہ پنجاب رجمنٹوں یا فرنٹیئر فورس رجمنٹوں وغیرہ میں جس طرح پنجابی اور پٹھان دونوں ہوتے ہیں۔ بنگال رجمنٹوں میں ایسا نہ تھا۔ وہاں صرف بنگالی تھے اور یہ پلٹنیں ۱۹۵۱ء سے سازش کا اکھاڑہ بنی ہوئی تھیں، کہ کرنل عثمانی کو جب فسٹ بنگال کی کمانڈ دی گئی تو اس نے کہا کہ وہ سب بنگال رجمنٹوں کا کمانڈر ہے اور ۱۸۴۶ میں بنگالیوں نے انگریزوں کے ماتحت پنجابیوں کو سکھوں کی حکومت کے تحت شکست دی تھی۔ ہم بنگال والے مغربی پاکستان والوں سے بہتر سپاہی ہیں وغیرہ۔

بنگالیوں کا احساسِ کمتری

اب مصیبت یہ تھی کہ یہ نئی رجمنٹیں کسی کھیل کے میدان یا اور فوجی کام جب باقی پلٹنوں سے پیچھے رہ جاتی تھیں۔ تو احساس کمتری نے ان کے اندر اور نفرت پیدا کر دیتی تھی۔ ساتھ ہی پہلے بنگال پولیس میں صرف بہاری تھے وہاں بھی بنگالی آ گئے۔ یا ایسٹ پاکستان رائفلز میں بھی شروع شروع میں بہاری اور مغربی پاکستان کے لوگ تھے۔ بعد میں سب بنگالی آ گئے۔ یہ بڑی غلطی تھی۔ اول تو کسی رجمنٹ کا نام کسی صوبہ پر نہ ہونا چاہیئے۔ پھر بہتر طریقہ یہ تھا کہ بنگالیوں کی نفری باقی پلٹنوں میں بھی ہوتی اور بنگال رجمنٹوں میں اور لوگ بھی ہوتے۔ تو ملک میں گڑبڑ کی صورت میں کم از کم فوج میں یا ایسٹ پاکستان رائفلز میں تو بغاوت تو نہ ہوتی۔ جس رجمنٹ میں بیس فیصدی مغربی پاکستان کے لوگ تھے۔ وہاں بھی بنگالی بغاوت نہ کر سکے۔

فوج کی کم نفری

اس غلطی کے علاوہ مشرقی پاکستان میں فوج اتنی کم تھی کہ اندرونی امن بھی قائم نہ رکھ سکتی تھی۔

اور اگر یحییٰ خان وغیرہ واقعی انتخابات کرا کے غلطی کر بیٹھے تھے اور ان کو ڈر تھا کہ مجیب الرحمٰن کو اکثریت
طاقت مل گئی، تو وہ پاکستان کو ختم کر دے گا۔ تو پھر بھٹو والی بات مان جاتے کہ تم اُدھر اور ہم اِدھر
نپہلے طوفان یا کسی اور بہانے سے زیادہ فوج اور ملیشیا کو مشرقی پاکستان بھیج دیتے۔ اور بجائے کر
فوجی کارروائی کرنے کے مجیب اور اس کے ساتھیوں کو چپکے سے گرفتار کر کے مغربی پاکستان بھیج
دیتے۔ لیکن سازش بہت گہری تھی۔ اوّل یحییٰ، مجیب الرحمٰن کو حکومت دینے پر تیار ہو گیا۔ بشرطیکہ
وہ یحییٰ کو صدر رکھیں۔ مجیب پکا وعدہ نہ کر سکا۔ تو پھر یحییٰ اور اس کے حواریوں نے اپنے آپ کو
پر بھٹو کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور جنرل گل حسن نے ہمارے بریگیڈیر صدیقی کو صاف کہا۔ کہ فوج
بھٹو کے ساتھ ہے اور ہم ملک مجیب الرحمٰن کے حوالے نہیں کر سکتے۔

میری سبکدوشی

راقم کے بارے تو البتہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ سولہ مارچ ۱۹۷۱ء کو میں تینتیس[۳۳] سال نوکری کے بعد
پنشن پر چلا جاؤں گا۔ اور میری حیثیت بالکل تماشہ بین کی طرح تھی۔ اور ہوا بھی ایسے کہ سولہ مارچ
کو راقم نے وردی اُتار دی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے تھا جو میں نے یحییٰ کو کھری کھری
سُنائیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا نہ تھا۔ یحییٰ اتنا نیچے نہ جاتا۔ میں نوکری اور عمر دونوں
سے اب پنشنر ہونے کے لئے تیار تھا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا کہ مجھے ہفتہ کے بعد واپس بُلا لیا۔ اور میری
چھٹی ختم کر دی گئی کہ میری پھر ضرورت ہے۔

گہری سازش

دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے لے کر ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء تک کیا ہوتا رہا۔ وہ قوم کو معلوم ہے۔
لیکن جو چیز قوم کو نہیں معلوم وہ یہ ہے۔ مشرقی پاکستان میں فروری ۷۱ء سے، فوج چھاؤنیوں
تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور آبادی پر مجیب کے لوگوں کی حکومت تھی۔ یا بنگالی فوجیوں، پولیس
یا ایسٹ پاکستان رائفلز کی۔ فوج کو تازہ سبزی اور گوشت وغیرہ بھی مشکل سے مہیا ہو رہا تھا۔
مغربی پاکستان کے فوجیوں میں اس طرح بنگالیوں کے خلاف نفرت پیدا کی جا رہی تھی۔ پھر
ڈھاکہ گیا۔ اور مجیب کے ساتھیوں کے ساتھ کانفرنس کرنے کا ایک ڈھونگ رچایا گیا۔ اور بھٹو کو
بُلایا گیا۔ یحییٰ کی مدد کرنے والے صرف دو آدمی تھے۔ ایک غلام قادیانی کا پوتا ایم ایم احمد اور دوسرا

کرنل حسن۔ اور ملک کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔

فوجی کارروائی

اور پھر اچانک یحییٰ مغربی پاکستان کی طرف چل پڑا۔ اور جیسے ہی وہ کراچی پہنچا۔ فوجی کارروائی شروع ہو گئی۔ لیکن بغاوت کا یہ حال تھا کہ ایک ایسا وقت آیا، کہ ڈھاکہ کی چھاؤنی، اورنگ پور، سید پور کی چھاؤنیوں کے علاوہ ہماری فوج کا کسی جگہ بھی قبضہ نہ تھا۔ راقم کو وردی پہنا کر کراچی بھیج دیا کہ وہاں باہر سے آنے والی خبروں کو کراچی کی اخباروں میں نہ شائع ہونے دیا جائے۔ اور کمانڈر تفضّل کو پنڈی میں بلایا گیا کہ وہ بریگیڈیئر عبدالرحمٰن کی مدد کرے۔ چنانچہ میرے سامنے ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے دو ڈویژن فوج کو مشرقی پاکستان بھیجا گیا۔ کس لئے؟ مشرقی پاکستان میں امن بحال کرنے کے لئے۔ جس علاقہ میں امن بحال کرنے کے لئے تین ڈویژن فوج کی ضرورت ہو۔ اور ڈھاکہ شہر کے لئے ایک بریگیڈ فوج کی ضرورت ہو۔ تو وہاں بیرونی ملک کے ساتھ لڑائی لڑنے کے لئے مزید دس ڈویژنوں کی ضرورت ہو گی۔ اسی ڈھاکہ شہر کے لئے بیس سال پہلے میری ایک کمپنی کافی تھی۔ اب حالات تبدیل ہو گئے تھے۔ لیکن خبریں مل رہی تھیں کہ فوج نے سارے علاقہ سے "شرپسندوں" کا قلع قمع کر لیا ہے۔ اِس کام پر تقریباً ڈیڑھ ماہ خرچ ہوا۔ اور جنرل فرمان علی کو بھیجا گیا۔ کہ اب مغربی پاکستان والوں کو جا کر بتاؤ کہ حالات ٹھیک ہو گئے۔ اور غیر ملکی یا ملکی اخبار نویسوں کو بھی مشرقی پاکستان بھیجا جائے کہ فوج کی مدد کریں۔ اور پرانے بنگالی سیاستدانوں کا رابطہ فوج کے ساتھ قائم کرائیں۔

فرمان سے ملاقات

میری ملاقات جنرل فرمان علی کے ساتھ کراچی کے ڈویژن ہیڈکوارٹر میں ایک پارٹی میں اتفاقاً ہو گئی۔ اور اُن کی بات میں نے سُنی۔ میں نے جنرل فرمان علی کو اُونچی آواز میں کہا کہ ہم اپنے آپ بے وقوف بنا رہے ہیں۔ ملک کسی فلسفہ کے تحت چل سکتے ہیں۔ جنرل یحییٰ کو صاف الفاظ میں بتا دو کہ وہ اسلام کے نفاذ کا اعلان کرے اور توبہ کر کے خود اس پر عمل پیرا ہو۔ تو تب دونوں علاقے اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ اگر یحییٰ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ کرسی ایسے آدمی کے لئے خالی کر دے جو ایسا کر سکتا ہے۔ اور میں یہ بات یحییٰ کو ستمبر ۱۹۷۰ء میں کہہ چکا ہوں۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم آپ سینیئر لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں،

مشرقی پاکستان میں کام کرنے کی معذرت کریں۔ جنرل فرمان کہنے لگا "حالات تبدیل ہو رہے ہیں اور سیاسی عمل شروع ہے۔ آپ خلفائے راشدین کے زمانے کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ سب ناممکن ہے۔ تم آکر دیکھو۔ کہ وہاں اب کتنی تبدیلی آچکی ہے۔"

میں نے جنرل فرمان کو کہا کہ "ہماری فوج اُس دن ختم ہو گئی تھی۔ جس دن بنگالی سپاہی نے بغاوت کر دی تھی۔ جس فوج میں دراڑ پڑ جائے، وہ زیادہ دیر نہ چلے گی۔ آپ بھیانک وقت کا انتظار کریں۔ البتہ میں جلدی مشرقی پاکستان کا دورہ شروع کروں گا۔" لیکن مجھے کراچی زیادہ ٹھہرنا پڑ گیا۔ اور مئی میں پنڈی واپس آیا۔ دفتر کا کام بہت بڑھ چکا تھا اور پرانے کاغذات پر کارروائی رُکی ہوئی تھی۔ اس لئے راقم جلدی تو مشرقی پاکستان نہ جا سکا۔ البتہ جون ۱۹۷۱ ڈھاکہ پہنچ گیا۔

مشرقی پاکستان

یعنی پورے بیس سال کے بعد۔ میں نے اُوپر والوں کو بتایا کہ میرے مشرقی پاکستان جانے کے کئی مقاصد ہیں۔ اوّل جوانوں کو ملوں گا اور اُن کی دلجوئی کروں گا۔ پھر اُن حالات کا مطالعہ کروں گا جو مارچ ۱۹۷۱ کے بعد رونما ہوئے۔ اور آخر میں موجودہ حالات پر ایک رپورٹ بھی تیار کروں گا۔ ساتھ ہی وہاں پر کام کرنے والوں کی دلجوئی کے لئے اُن کی کارکردگی پر "ہلال" میں لکھوں گا بھی۔ ہاں پورا سچ تو نہ لکھ سکوں گا۔ لیکن جھوٹ بھی نہ لکھوں گا۔ اوپر والے مان گئے اور میں ڈھاکہ پہنچ کر میجر صدیق سالک کا مہمان بن گیا جس نے میری تواضع کے لئے کافی بندوبست کر رکھے تھے۔ لیکن میں ڈھاکہ میں نہ بیٹھنا چاہتا تھا۔

جنرل نیازی سے ملاقات

چنانچہ ڈھاکہ کے حالات کچھ سُنے کچھ پڑھے کچھ دیکھے اور پھر اپنے دیرینہ دوست جنرل نیازی سے ملاقات کی۔ وہ مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ وہ اس دن بلونیا میں فوجی کارروائی کرنے جا رہے تھے کہا کہ میں بھی ساتھ چلوں۔ گذارش کی کہ جناب آپ کو صدیق سالک دیئے گئے ہیں۔ میں اپنے مطالعہ کے لئے آیا ہوں۔ ہر بڑے شہر خاص کر سرحدی قصبوں اور ہر یونٹ کی کمپنیوں تک جاؤں گا۔ ہر قسم کا سفر کروں گا اور پھر جاتے وقت آپ کو بھی اپنے مطالعہ سے آگاہ کروں گا۔ اور جی۔ایچ۔کیو کو بھی۔ ہاں جوانوں کی دلجوئی کے لئے "ہلال" میں کچھ لکھوں گا بھی۔ جنرل نیازی کہنے لگے کہ اچھا مہمانیاں کھانا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی جو کچھ آپ کہہ لیں۔ میرا یہ پروگرام ہے۔ اور راقم ہوائی جہاز

پرنٹور کے قریب ایک ہوائی اڈے پر اُترا۔ وہاں ڈویژن ہیڈ کوارٹر، بریگیڈیر ہیڈ کوارٹر اور ہر بٹالین کو دیکھنے کے لئے پہنچے۔ راجشاہی۔ سردھا وغیرہ جگہ جگہ گیا۔ دو تین دن چکر لگانے کے بعد جیپ کے ذریعہ بریگیڈیر ہیڈ کوارٹر بوگرہ گیا۔ اور اُن کی پلٹنوں کو "ہلی" اور گائے بندھا وغیرہ میں دیکھا پھر بریگیڈیر ہیڈ کوارٹر رنگ پور گیا۔ جہاں ریل گاڑی سے مغل ہاٹ لال منیر ہاٹ وغیرہ گیا۔ اور واپس رنگ پور سے سیدپور ٹھاکر گاؤں۔ دیناج پور یعنی راجشاہی ڈویژن کا چپہ چپہ چھان مارا۔ حالات اتنے خراب نہ تھے۔ لیکن اچھے بھی نہ تھے۔

مشرقی پاکستان میں جگہ جگہ گیا

ڈھاکہ واپس گیا۔ اور وہاں سے جیسور گیا۔ ڈویژن ہیڈ کوارٹر گیا تو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ حالات قابو سے باہر تھے۔ کسی طرف بغیر اسکورٹ کے جانا ناممکن تھا۔ راقم نے بریگیڈیر ہیڈ کوارٹر جیسور، کھلنا اور بنیاپول کی پلٹنیں اور پھر چوا ڈنگہ، باریسال اور کشتیا کی سرحد۔ یعنی جیسور ڈویژن کو اسی طرح چھان مارا۔ جس طرح راجشاہی ڈویژن کو کیا تھا۔ حالات بہت خراب تھے اور فوج اندرونی امن و امان قائم رکھنے کے قابل بھی نہ تھی۔ سخت مایوسی ہوئی۔

ڈھاکہ واپس گیا اور وہاں سے سلہٹ گیا اور ساری سرحد دیکھی اور حالات کچھ بہتر تھے۔ جنوب کی طرف چل پڑا۔ لیکن جیسے برہما باڑیہ پہنچا وہی حالات تھے جو جیسور میں تھے اور آگے کومیلا فینی وغیرہ سب جگہ وہی حالات تھے۔ آخر چٹاگانگ دیکھا لیکن وقت بہت ہو گیا تھا۔ میمن سنگھ دیکھے بغیر مغربی پاکستان واپس آ گیا۔

مشرقی پاکستان میں کیا ہوا

مشرقی پاکستان میں مارچ ۱۹۷۱ سے لے کر ہتھیار ڈالنے تک ہمارے مجاہدین نے جو کارنامے انجام دیئے۔ ان کو افواجِ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھنا چاہیئے۔ دراصل اِس تمام کارروائی پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ راقم نے یونٹوں کے نام لئے بغیر ہمارے مجاہدین کی اس کارروائی سے "ہلال" میں کچھ پردے اُٹھائے اور اس کو کتاب کی شکل دی جا رہی تھی کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ میرے پاس اور ہماری ہسٹاریکل سیکشن میں کافی مواد موجود ہے اور اس کو کتابی شکل دینا ہمارا قومی فریضہ ہے۔ مارچ سے لے کر مئی تک اپنی جان پر کھیل کر ہمارے مجاہدین نے باغیوں اور شرپسندوں کا صفایا

کیا۔ جو سب کے سب بھارت بھاگ گئے۔ جون اور جولائی میں ان لوگوں نے بھارت میں مکتی باہنی
طور پر اپنے آپ کو منظم کیا۔ اور اگست میں مشرقی پاکستان پر حملے شروع کر دیئے۔ ان کی مدد کے لئے
بھارتی فوج بھی ہوتی تھی۔

بنگالیوں کے ظُلم

بنگالی فوجیوں نے جب مارچ ۱۹۷۱ء میں بغاوت کی تو مغربی پاکستانیوں پر بڑے ظلم کئے۔
وہ ایسے واقعات ہیں جن پر اب بھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ میجر ضیاء جو بعد میں بنگلہ دیش کا صدر
رہا۔ اس نے چٹاگانگ میں مغربی پاکستان کے ان افسروں کو بے دردی سے شہید کیا جن کے ساتھ وہ
ایک تھالی میں کھا چکا تھا۔ ایک اور بنگال رجمنٹ نے مغربی پاکستان کے افسروں یا عہدہ داروں کے بچوں
تک کو بے دردی سے شہید کیا۔ میجر محمد حسین کے خاندان نے ٹھاکرگاؤں میں جس طرح گھیرے میں رہ
کر آخر شہادت حاصل کی۔ یا راجشاہی میں جو کچھ کیا گیا۔ سب بھیانک واردات ہیں۔ لیکن جو کچھ پبنہ
یا کشتیہ میں ہوا۔ وہ بنگالی مسلمانوں کے اسلام پر ایک سیاہ دھبہ ہے۔

مغربی پاکستان کے یونٹوں کی کارروائی

بے شک بعد میں فوجی کارروائی کے دوران مغربی پاکستان کی یونٹوں نے بعض جگہ حملے کئے اور
بنگالیوں کا نقصان ہوا۔ لیکن کسی مغربی پاکستانی سپاہی نے ظلم نہ کیا۔ بے گناہ کو قتل نہ کیا۔ ہاں
جو بغاوت سے باز نہ آتے تھے ان کو ضرور قتل کیا۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے "اپنوں" نے ہماری افواج
کو اس سلسلہ میں جو بدنام کیا ہے اور اب بھی جو کہانیاں گھڑی جاتی ہیں، وہ بکواس ہیں۔ میں جانتا
ہوں کہ کچھ لوٹ مار بھی ہوئی ہوگی۔ کچھ بددیانت لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اور یہ قدرتی بات ہے کہ جس جگہ
حملہ کیا جائے وہاں اگر کوئی دل لُبھانے والی چیز مل جائے تو حملہ آور اُٹھا لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام نے
لوٹ کو حلال قرار دیا۔ لیکن جس طرح غزوہ حُنین کے بعد حضور پاکؐ نے مالِ غنیمت واپس کر دیا اسی
طرح سپاہی بعد میں یہ چیزیں واپس کر دیتے ہیں۔ اور کچھ زیادہ اُٹھا بھی نہیں سکتے۔

فوج سخت کھچاؤ میں تھی

بہرحال یہ لمبے مضمون ہیں۔ راقم یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ شرپسندوں کو مشرقی پاکستان سے نکالنے
کے بعد بھی ہماری افواج سخت کھچاؤ میں تھیں۔ زمین کے چپہ چپہ کا دفاع ہو رہا تھا اور فوج

محاذوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ سرحد سے سکاؤٹ اور پنجاب سے رینجرز بھی مدد کے لئے پہنچے ہوئے تھے اور اکثر تھانوں میں پولیس مغربی پاکستان سے تھی۔ سول افسران میں آدھے وفادار تھے۔ اور گو سب سویلین کو نوکری میں رکھا گیا۔ لیکن اکثر لوگ اب پاکستان کی بجائے مجیب کے وفادار تھے۔ بنگلہ دیش کی حکومت بن گئی تھی۔ اور وہ بھارت میں موجود تھی۔ تقریباً دس پندرہ ہزار بنگالی فوجی بغاوت کر کے بھارت پہنچ چکے تھے۔ نوجوان طالب علموں سمیت کوئی پچاس ہزار بنگالی فوجی تربیت حاصل کر کے مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر اپنی مرضی، اپنے وقت اور اپنی چُنی ہوئی جگہ پر حملے کرتے رہتے تھے۔ ان حالات سے کیسے نپٹنا چاہیئے تھا۔

مناسب طریقۂ کار کیا تھا؟

جنرل فرمان وغیرہ سیاسی مشیر تھے۔ اور وہ لوگ پاکستان کے "وفادار" سیاستدانوں کو آگے کر رہے تھے۔ بلکہ کچھ انتخابات بھی کرا رہے تھے۔ یہ سب ہیر پھیر، اگر مگر اور آئیں بائیں شائیں معاملہ تھا۔ طریقہ صرف ایک تھا کہ یحییٰ چلا جاتا۔ اور کوئی اور اسلام کو نافذ کر دیتے۔ یا مشرقی پاکستان کی باگ ڈور بنگالی کے حوالے کر کے فوج مغربی پاکستان واپس آ جاتی۔ اور مجیب الرحمن کو رہا کر کے بھیج دیتے اور بنگالیوں سے پوچھتے کہ وہ کس قسم کے تعلقات چاہتے تھے۔ یعنی بات ہم اِدھر اور تم اُدھر والی تھی۔ ہاں صرف ایک طریقہ تھا کہ ستمبر ۱۹۷۱ء میں مغربی پاکستان سے بھرپور حملہ کر کے جموں کٹھوعہ روڈ کاٹ دیتے اور امرتسر، جالندھر وغیرہ پر قبضہ کر لیتے۔ مشرقی پاکستان کا دفاع تب ہی مغربی پاکستان سے ہو سکتا تھا۔ اور اس طرح کشمیر تو مل جاتا۔ اور اگر ہم ایسا کر لیتے تو مشرقی پاکستان کے لوگ کچھ بھارتی علاقوں پر قبضہ کر لیتے اور مُکتی باہنی بھارت سے بغاوت کر کے اللہ اکبر کے نعرے لگاتی۔

جنرل نیازی کو کیا کہا

اگر ہم ایسا نہ کر سکتے تو مشرقی پاکستان میں جو کچھ کیا جا رہا تھا وہ زیادہ عرصہ نہ چل سکتا تھا۔ دن کو تو سڑکوں پر ہماری حکومت ہوتی تھی۔ لیکن باقی جگہوں اور رات کے وقت ہر جگہ مکتی باہنی کی حکومت تھی۔ راقم نے واپس آ کر لکھ کر دے دیا کہ مشرقی پاکستان اب چند دن کی بات ہے۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ مشرقی پاکستان سے چلتے وقت جنرل نیازی سے بھی ملاقات کی۔ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جنرل نیازی اپنے ایک ادنیٰ طالب علم یا شاگردوں کی بات کو کب سُنتا۔ اس بیچارے

کو معلوم نہ تھا، کہ وہ کنوئیں کی مینڈک ہے۔ اور کنوئیں سے باہر نکلنے کا بندوبست تیار رکھے۔ اس کے لئے صرف دو ہی صورتیں تھیں۔ کہ جب مایوسی ہو جاتی تو تمام فوجی کسی نہ کسی طرح رنگ پور، سیلا پہنچ جاتے اور وہاں سے شمال کی طرف لڑ کر سیکھم کے راستے چین یا نیفا داخل ہو جاتے۔ یہ مشکل تجویز دوسری ذرا آسان تھی۔ کہ مایوسی کی حالت میں چٹاگانگ اور اس کے پہاڑی علاقے میں آخری دفاع کر اور اگر مغربی پاکستان سے بالکل جواب مل جاتا تو پھر برہما میں داخل ہو جاتے۔ افسوس کہ اس کے لئے تیاری ایک تیسرا طریقہ بھی تھا جو راقم نے لکھ کر اپنے دوست کرنل اعجاز کو بھیجا کہ جب مکمل مایوسی ہو جائے تو گو بن کر۔ گروہ در گروہ بھارت کے ذریعہ پاکستان پہنچنے کی کوشش کرو۔ راستہ میں ریلوے اور شہروں کو لگا کر ایسی حالت کرو۔ کہ بھارت والے خود بخود آپ لوگوں کو مغربی پاکستان پہنچنے کی اجازت دے دیں گے۔ سلطان ٹیپو والی بات تھی اور مشکل۔ دوسرے اور آسان طریقہ پر میں نے جنرل رحیم اور چند دوستوں کو بات کی۔ لیکن میری تجویز پر کسی نے دھیان نہ دیا۔ یہی ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ انگریز ہمیں یہ سکھا کہ حالات کے مطابق کام کرتے رہو۔ یہ نہ بتلایا کہ شروع سے ایسی پالیسی بناؤ کہ حالات ہماری مرضی کے مطا پیدا ہوں۔ اور راقم نے آج تک اسی پہلو پر زور دیا اور جنرل یحییٰ کو بھی یہی کہا۔ لیکن میری اس چیز اکثر لوگ تو سمجھ بھی نہ سکے۔ کہ بقول شیخ سعدیؒ اکثر لوگ ایسے ہیں" جن کو یہ نہیں معلوم کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔ اور جو چند جاننا چاہتے ہیں۔ یا جانتے ہیں لیکن ان کو خود معلوم نہیں کہ وہ کچھ جانتے بھی ہیں نہ۔ ان کو جگانا یا پڑھانا پڑتا ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ایک میجر کی بات کون سنے۔ جب ہم اوپر چلے ہیں۔ تو ہم سب سو جاتے ہیں۔

دراصل جنرل نیازی اور اس کے ساتھیوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں جن سے وہ دوچار ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے اکثر افسروں کے ساتھ جب اس پہلو پر بات ہوتی تھی تو چند افسروں کو چھوڑ کر کوئی بھی اس پہلو کو سمجھنے کی کوشش نہ کرتا۔ اور جنرل نیازی تو ایک غلطی بھی کر چکا کہ بلونیا پر خواہ مخواہ زیادہ زور لگاتا رہا۔ ساتھ ہی چٹاگانگ کے پہاڑی علاقہ کے کافی حصہ پر تو اگست ۱۹ ہی میں باغیوں اور شرپسندوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اکتوبر اور نومبر ۱۹۷۱ء تک مشرقی پاکستان کو کمک بھیجی جاتی رہی۔ اور تقریباً ایک بریگیڈ کی نفری تو نومبر میں پہنچی۔ اگر ایسے ہی لڑائی تھا تو کیا قیدیوں کی تعداد بڑھائی جا رہی تھی؟ ہاں یہ بہت ممکن ہے۔ بھٹو نے مشرقی پاکستان میں اسمبلی کی

میٹنگ میں جو شرکت سے انکار کیا تھا تو یہ الفاظ بھی استعمال کئے تھے کہ میں "ڈبل ہوسٹیج" نہیں ہونا چاہتا۔ یعنی بھارت اور بنگلہ دیش دو ملکوں کا قیدی نہیں ہونا چاہتا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ بھارت میں جنگی قیدیوں کے لئے خیمہ بستیاں پہلے سے تیار تھیں۔ تو کیا جس طرح لیاقت علی نے ۱۹۴۸ء میں فائر بندی کا ڈرامہ کیا۔ اسی طرح ۱۹۷۱ء کی جنگ بھی پاکستان کو توڑنے کا ڈرامہ تھا؟ کہ ذمہ داری ساری فوج کے سر ڈال دی جائے۔ اور یہی ڈرامہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں کیا گیا۔ لیکن اس وقت اللہ تعالےٰ نے لاج رکھ لی۔ لیکن چونکہ ہم نے کوئی سبق نہ سیکھا تو ۱۹۷۱ء میں اللہ تعالےٰ نے بڑی سزا دی اور ہماری غیرت کو ختم کر دیا۔ اسلامی تاریخ میں سقوطِ ڈھاکہ سے بڑھ کر کوئی بڑا المیہ نہیں ہے۔ اور غلام کذاب کے نبوت کے دعوےٰ سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔

مشرقی پاکستان جا رہا تھا

اب مشرقی پاکستان جا رہا تھا۔ شنید ہے کہ مغربی پاکستان کے اکثر سویلین انتظامیہ کے افسر کہتے تھے، کہ مشرقی پاکستان، دراصل مغربی پاکستان پر بوجھ ہے اور مغربی پاکستان کے چلے جانے کے بعد مغربی پاکستان بہتر طور پر فلاحی ملک بن سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا مسودہ الطاف گوہر نے تیار کیا تھا۔ علاوہ عزیز احمد وغیرہ متعدد سویلین بیوروکریٹ اور پاکستان کی اوپر والی سطح کے حکمران اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ دونوں خطّے اکٹھے نہیں رہ سکتے اور ذوالفقار علی بھٹو۔ انہی لوگوں کی باتیں سُن کر دل ہی دل میں تاڑ گیا تھا کہ واقعی ایسا ہے۔ اور بے شک جو علوم ہمارے سکولوں اور کالجوں میں پڑھائے جا رہے ہیں، ان کے لحاظ سے یہ اتحاد کچے دھاگے کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ لیکن ہمارے سامنے تو کچھ اور مقاصد تھے کہ پاکستان کی وحدت کے ذریعہ ہم اُمّتِ واحدہ کی ایک اینٹ رکھنا چاہتے تھے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

لیکن یہ غریب مسلمانوں کی دل کی آواز تھی۔ اُوپر والی سطح پر صرف اپنے حلوے مانڈے کا خیال ہوتا ہے اور وہاں صاحبِ دل لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ تھی کہ مشرقی پاکستان میں یہ بھیانک حالات دیکھنے کے باوجود راقم پُر امید تھا کہ اوّل مشکل وقت پر شاید جنرل یحییٰ ہی توبہ کر دے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اللہ تعالےٰ کوئی اور معجزہ رونما کر دے گا۔ اور ہمارا سربراہ کسی اللہ والے کو مقرر کر

دے گا اور فتح ہمارے قدم چومے گی۔ اس لئے اپنے فوجی اخبار "ہلال" میں راقم مجاہدین کی لگاتار ...
کر رہا تھا۔

راقم کی اُمیدیں

راقم کی یہ اُمیدیں کسی منطق کے بغیر نہ تھیں۔ کہ میں جنرل ہیڈکوارٹر میں تھا۔ اور بڑے سے بڑا افسر ...
سے باتیں زیادہ پوشیدہ نہ رکھتے تھے اور راقم نے چونکہ پاکستان کے دفاع کو اوپر والی سطح پر سوچنا شروع
کر دیا تھا۔ اس لئے سب سے پہلے بھارت کی فوجوں کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ اور ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں
حالات ایسے تھے کہ بھارت والے اپنی زیادہ فوجوں کو مشرقی پاکستان کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے اور مغربی
سرحد پر یعنی مغربی پاکستان کے سامنے صرف دفاع کئے ہوئے تھے۔ اور اگر ہم ٹھیک طرح سے اپنی
فوجوں اور قبائلی لشکروں کی کوئی تجویز بناتے۔ تو مشرقی پنجاب کے بڑے حصّے پر ہم قبضہ کر سکتے تھے اور
ایسا دیکھ کر مکتی باہنی والے بھارت سے بغاوت کر کے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر ہمارے ساتھ مل جاتے کر
بنگالی تبدیل ہونے میں دیر نہیں لگاتا۔

لیکن اگر ہم ایسا نہ کر سکتے تو مشرقی پاکستان کی افواج وہاں پر ایک ماہ سے زیادہ عرصہ جنگ ...
لڑ سکتی تھیں۔ اور جنرل نیازی چپہ چپہ زمین کا "سیاسی دفاع" کر رہا تھا۔ تدبیرات کا ماہر ہونے کی
وجہ سے "سٹرانگ پوائنٹ تدبیرات کو بہت مانتا تھا جو جاپانیوں کا طرزِ جنگ تھا اور بعد میں انگریزوں
نے بھی کچھ اپنا لیا تھا۔ لیکن جنرل نیازی نے لوگوں کے رویہ کو اپنی تجویز کے جزو کے طور پر کبھی نہ سوچا تھا
اور اس نے مشرقی پاکستان سے باعزت نکلنے کے سلسلہ میں کبھی کوئی تجویز نہ سوچ رکھی تھی ۔ اب
مغربی پاکستان میں میری سطح کے کسی افسر کو کوئی پوری تجویز تو نہ بتائے گا لیکن میرے سامنے کوئی پردہ
بھی نہ رکھ سکا۔

ویسے بھی لوگ مجھ سے "جان چھڑاتے" تھے۔ اور ساری نوکری میں میں حیران رہا کہ بڑے بڑے افسر
مجھ جیسے چھوٹے افسر سے "گھبراتے" کیوں تھے۔ اب ظاہر ہوا کہ انہوں نے ریت پر قلعے تعمیر کئے ہوئے
تھے۔ اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ نے سب قلعے مسمار کر دیئے۔

نواں باب

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ

اب فوج کو جنگ کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ اور جو تجویز بنی یا جس پر بعد میں کچھ عمل ہوا وہ کچھ اس طرح تھی۔ کہ کشمیر میں بارہواں ڈویژن پونچھ پر قبضہ کرنے کے لئے جارحانہ کارروائی کرے گا۔ چھمب میں بکتر بند دستوں کی مدد سے افتخار جنجوعہ اس علاقے میں ستمبر ۶۵ء کی کارروائی کو دُہرائے گا، اور محدود کارروائی کرکے، ان میں سے کچھ دستے بعد میں پہلے کی طرح سیالکوٹ محاذ پر چلے جائیں گے۔ لاہور کا سارا ڈویژن، واہگہ، برکی، حتیٰ کہ مقبول پورہ سے بھی آگے بڑھ کر جارحانہ کارروائی کرے گا۔ اور قصور والا ڈویژن حسینی والا۔ اور قیصر ہند پر جارحانہ کارروائی کرے گا۔ سلیمانکی محاذ پر ستمبر ۶۵ء کی کارروائی کو دہرایا جائے گا۔ سندھ کا دفاع صرف ایک بریگیڈ کرے گا اور وہاں سے دو بریگیڈ بہاولپور کے علاقہ سے جیسلمیر کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ جو ایک انحرافی کارروائی ہوگی۔ لیکن سیالکوٹ کے محاذ پر دشمن کے ساتھ ٹکرا لے کر پسپائی اختیار کی جائے گی کہ وہاں دشمن کو پھنسانے کی کوشش کی جائے گی۔ اور ہمارا اصلی حملہ جنرل ٹکا خان بکتر بند ڈویژن کے ساتھ اور دو پیدل ڈویژنوں کی مدد سے بہاولپور کے علاقہ سے بھٹنڈہ یا مشرقی پنجاب کے دل پر کرے گا۔ اور اس طرح مشرقی پنجاب ہماری جھولی میں گر جائے گا بلکہ تجویز تو یہاں تک تھی کہ بریگیڈیئر عطا محمد۔ اور کرنل عدالت جیسے کئی پرانے فوجی افسروں کو بلایا ہوا تھا کہ مشرقی پنجاب پر سویلین کے معاملات چلانے کے لئے حکومت کا بندوبست کیسے کیا جائے گا۔

تجویز دیکھنے میں اچھی تھی

اس تجویز میں بڑی اپیل تھی۔ اور جنرل گل حسن کی جگہ جو آدمی ملٹری اپریشن کا کام کر رہا تھا وہ مرحوم بریگیڈیر ریاض تھا جو بعد میں میجر جنرل بن کر فوت ہوگیا۔ نہایت شریف انسان اور صاحب دل مسلمان تھا۔ اور کبھی شک بھی پڑتا تھا کہ شاید ایسے لوگوں کی وجہ سے اللہ تعالےٰ ہم پر رحم کر دے۔ یہ صاحب میرے ذاتی دوست بھی تھے اور بڑے پُرامید انسان تھے۔ مجھ سے پردہ بھی نہ رکھتے تھے گو سرکاری طور پر میں بھی ملٹری آپریشن روم میں داخل نہ ہوسکتا تھا۔ اور باہر ایک کمرے میں میری بریفنگ ہوتی تھی کہ بھارتی افواج

مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کی جو مدد کر رہی تھیں اس سلسلہ میں مجھے اینٹلی جنس اور اپریشن دونوں محکموں کے ساتھ رابطہ قائم کر کے خبریں بنانا پڑتی تھیں۔

سیالکوٹ کے علاقہ میں حملہ نہیں کیا جاتا

مجھے اس تجویز پر کوئی اعتراض کرنے کا حق نہ تھا کہ سرکاری طور پر مجھے یہ تجویز تو نہ بتائی گئی تھی۔ لیکن بریگیڈیئر ریاض کے علاوہ سیالکوٹ محاذ کے بریگیڈیئر شیر علی باز جو میرے دیرینہ دوست تھے، کو بھی میں نے کہا کہ سیالکوٹ میں جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ وہ غلط ہے۔ وہاں جارحانہ کارروائی کرنا چاہیئے۔ لیکن میری کون سنتا تھا۔ حالانکہ بریگیڈیئر شیر علی باز نے اپنے جنرل عبدالعلی ملک سے بھی یہ بات کی اور وہ میرے ساتھ اس سلسلہ میں اتفاق کرتا تھا۔ لیکن اس کی بات کو سنی ان سنی کر دیا گیا۔ جیسلمیر کی طرف پیش قدمی والی کارروائی کا بھی مجھے نجی طور پر پتہ چلا کہ یہ کام میرے پرانے کمانڈنگ افسر، جنرل مصطفےٰ نے کرنا تھا یہ بہت اچھی تجویز تھی۔ لیکن ہوائی جہازوں کی امداد کے علاوہ علاقہ کی بہتر دیکھ بھال اور زیادہ تیاری کی ضرورت تھی۔ یا اس کام کے لئے شتربان، شتر سوار، گھڑ سوار اور دیسی قسم کی حروں کی کسی فوج کو استعمال کرتے تو بہتر نتائج حاصل ہو سکتے تھے۔ ویسے سیالکوٹ میں بھی اگر جارحانہ کارروائی کی جاتی۔ اور کسی اور جگہ جارحانہ کارروائی نہ ہوتی۔ تو یہ ساری تجویز بہت اچھی تھی۔ لیکن سیالکوٹ کے محاذ پر حملہ نہیں کیا جاتا، کہ سازش والے قادیان کے نزدیک میدان جنگ نہیں بننے دیتے اور کامیابی کا سہرا جنرل یحییٰ کے سر کیسے بندھ جاتا۔

بھٹو اور رحیم کا دورۂ چین

یحییٰ نے انہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ ایئر مارشل رحیم اور جنرل گل حسن کو چین بھیجا کہ ان سے کوئی امداد وغیرہ کی اُمید ہے یا نہیں چین والوں کا رویہ ہمیشہ بڑا حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بنگال کے سیاسی لیڈروں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کر کے اپنے ملک کے حالات کو ٹھیک کریں۔ جنگ پاکستان کے حق میں نہ جائے گی۔ لیکن یحییٰ اور بھٹو دونوں کو اس کی فکر نہ تھی۔ بھٹو نے یحییٰ کے ساتھ وعدہ کیا ہوا تھا کہ وہ خود وزیر اعظم بنے گا۔ اور یحییٰ کو صدر رکھے گا۔ گل حسن کو کمانڈر انچیف بنایا جائے گا اور ایئر مارشل رحیم کو تینوں سروسز کا چیف۔ در اصل ایئر مارشل رحیم اپنی طرف سے ڈبل گیم کھیل رہا تھا۔ اس کو بھی معلوم تھا کہ لڑائی لڑنے کا ڈرامہ رچایا جا رہا ہے اور اُس نے اصغر خان سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ یحییٰ کے بعد ملک کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ گل حسن اور اصغر خان رائل ملٹری کالج ڈیرہ دون کے پڑھے ہوئے تھے، گو کہ گل حسن کافی جونیئر تھا

لیکن گُل حسن بھی ڈبل گیم کھیل رہا تھا۔ کہ وہ یحییٰ اور بھٹو کے علاوہ اصغر خان کو بھی کچھ اُمیدیں ولا رہا تھا۔

قوم کو بے وقوف بنایا جا رہا تھا

"قوم کو بے وقوف بنانے کے لئے مشرقی پاکستان میں بھارت کی زیادتیوں پر پہلے پردہ رکھا ہوا تھا۔ پھر مجھے حکم ملا کہ اب میں یہ زیادتیاں اور بھارت کی شرارتیں کُھل کر پریس میں بیان کے لئے تیار کروں تاکہ قوم بول اُٹھے کہ ہم بھارت سے تنگ آ گئے ہیں۔ چنانچہ جیسے یہ صحیح خبریں اخباروں میں شائع ہوئیں تو پھر لوگوں کے بیانات آنے شروع ہو گئے کہ ہمیں بھارت پر جوابی حملہ کرنا چاہیئے۔ اب اس سلسلے میں جو کچھ ہوا قوم کو معلوم ہے۔

سازش زیادہ گہری تھی

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے وقت فوج اور قوم کو جس طرح بے وقوف بنایا گیا اور جو کچھ ہُوا، اس کے مقابلے میں ستمبر ۶۵ء کی جنگ کی سازش بہت معمولی تھی۔ یہاں سازش کا سرغنہ از خود جنرل یحییٰ تھا۔ اس نے نورالامین کو وزیر اعظم کا سہرا صرف اس لئے باندھا، کہ وہ بھٹو کو ڈپٹی وزیر اعظم بنا کر اوپر لانا چاہتا تھا۔ اس کے ہیڈ کوارٹر میں جنرل پیرزادہ بھٹو کا آدمی تھا۔ اور جنرل گُل حسن کے ساتھ یحییٰ نے اپنے ملٹری سیکرٹری جنرل اسحاق کے ذریعہ سے رابطہ رکھا ہوا تھا۔ ادھر وہ اپنے "سایہ" جنرل حمید کو کہتا تھا کہ خدانخواستہ حالات خراب ہو گئے تو ملک کو حمید کے حوالے کر دے گا۔ اور حمید کو کہا ہوا تھا کہ وہ اپنا گروہ تیار رکھے۔ جس میں جنرل خداداد۔ جنرل مٹھا۔ جنرل عمر اور جنرل عنائیت کیانی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

لڑائی کی ذمہ داری جنرل حمید کی تھی

لیکن جنرل حمید پر نظر رکھنے کے لئے جی ایچ کیو میں جنرل یحییٰ نے کرنل بعد میں بریگیڈیئر گلستان جنجوعہ کو رکھا ہوا تھا۔ کہ وہ حمید پر نظر بھی رکھے۔ یحییٰ صدر ہونے کے علاوہ بری افواج کا کمانڈر انچیف بھی تھا۔ لیکن تمام تر لڑائی لڑنے کے لئے یحییٰ نے پوری ذمہ داری جنرل حمید کو سونپی ہوئی تھی۔ احکام بریگیڈیئر ریاض نے دینے ہوتے تھے اور وہ بڑا پُر امید معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کے اُوپر والا جنرل گل حسن بھی ڈرامہ میں شریک تھا۔ اس وقت تو پتہ نہ چلا۔ لیکن بعد میں حالات کے جائزہ سے معلوم ہوا۔ کہ ڈرامے کے بڑے ایکٹر جنرل یحییٰ۔ بھٹو۔ جنرل پیرزادہ، جنرل گُل حسن اور ایئر مارشل رحیم تھے۔ جنہوں نے اپنے مددگار بھی رکھے ہوئے

تھے۔ جنرل حمید اور اس کے گروہ کو بے وقوف بنایا جا رہا تھا۔ اور نور الامین یا بریگیڈیئر ریاض کی قسم کے
کی شرافت سے فائدہ اُٹھایا جا رہا تھا۔

راقم از خود کو بے وقوف بھی بنایا جا رہا تھا اور میری شرافت سے بھی فائدہ اُٹھایا جا رہا تھا۔ ورنہ اگر
کے دوران مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ ڈرامہ ہے تو میں انشاءاللہ ضرور کسی نہ کسی غدار کو رگڑ دیتا یا ستمبر ۶۵ کی
کی طرح کچھ شور تو کرتا۔ مجھے سازش کی کچھ بو آئی کہ بھٹو کے کچھ ساتھی خاص کر پاکستان ٹائمز کے مسٹر
یہ دلچسپی تھی کہ مشرقی پاکستان میں معاملہ جلد ختم ہو۔ اور فائر بندی ہو کہ بھٹو صاحب تخت سنبھالیں۔ لیکن
کے کئی ہمدرد مثلاً کرنل مسعود وغیرہ کو پاکستانی افواج کی فتوحات میں دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے راقم بھٹو کے کردا
مکمل طور پر نہ سمجھ سکا۔ ہاں البتہ یہ ضرور خیال تھا کہ یہ ہمیں لے ڈوبے گا۔

حملے کا ڈرامہ

بہر حال مغربی پاکستان سے بھی حملے کا ڈرامہ کیا گیا اور اعلان کر دیا کہ بھارت نے مغربی پاکستان پر
کر دیا ہے۔ شام کا وقت تھا اور ہم دفتر میں جنگ کا انتظار کر رہے تھے کہ جنگ چھڑ گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم
تھے اور بھارت ہمارا کوئی نقصان نہ کر سکے گا بلکہ شروع شروع میں ہر محاذ پر ہمیں کچھ کامیابی بھی ہو گئی
تنگ کر رہے تھے اور ہمارا دفتر اُن سے بھر گیا۔ ہم نے کہا کہ بریگیڈیئر عبدالرحمن صدیقی صدر ہاؤس گیا ہوا
دس گیارہ بجے واپس آئے گا۔ اس وقت تک انتظار کیا جائے۔ وہ واپس آئے اور ہمیں نجی طور پر بتایا کہ یحییٰ
دُھت ہے اور کل دوپہر کو کسی وقت قوم کو خطاب کرے گا۔ اور گول مول باتیں کر کے ہم لوگوں نے اخبار وا
کو چلتا کیا۔

واضح احکام نہ تھے

کسی طرف سے کوئی واضح احکام نہ مل رہے تھے۔ اور نہ کوئی پکی خبر بتاتا تھا کہ ہم اخبار والوں کو کیا بتا
بلکہ مشرقی پاکستان والوں پر بھی ہم نے یہ شرط عائد کی ہوئی تھی کہ وہ پہلے ہمیں خبر بتایا کریں اور بعد میں
جاری کریں گے۔ کہ اُوپر سے احکام ایسے تھے کہ بیانات میں وحدت ہو۔ چنانچہ ڈھاکہ سے بریگیڈیئر باقر صد
کا فون آگیا کہ جنرل ہیڈ کوارٹر میں ہر جگہ وہ فون کر چکا ہے کہ ان کو "خبروں کی پابندی" سے آزاد کیا جائے۔
وہ خود خبریں نشر کریں۔ اگر کوئی غلطی کریں تو اُن کو ٹھیک کیا جائے۔ لیکن کوئی ذمہ داری نہیں اُٹھاتا۔
نے بریگیڈیئر باقی صدیقی کو کہا کہ میں ذمہ داری اُٹھاتا ہوں کہ تم آزاد ہو۔ اب جنگ شروع ہو گئی ہے۔ ہم

بیٹھ کر آپ کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔ اور اگر کوئی تم سے جواب پوچھے کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔ تو میرا نام لو کہ فلاں نے اجازت دی ہے۔ اور میں نے اس کو اشارتاً بتا دیا کہ یہاں بھی یہی معاملہ ہو گا۔ اور وہ اس لئے کہ فضائی فوج نے ایئر کموڈور رجان کو مقرر کر دیا تھا کہ ان کے بارے سب خبریں وہ پریس میں دیں گے۔ بری فوج میں خبریں کرنل ریاض اکٹھی کرتا اور اخباری زبان میں بیان بریگیڈیر صدیقی کرتے اور آگے سے کوئی سوال پوچھتا تو جواب کرنل ریاض دیتا۔ بحری فوج کی خبریں کراچی سے کمانڈر تفضّل دیتا۔ اور کوئی پالیسی نہ تھی۔ البتہ فضائی فوج کے ایئر مارشل رحیم نے اپنے ڈرامے کو خوب چمکایا۔ بحری فوج کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور وہ ڈرے ہوئے تھے۔ اور بری فوج میں کئی گروہ تھے اس لئے کوئی پکا فیصلہ نہ ہوتا تھا۔ راقم جب کسی وقت کوئی ضروری خبر لینے جاتا تھا۔ تو شروع شروع کو ایک دو دن تو بریگیڈیر ریاض کو بڑا پُر امید پایا اور کہتا تھا کہ میرا وقت جب آیا تو پھر دیکھنا۔ دراصل وہ جنرل ٹکا خان کے متوقع جارحانہ حملے سے کافی پُر امید تھا۔ لیکن اُوپر والے ہر معاملہ کو اب روک رہے تھے تو چند دن کے بعد جب میں اُن سے ملا تو بریگیڈیر ریاض پوچھنے لگا کہ اقوامِ متحدہ سے کوئی فائر بندی کی کوئی خبر ہے۔ بس میں تاڑ گیا کہ معاملہ ختم ہے۔ دوسرے دن مجھے چھمب محاذ پر جانا پڑ گیا۔ وہاں جنرل افتخار جنجوعہ ایک حادثہ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ تو اس محاذ پر بھی جارحانہ کاروائی ختم ہو چکی تھی۔

مایوسی کا چھانا

راقم پنڈی واپس آیا تو مشرقی پاکستان کا معاملہ ختم ہونے والا تھا اور مایوسی چھا چکی تھی۔ اس لئے راقم لاہور محاذ پر چلا گیا۔ خیال تھا کہ اپنی پرانی بٹالین بھی اسی محاذ پر ہے۔ اور ستمبر ۶۵ء کے کچھ لوگ بٹالین میں موجود تھے۔ کچھ لکھوں بھی گا اور اگر وہاں گولی سینہ سے پار ہو گئی تو غیرت مند لوگوں کے ساتھ موت ہو گی یہاں پنڈی میں سازش اور ڈرامہ والوں کے درمیان بیٹھ کر ایڑیاں کیوں رگڑتے رہیں۔ محاذ پر جا کر مجھے معلوم ہوا کہ فضائی فوج کی ستمبر ۶۵ والی حالت نہیں۔ اور جو کچھ اُن کے بریفنگ افسر کموڈور رجان سے سُنا کرتے وہ سب جھوٹ ہوتا تھا۔ بھارتی جہاز لاہور کے محاذ پر دندناتے پھر رہے تھے۔ ستمبر ۶۵ء میں چند منٹوں کے لئے آتے تھے۔ اور ہمارے جہازوں کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ علاوہ شہری لوگوں میں بھی ستمبر ۶۵ والا حوصلہ نہ تھا۔ البتہ بری فوج کے جوان چونکہ لاہور محاذ سے بھارت کے علاقہ میں داخل ہو گئے تھے تو وہ لوگ حوصلہ میں تھے۔ صبح سویرے ڈویژن ہیڈکوارٹر سے ہوتا ہوا ۱۰۳ بریگیڈ ہیڈکوارٹر کی طرف چل پڑا۔ لیکن بھارتی جہازوں کے بار بار حملوں کی وجہ جگہ جگہ رُکنا پڑا۔ اور جب بریگیڈ ہیڈکوارٹر پہنچا کر اپنی پرانی بٹالین میں جاتا ہوں۔

تو جنرل یحییٰ صاحب مغربی پاکستان میں بھی فائر بندی پر رضامند ہو چکے تھے۔

سر پھرے لوگ

یہ لڑائی کا سارا ڈرامہ قوم کے "سر پھرے" لوگوں کے منہ کو بند کرنے کے لئے کیا گیا تھا کہ ہم کو شکست
گئی ہے۔ کہ مشرقی پاکستان کے چلے جانے پر ہم خاموش ہو جائیں۔ یا تھوڑا سا نوحہ کر لیں۔ بتانا یہ مقصود تھا
طور پر ظاہر ہو گیا کہ ہم بھارت کے ساتھ لڑائی نہیں لڑ سکتے اور ۱۹۴۷ میں انگریز کمانڈر انچیف کے پنڈی
اور بریگیڈیئر افتخار نے سیالکوٹ میں ہمیں جو کچھ بتلایا تھا۔ آج عملی طور پر اس کا ثبوت پیش کر دیا گیا۔

آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز

ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

بھارت کی آگاہی

بعد میں جو تحقیقات کیں تو پتہ چلا کہ بھارت کو سب کچھ معلوم تھا کہ ہم کیا کریں گے۔ کشمیر کے محاذ پر
ایک بڑا حملہ چکوٹھی اور پانڈو کے علاقہ میں تھا۔ اور بھارت والوں نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ انہوں نے اپنی بڑی
یونٹیں وہاں متعین کی ہوئی تھیں۔ اور مقابلہ میں ان کی لاشوں کے پشتے لگ گئے۔ ہمیں محدود کامیابی ہوئی
لیکن اس کامیابی کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کہ شمال میں کچھ علاقوں میں ہماری فوج کم تھی اور بھارتیوں نے کچھ خالی
پر قبضہ کر کے اب فائر بندی لائن کی بجائے وہاں کنٹرول لائن بنا دی ہے۔ ۴۹/۴۸ ۱۹ء سے جو علاقے فائر بندی
کے بعد ہمارے پاس تھے۔ اُن میں سے کافی علاقے بھارت کے پاس چلے گئے ہیں۔ کشمیر میں ہمارا دوسرا بڑا حملہ
حملہ پونچھ شہر پر تھا۔ ہمارا حملہ بھرپور تھا لیکن غلط جگہ سے۔ ہمارے حملہ کو دبے جگری سے لڑے کر بٹالین کا
کرنل نواز از خود شہید ہو گیا۔ لیکن بھارتی بھی خوب لڑے اور ہم وہاں کچھ حاصل نہ کر سکے۔ کشمیر میں تیسرا
چھمب۔ جوڑیاں کے علاقہ میں تھا اور ستمبر ۶۵ کی کارروائی کو دہرایا گیا۔ یہ بڑی غلطی تھی۔ بھارت والوں نے
دفعہ اتنا سخت مقابلہ کیا کہ اُن کی لاشوں کے پشتے لگ گئے۔ اور ہم صرف چھمب پر قبضہ کر سکے گو خشک
کچھ پار کر لیا۔ لیکن جوڑیاں تک نہ پہنچ سکے۔ راقم نے پوری کارروائی کے نتائج اپنی آنکھوں سے جا کر دیکھے
ملکی اور غیر ملکی اخبار نویسوں کو لے کر مجھے وہاں جانا پڑا۔ بے شک ہمارے جوانوں کا حملہ بڑا بھرپور تھا
ڈویژن کا کمانڈر افتخار جنجوعہ خود حملہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

چھمب کا محاذ

حملہ کرنے والے بریگیڈ کے، بریگیڈ کمانڈر، بریگیڈیئر رحیم الدین۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے مقدمہ میں مصروف تھے۔ اور بریگیڈ کی کمانڈ۔ بریگیڈیئر نصیر اللہ بابر نے کی، جو خود زخمی ہو گیا۔ اور بعد میں جنرل جنجوعہ بھی حادثہ میں زخمی ہو کر ہلاک ہو گیا۔ دونوں بہادر آدمی تھے ان کے محاذ سے الگ ہونے کے بعد معاملات ڈھیلے پڑ گئے۔ کہ نئے ڈویژن کمانڈر جنرل عمر کو شاید کچھ "پوشیدہ" حالات سے آگاہی تھی، کہ اس نے ان یونٹوں کو بھی واپس منگوا لیا جنہوں نے خشک دریا پار کر لیا تھا۔ یعنی تھوڑی حوصلہ افزائی کے علاوہ اور چند مربع میل علاقے کے بغیر ہم کشمیر کے محاذ پر کچھ حاصل نہ کر سکے اور زیادہ علاقہ دشمن کو دے بیٹھے۔

سیالکوٹ کا محاذ

سیالکوٹ محاذ پر پہلے ہم نے حملہ کرنا تھا اور دشمن کے ساتھ اُلجھ کر پیچھے بھاگنا تھا۔ کہ دشمن ہمارا تعاقب کرے گا اور ہم اس کو اپنی مرضی کے علاقہ میں تہس نہس کر دیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کو سب کچھ معلوم تھا۔ ہمارے جوانوں نے جہاں حملہ کیا۔ ان میں اکثر جگہیں خالی تھیں۔ دشمن کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ دشمن نے ہمارا تعاقب نہ کیا۔ بلکہ کہیں بیٹھ کر دیکھتا رہا۔ اور جو علاقے ہم خالی کرتے جاتے تھے۔ اُن پر آہستہ سے بغیر نقصان کے قبضہ کر لیتا تھا۔ یعنی دشمن کو پھانسنے کی بجائے ہم اپنے علاقے اس کے حوالے کر رہے تھے۔ اور حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ لینے کے دینے پڑ گئے۔ اور ہمیں کچھ محدود حملہ کرنا پڑا۔ جس کی بھارت والوں کو توقع تھی اور انتظار کر رہے تھے۔ اس حملہ میں بھی ہم بُری طرح مار کھاتے لیکن کرنل اکرم شہید کی کمانڈ نے ہماری عزت رکھ لی۔ علاوہ راوی دریا کے ساتھ ہم نے کچھ چھوٹے چھوٹے حملے کئے اور بھارت کی چند پوسٹوں پر قبضہ کر سکے۔ لیکن سیالکوٹ میں تحصیل شکر گڑھ اور پھلکیاں کے بہت بڑے علاقے سے خواہ مخواہ ہاتھ دھو بیٹھے۔ لیکن یہاں جارحانہ کارروائی کا حکم نہ تھا کہ قادیان میدانِ جنگ نہ بن جائے۔ اور جنرل عبدالعلی ملک وہاں موجود تھا، جس کو پاکستان سے قادیان زیادہ پیارا ہے۔

جسٹر کا محاذ

سیالکوٹ کے جسٹر محاذ پر نااہلی کی یہ حالت تھی، کہ وہاں سے کسی ہیڈکوارٹر نے خبر بھیجی کہ دشمن نے جسٹر کا پُل تباہ کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ پُل ہم خود ستمبر ۶۵ کی جنگ میں تباہ کر چکے تھے اور پھر ضرورت نہ سمجھتے ہوئے اس کی مرمت نہ کی تھی۔ جسٹر سے لے کر مقبول پورہ کے علاقہ تک کوئی خاص کارروائی نہ ہوئی۔

البتہ مقبول پورہ سے لے کر ہڈیارہ تک لاہور کے ڈویژن نے جنرل نقوی کی کمانڈ میں سارے محاذ پر
کارروائیاں کیں اُن کے نتائج کئی لحاظ سے اچھے تھے۔ کہ اس دفعہ ہم نے دشمن کو بی آر بی سے دور رکھا او
دشمن کے علاقہ پر بھی کچھ قبضہ کرلیا۔ فائر بندی والے دن تک دشمن نے اس علاقہ میں کئی جوابی حملے کئے
لیکن اس کو کچھ کامیابی نہ ہوئی یہاں پر دشمن کافی اُلجھ گیا تھا۔ اور اگر باقی محاذوں پر بھی ایسی ہی کارروائی
ہوتیں اور جنگ جیتنے کے کچھ مقاصد ہوتے تو لاہور کے محاذ سے کوئی بھی بھرپور کارروائی کرکے ہم کم از کم
امرتسر پر آسانی سے قبضہ کر سکتے تھے۔

قصور کا محاذ

اسی طرح قصور محاذ پر جنرل مجید ملک نے اپنے ڈویژن سے کافی کامیابیاں حاصل کرلیں۔ قیصر ہند
کے مینار پر قبضہ کرلیا۔ اور بھارت کے لئے فیروزپور شہر کو بچانے کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ اگر باقی کارروائیاں صحیح ہوتیں
تو اس محاذ سے بھی فیروزپور یا امرتسر کی جانب اچھی کارروائیاں ہوسکتی تھی۔ اس طرح سلیمانکی محاذ پر بریگیڈیئر
نے کافی کامیابیاں حاصل کیں اور ان ساری کامیابیوں کو ملاکر کوئی بھرپور کارروائی ہوسکتی تھی۔ لیکن افسوس کہ
جیسلمیر کی طرف پیش قدمی بُری طرح ناکام ہوئی۔ یہ کام جنرل مصطفےٰ کر رہا تھا۔ اور اس کام کے لئے بریگیڈیئر ارباب
اور بریگیڈیئر طارق میر کے دو بریگیڈ پر تول رہے تھے۔

جیسلمیر کی کارروائی

اوّل تو جنرل مصطفےٰ کی ذمہ داری کا علاقہ بہت تھا کہ رحیم یار خان سے لے کر سندھ تک کا سارا دفاع اس کے ذمہ
تھا۔ اور گدرا محاذ پر صرف ایک بریگیڈ چھوڑ کر باقی دونوں بریگیڈوں کو وہ رحیم یار خان لے آیا تھا کہ جیسلمیر پر قبضہ کرے
جنرل مصطفےٰ کو راقم ۱۹۴۴ء سے جانتا تھا جب وہ برما محاذ پر سات راجپوت میں لفٹین تھا۔ علاوہ ستمبر ۶۵ کی جنگ
سے پہلے راولپنڈی صدر ریلوے س۔ اور رن آف کچھ کے جھگڑے کے وقت وہ میرا کمانڈنگ افسر تھا۔ بڑی خوبیوں کا
مالک تھا۔ پڑھا لکھا تھا اور ہماری فوج کے اُونچے افسروں میں شمار ہوتا تھا کہ مہمان نواز۔ دوستوں کا دوست اور
کچھ اصول بھی رکھتا تھا۔ لیکن کنوارا تھا۔ اور باتیں اتنی کرنا شروع کردیں اور لوگوں نے اس کی وہ خوشامد شروع
کردی کہ بڑی غلط فہمیوں کا شکار ہوچکا تھا۔ راقم نے اس کو بہت سمجھایا کہ عمل اور باتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ خدا
عملی پہلو پر زیادہ دھیان دیں۔ لیکن میری باتوں کا اس پر اُلٹا اثر ہوا۔ اور اس نے مجھے ایک "جھٹکا" بھی دے

دیا۔ مجھے بھی جواباً اس کو "جھٹکا" دینا پڑا۔ اور گو بعد میں ہم نے راضی نامہ کرایا۔ لیکن جنرل مصطفٰے نے کوئی سبق دیکھا۔ میں البتہ اس کا شکر گزار ہوں کہ ستمبر ۶۵ کی جنگ کے بعد اس نے میری بڑی دلجوئی کی اور بعد میں ہمارے گہرے تعلقات رہے۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ جنرل صاحب نے چونکہ میری بات نہیں مانی تھی۔ اس لئے ان کو ایک بڑا جھٹکا "لگے گا۔

چنانچہ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں جنرل مصطفٰے کو جنگ کے تیسرے ہی دن بے عزتی کے ساتھ کمانڈ سے بھی ہٹا دیا گیا۔ جنرل مصطفٰے کی تمام تر تجاویز، تب ہی کامیاب ہو سکتی تھی۔ کہ ان کی فوج کو فضائی فوج ایک "چھاتہ" دیتی۔ ورنہ بے آب و گیاہ علاقہ میں دشمن اُن کی وہ دُرگت بنا سکتا تھا، جو اس نے بنائی۔ ہماری فضائی فوج نے سرے ہی سے ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ اس علاقے کے نزدیک ان کا کوئی ایسا ہوائی اڈہ نہیں جہاں سے ہوائی جہاز اُڑ کر اس فوج کی مدد کریں۔ دراصل بیچ میں ایک ذاتی دشمنی بھی تھی۔ ائیر مارشل رحیم جب ۱۹۶۴ء میں گروپ کیپٹن تھا تو اس کے بھائی لفٹیننٹ غفار عظیم کی جنرل مصطفٰے جو اس وقت کرنل تھے، ان کے ساتھ لڑائی ہو گئی۔ غفار عظیم ہماری یونٹ میں قید تھا اور اس زمانے میں رحیم اپنے بھائی کو ملنے بھی آیا تھا۔ اس دن راقم یونٹ کی کمانڈ کر رہا تھا۔ اور میں نے رحیم کی اس کے عہدہ سے بھی بڑھ کر عزّت کی۔ اور زبانی وہ بڑا ممنون نظر آتا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نظر آ رہا تھا کہ وہ مصطفٰے کے علاوہ مجھے بھی معاف کرنے کو تیار نہ تھا کہ میں نے اس کے بھائی کو پکڑ کر قید کیا تھا اور بعد میں اس کا کورٹ مارشل ہوا تھا۔ اور اس کو فوج سے نکال دیا گیا۔

چنانچہ جیسلمیر کی طرف پیشقدمی کرنے والوں کو جب مدد نہ دی گئی تو ائیر مارشل رحیم یہاں تک کہہ گیا کہ چونکہ ان کو یہ تجویز بتائی نہ گئی تھی۔ اور ہوائی جہازوں کی امداد کے بارے میں پورا DATA یا ضروریات اُن کو نہ دی گئیں تھیں تو وہ کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ جنرل مصطفٰے نے جنرل ہیڈ کوارٹر میں جنرل گل حسن اور جنرل حمید تک سب لوگوں سے بات کی کہ ایمرجنسی بنیادوں پر کچھ کیا جائے۔ تو اُس کو اُلٹا ڈانٹ پڑی کہ اس نے تیاری صحیح نہ کی تھی۔ اور ہوائی جہازوں کی امداد کے کاغذات یا ضروریات بنا کر جی ایچ کیو کو نہ دی گئیں تھیں۔ اس سلسلہ میں جنرل مصطفٰے کو کمانڈ سے بھی ہٹا دیا گیا۔ قصور کس کا تھا۔ اس کی انکوائری ہونا چاہیئے تھی۔ اور جنرل مصطفٰے کو بھی حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے تو بلایا گیا لیکن وہ جواب لکھ کر چلا گیا۔ جو میں نے دیکھا۔

جنرل مصطفیٰ کی صاف گوئی

اس کا جواب دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس نے اوپر والوں کے نااہلی کے علاوہ اپنی غلطیوں کو بھی تسلیم کیا
اور صاف کہا کہ ہم سب قصوروار ہیں اور مجھے صاف صاف کہا" کہ امیر افضل! تم ٹھیک تھے۔ میں بھی ان لوگوں
میں سے تھا جو تمہارا مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن تمہاری اور اچھی باتوں کی وجہ سے۔ تمہاری عزت بھی کرتا تھا۔ اب
یہ کہوں گا کہ تم جو کہتے تھے کہ اسلامی کردار اور اسلامی جذبہ جہاد کے بغیر پاکستان کے حالات نہیں سدھر سکتے
وہ بالکل صحیح بات تھی۔ اپنی یہ تحریک جاری رکھو"

بہرحال جیسلمیر کے محاذ پر بڑی ناکامی ہوئی۔ بلکہ جیسلمیر کی طرف پیش قدمی والی افواج اب وہیں
کر رہ گئیں۔ اور اس قابل بھی نہ تھیں کہ بھارت جو سندھ کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس کو جا کر روکیں
اس کارروائی کو روکنے کے لئے جنرل ٹکا خان کی "حملہ آور" فوج سے پیدل ڈویژن کے دستوں کو وہاں
دفاع کے لئے بھیجنا پڑ گیا۔ اور ہم مغربی پاکستان میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ حاصل کر سکے۔

ڈرامہ کے بڑے کردار

دسمبر ۱۹۷۱ء میں مغربی پاکستان میں جو فوجی کارروائیاں کی گئیں یا کچھ ہوا۔ ان پر تو تبصرہ کیا جا
ہے کہ کیا ہوا۔ لیکن کون کیا چاہتا تھا اور کس کس نے روڑے اٹکائے اس سے ابھی پردے ہٹنے ہیں
ظاہر ہے کہ جنرل یحییٰ تو بالکل ڈرامہ کر رہا تھا اور اس کو انتظار تھا، کہ مشرقی پاکستان والے ہتھیار ڈالیں۔ ا
پھر اس کے لئے مغربی پاکستان میں فائر بندی کا بہانہ بن جائے گا۔ اور وہ مغربی پاکستان کا صدر تو رہے گا
کہ قصور سارا جنرل نیازی کے سر ڈالا جائے گا کہ اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس لئے یحییٰ پورے ملک کی
اکٹھی فائر بندی نہیں چاہتا تھا اور یہی چیز بھٹو بھی چاہتا تھا۔ اور اس مقصد کے لئے دونوں کی قدر
مشترک تھیں اسی وجہ سے یحییٰ نے بھٹو کو اقوام متحدہ میں بھیجا۔ اور اس نے مشرقی پاکستان کے سقوط سے
پہلے کوئی فائر بندی نہ ہونے دی۔ لیکن بھٹو نے گو یحییٰ کے ساتھ وعدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اس کو صدر رکھے گا۔ لیکن
آخری دنوں میں یحییٰ کو معلوم ہو گیا کہ بھٹو نے فوج میں کافی رابطہ پیدا کر لیا ہے۔ اور وہ اس کو صدر نہ
رکھے گا۔

حمید گروپ کی دلجوئی

اس وجہ سے یحییٰ، حمید گروپ کی بھی دلجوئی کر رہا تھا کہ اب ملک ان کو سنبھالنا پڑے گا۔ یعنی مغربی پاکستان

وہ اپنے "سایہ" حمید کے حوالے کر کے خود صدر بن کر عیاشی کرتا رہے گا۔ اس لئے یحییٰ تو وہی چاہتا تھا جو کچھ ہو رہا تھا۔ لیکن آخری دنوں میں فکر مند ضرور ہو گیا۔ لیکن اگر جیسلمیر والی مہم کامیاب ہو جاتی تو اگر یحییٰ نہ بھی چاہتا تو مغربی پاکستان کے حالات ایسے تھے کہ جنرل ہر محاذ پر بھارت کو شکست دے کر ضرور کچھ پیش قدمی کر لیتے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے ایئر مارشل رحیم۔ اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے علاوہ، پاکستان کی فتح کا بھی خواہشمند نہ تھا۔ کہ وہ بھی یحییٰ کا زوال چاہتا تھا۔ اس کی بجائے وہ اصغر خان کو لانا چاہتا تھا لیکن جنرل گل حسن نے اس کو بھٹو کو لانے کے لئے بھی تیار کر لیا تھا۔

جنرل حمید میں اگر ہمت ہوتی، تو وہ جنرل ٹکا خان والی فوج سے ضرور حملہ کراتا۔ لیکن وہ بھی ہمت ہار گیا۔ کہ اول جنرل ٹکا خان کے ایک پیدل ڈویژن کے آدھے سے زیادہ حصہ کو سندھ میں بھیجنا پڑ گیا۔ دوم اس کو معلوم ہو چکا تھا، کہ ہو گا وہ جو جنرل گل حسن چاہے گا، کہ اگر گل حسن اِس حملہ کے حق میں نہ ہوا تو ائر مارشل رحیم فضائی فوج کی امداد نہ میسّر کر سکے گا اور جیسلمیر کی مہم کی طرح یہ بڑی مہم بھی ناکام ہو جائے گی۔

موازنہ

قارئین خود اندازہ لگائیں کہ ایوب لاکھ بُرا سہی لیکن ستمبر ۶۵ میں حالات اتنے خراب نہ تھے۔ کافی وحدت تھی۔ وزارتِ خارجہ نے جو نقصان کرانا تھا، وہ کرا دیا۔ لیکن دسمبر ۱۹۷۱ء میں تو حالات بھی عجیب و غریب رنگ میں تھے۔ جنرل گل حسن۔ کسی کور کمانڈر یعنی لفٹیننٹ جنرل بہادر شیر، یا لفٹیننٹ جنرل ارشاد کے ساتھ بات کرنے کو تیار نہ تھا۔ ہاں جنرل ٹکا خان کے ساتھ بات کر لیتا تھا۔ علاوہ چند ڈویژن کمانڈروں اور افسروں مثلاً جنرل ریاض شمیم، جنرل پچو کریم۔ بریگیڈیئر ایف بی علی۔ بریگیڈیئر اقبال مہدی شاہ اور کرنل آفریدی وغیرہ بھی جنرل گل حسن کے اشارے پر اُوپر والوں کو کچھ دھمکیاں پہنچا رہے تھے کہ وہ ٹھیک کام نہیں کر رہے تھے۔ ہم بھارت پر حملہ کرنے کی بجائے۔ پنڈی پر حملہ کر دیں گے۔ اور حالات ایسے پیدا کئے جا رہے تھے کہ یحییٰ اور حمید دونوں کو چلتا کیا جائے اور بھٹو کو لایا جائے۔ لیکن یحییٰ کو آخری وقت تک تسلّی دی جا رہی تھی کہ بھٹو اس کو صدر رہنے دے گا۔

جنرل نیازی

جنرل نیازی کو ہم لاکھ بُرا کہیں لیکن اس کو اُوپر والوں نے دو تسلّیاں ضرور دی ہوئی تھیں۔ اوّل کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے ہو گا۔ بھارت نے نو ڈویژن فوج مشرقی پاکستان کی سرحد پر

رکھی ہوئی تھی۔ اگر لوگ ہمارے ساتھ ہوتے تو نیازی اور اُس کی فوج بھارتیوں کا مُنہ توڑ کر رکھ دیتے۔ یا اگر علاقہ بھی گنجان آباد نہ ہوتا۔ تو بھی بھارتی فوج کبھی بھی مشرقی پاکستان پر اس طرح قبضہ نہ کر سکتی۔ مشرقی پاکستان میں کیا ہوا اس کا مختصر ذکر آگے آتا ہے۔ لیکن اُوپر والوں کو یہ شک نہ ہونا چاہیئے تھا کہ لڑائی کے پہلے دو ہفتوں میں اگر ہم نے مشرقی پنجاب کے بڑے حصّوں پر قبضہ نہ کر لیا تو مشرقی پاکستان والے زیادہ عرصہ جنگ لڑ سکیں گے اور ایسی صورت میں جنرل نیازی کو کیا کرنا چاہیئے۔ اس کو کہتے ہیں فارورڈ پلاننگ یا فور کاسٹ آف آپریشن جو امن کے زمانے میں جنگی مشقوں کے سلسلہ میں تو ہم کاغذ کے کاغذ بھر دیتے ہیں۔ لیکن اب جب حقیقت تھی تو ہمارے کاغذ خالی نکلے۔ ہمیں جنگ میں کسی جگہ خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تھی۔ دراصل پہلے دن کے ڈرامہ کے بعد اُوپر سے احکام دے دیئے کہ جارحانہ کارروائیوں کو محدود رکھا جائے۔ یہ نیازی اور مشرقی پاکستان میں گھری ہوئی فوج کے ساتھ غداری تھی۔

دوسری تسلّی نیازی کو یہ دی گئی تھی۔ کہ اگر حالات خراب ہو گئے تو چین یا امریکہ ضرور بہ ضرور مدد کریں گے۔ کہ پاکستان نے چین اور امریکہ تعلقات پیدا کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے امریکن بحری بیڑہ ضرور بہ ضرور چاٹاگانگ پہنچ کر کچھ نہ کچھ مدد فراہم کرے گا۔ اور بھلا چین یہ کیسے پسند کرے گا کہ مشرقی پاکستان بھارت کی جھولی میں چلا جائے۔ چنانچہ بھارت نے جب میمن سنگھ کے علاقے یا ڈھاکہ کے شمال میں چھاتہ بردار فوج اُتاری تو بریگیڈیئر قادر نے سمجھا چینی فوج ہماری مدد کو پہنچ گئی ہے۔ اور وہ اُن کو خوش آمدید کہنے گیا جہاں وہ قید ہو گیا۔ جس کے بعد اس کے بریگیڈ کی یونٹیں پتہ نہیں کیسی بُری حالت میں ڈھاکہ پہنچیں۔

سقوطِ ڈھاکہ

قارئین! اب ہم سقوطِ ڈھاکہ کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ پچھلے سارے بیانات پر نظر ڈالیں۔ ہمیں مرنا تو سکھایا نہ گیا تھا اور لڑائی کے ڈر ہمارے دل میں پیدا کئے گئے تھے کہ ہم بھارت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے۔ لیکن اتنے تھوڑے عرصہ میں تین جنگیں ہو چکی ہیں اور شاید فیصلہ کن جنگ ابھی باقی ہے۔ تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ ملک کا بچہ بچہ بنیان المرصوص بن کر بھارت کے ساتھ مقابلہ کرتا۔ لیکن مشرقی پاکستان میں ہمارے بنگالی مسلمان، بھارتی فوج کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ وہ اُن کی بکتر بند گاڑیوں پر سوار ہو کر بنگلہ دیش کے نعرے لگا رہے تھے۔ ستمبر ۶۵ء میں کچھ نہ کچھ وحدت تھی تو اللہ تعالےٰ نے عزت رکھ لی۔ اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ فرما گئے تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن جب اپنے اندر تفرقہ

ہوگا تو پھر ذلت سے نہ بچ سکو گے تو دسمبر ۱۹۷۱ء میں یہ بات پوری ہو گئی۔

مشرقی پاکستان کی جنگ

بھارت نے مشرقی پاکستان کے خلاف کئی محاذ کھولے اور اس کو ہر محاذ پر بڑی کامیابی ہوئی کہ اکثر مقامات پر مکتی باہنی والے اور بھارتی ہماری افواج کے پیچھے پہنچ جاتے تھے۔ جیسور محاذ پر تو تماشہ ہی بن گیا۔ بنیاپول۔ ستیخرہ۔ چواڈنگہ۔ کھلنا ہر جگہ سے بھارتی پیشقدمی کر رہے تھے اور جنرل انصاری اپنے دو بریگیڈوں پر بھی مکمل کنٹرول نہ کر سکتے تھے۔ بریگیڈیر محمد حیات ایک طرف جا رہا تھا اور بریگیڈیر منظور اور ڈویژن ہیڈکوارٹر کے درمیان بھارتی پہنچ گئے۔ راقم نے جولائی ۱۹۷۱ء میں جنرل شوکت کے زمانے میں یہ علاقہ دیکھا تھا۔ اور جنرل شوکت رضا، جواب دے چکا تھا کہ علاقہ کو سنبھالنا اس کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے اس کی جگہ جنرل انصاری کو بھیجا گیا۔

جنرل شوکت رضا کی خوشی

جنرل نیازی اور جنرل شوکت رضا کے درمیان کیا اختلافات تھے۔ میں اس تفصیل میں نہ جاؤں گا۔ لیکن سقوطِ مشرقی پاکستان کے وقت مغربی پاکستان جنرل ہیڈکوارٹر میں اگر کسی آدمی کے چہرہ پر مسکراہٹ تھی تو وہ جنرل شوکت رضا تھا۔ اور اس نے احساسِ زیاں کا مظاہرہ بھی نہ کیا۔ اور اس کو یہ بھی افسوس نہ ہوا، کہ اُس کے ساتھی بھارت کے قیدی بن رہے ہیں۔ مانتے ہیں کہ جنرل شوکت، حالات کو پہلے بھانپ گیا ہوگا۔ یا حالات اس کے بس سے باہر تھے۔ لیکن اپنے ماتحتوں کے ساتھ بھی کچھ وفاداری تو ہوتی ہے۔ جنرل شوکت بھی چونکہ جنرل گل حسن کی طرح، غیر شادی شدہ تھا، اس لئے بیوی یا اولاد نہ ہونے کی وجہ سے شاید یہ دونوں صاحبان، اپنے جونیئرز سے ہمدردی والی بات سے مبرّا تھے۔

راجشاہی کا محاذ

بہر حال نٹور اور راجشاہی محاذ پر حالات اتنے خراب نہ تھے اور یہی حالت رنگ پور۔ سید پور میں تھے۔ کہ ہلی (ہلی ہلی) کو چھوڑ کر شمالی بنگال میں ہماری افواج کسی ایک آدھ مقام پر اکٹھی ہو کر کئی دن تک دفاع کرنے کے قابل تھیں۔ سلہٹ محاذ پر بھی حالات قابو میں تھے اور میمن سنگھ محاذ پر چھاتہ فوج کے اُترنے سے پہلے حالات اتنے خراب نہ تھے۔ لیکن فینی اور کومیلا کے محاذ پر حالات کافی خراب تھے۔ برہمن باڑیہ اور باقی کچھ اُوپر والے علاقوں میں شدید جھڑپیں ہوئیں۔ اور بعض مقامات پر ہمارے مجاہدین نے دشمن کو سخت

نقصان پہنچایا۔ لیکن ہوائی فوج دو دن کے بعد ختم ہو گئی تھی اور بھارتی ہوائی جہاز اپنی مرضی سے جس جگہ چاہتے بم باری کر سکتے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جگہ جگہ مکتی باہنی والے موجود تھے اور ہمارے ہر ہیڈکوارٹر کے بارے بھارت کو خبر دے دیتے تھے کہ وہ وہاں ہے۔ جنرل نیازی کو اپنا ہیڈکوارٹر کئی دفعہ تبدیل کرنا پڑا۔ لیکن تبدیلی کی خبر بھارت کو جلد پہنچ جاتی تھی اور نئی جگہ جہاز پہنچ جاتے۔

گورنر عبدالمالک

گورنر عبدالمالک ریڈکراس میں پناہ لے چکا تھا اور مغربی پاکستان والوں نے مشرقی پاکستان کی جنگ کے معاملات یا صلح کے معاملات جنرل نیازی پر چھوڑ دیئے۔ اور راقم تو خبروں کو کنٹرول کرنے کی ذمہ داری پہلے ہی دن سے بریگیڈیئر باقر صدیقی کے حوالے کر چکا تھا۔ اب ساری حکومت کو پتہ چلا کہ مشرقی پاکستان کے دفاع کے سلسلہ میں اُن کی تمام تر سوچیں غلط تھیں۔ دفاع کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ اصل چیز سیاسی فلسفہ ہے جس کے تحت قوم میں وحدت ہونا چاہیئے۔ لیکن کون یاد کرتا کہ ایک معمولی میجر نے ڈیڑھ سال پہلے بتا دیا تھا کہ جنرل یحییٰ کا چھاتہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اور اب بھی اس طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اب مکمل وضاحت تو جنرل نیازی کو از خود کرنا چاہیئے۔ لیکن وہ کیا وضاحت کر سکتا ہے۔ جنرل نیازی اور راقم دونوں کا پرانا دوست جنرل مصطفےٰ اور جیسلمیر کے محاذ پر ناکام ہونے والا جنرل بہترین الفاظ میں وضاحت کر گیا تھا۔ کہ ذلیل ہیں۔ بے غیرت ہیں۔ اور اپنے کئے کی سزا ملی ہے۔

ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
براں صفت تیغ دو پیکر نظر اس کی

ہتھیار ڈالنا

مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے یا نہ ڈالنے کے سلسلہ میں بحث لمبی ہو سکتی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ جنرل نذر حسین شاہ، بریگیڈیئر تجمل۔ متعدد کرنل اور سینکڑوں میجر ہتھیار نہ ڈالنا چاہتے تھے اور اگر ان لوگوں کو جنرل نیازی کی طرف سے رہنمائی مل جاتی کہ فلاں رُخ بچ نکلنے کی متحدہ کوشش کی جائے تو کم از کم پچاس ساٹھ ہزار فوجی صحیح سلامت نکل آتے۔ بلکہ بھارت بھی شاید باقیوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہ کرتا۔ تو عزت تو رہ جاتی۔ میں نے ایک مغربی اخبار نویس کا بیان پڑھا، کہ روس چاہتا ہے کہ بھارت ۲۰ دسمبر سے پہلے ڈھاکہ پر قبضہ کر لے۔ کہ روس والے زیادہ عرصہ جنگ کو جاری رکھنا نہ چاہتے تھے کہ بین الاقوامی

حالات بگڑ سکتے ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ روس والوں نے یحییٰ خان کو تنبیہہ کی کہ وہ مغربی پاکستان سے بھارت پر حملہ مہیا کر دے ورنہ وہ بھارت کی امداد کریں گے۔ اور اس وجہ سے یحییٰ خان ڈر گیا۔ اگر کوئی ایسی بات تھی تو یحییٰ خان غیرت کا مظاہرہ کرتا اور اعلان کرتا کہ ہم مٹ جائیں گے لیکن ہمیں روس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد تو کہتے تھے کہ وہ موت کے ساتھ اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی باقی لوگ زندگی کے ساتھ۔ اور اس کا ایک موقع تھا۔ لیکن افسوس کہ ہم نے گیدڑوں والی زندگی کو پسند کیا۔ لڑائی کے دنوں میں ایک روسی جہاز کو دہلی جانے کے لئے اپنی فضاؤں سے گذرنے کی اجازت دی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ روس اور امریکہ میں کوئی خفیہ سمجھوتہ ہوا جس پر عمل کرانے کے لئے روسی وفد دہلی پہنچا۔ اس کے ایک آدھ دن بعد مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال دیئے گئے۔ دو دن بعد اندرا گاندھی نے مغربی پاکستان کے لئے بھی غیر مشروط فائر بندی کی پیش کش کر دی۔ جنرل یحییٰ نے منظور کر لیا۔ یہ سب کچھ اقوام متحدہ سے باہر باہر ہوا۔ کیا یہ سب، سازش یا ڈرامے کی کڑیاں تھیں؟

جہانِ مغرب کے بتکدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہیں عقلِ عیار کی نمائش!

مغربی پاکستان میں کیا ہوا

اب مغربی پاکستان میں کیا ہوا۔ ایک آواز اٹھی کہ مغربی پاکستان کا لیڈر اب ذوالفقار علی بھٹو ہے۔ اور وہ آ کر ملک کی باگ ڈور سنبھال لے۔ متعدد اسلام پسندے اور تمام سیاسی لیڈر اس پر متفق تھے۔ کہ فوج اب بارکوں میں جائے اور حکومت مغربی پاکستان کے منتخب لیڈر مسٹر بھٹو کو دی جائے۔ ملک کی ہر اخبار یہی کہہ رہی تھی۔ یعنی قوم نے "بنگلہ دیش" کو تسلیم کر لیا۔ ابھی بھی وقت تھا کہ حکومت نورالامین کے حوالے کر دی جاتی تو شاید دونوں علاقوں میں کچھ رابطہ قائم رہتا۔ لیکن نورالامین شاید تیار نہ ہوتا۔ پھر اس کو بھی حکومت یا فوج کی مدد سے کرنا پڑتی یا بھٹو کی پارٹی کی مدد سے۔ یا چند اُن بنگالیوں کی مدد سے جو مغربی پاکستان میں موجود تھے۔

ایوب ہال میں میٹنگ

البتہ فوج میں ایک گروہ تھا جو بھٹو کو حکومت دینے کے حق میں نہ تھا اور ان کی تجویز تھی کہ بھٹو کو پاکستان بلا تو لیا گیا ہے جیسے ہی وہ پشاور پہنچے اُس کو گرفتار کر لیا جائے۔ اور حکومت جنرل حمید گروپ

سنبھال لے۔ چنانچہ اس گروپ نے ایوب ہال میں ایک میٹنگ بلائی جس میں راولپنڈی چھاؤنی کے تمام
کے افسران کو مدعو کیا گیا۔ کہ حالات کا جائزہ لیں اور جنرل حمید۔ معصوم بن کر سٹیج پر آ کر کھڑے ہو گئے کہ
راہِ عمل سوچیں۔ لیکن بھٹو گروپ فوج پر چھا چکا تھا اور جنرل گل حسن نے جگہ جگہ آدمی دوڑائے کہ " سر
یا جو بات کر سکتے ہیں وہ جنرل حمید سے جواب طلبی کریں اور اس کی نالائقیاں بیان کریں۔ چنانچہ راقم کو
کیا جا رہا تھا۔ اور کئی افسر میرے پاس آئے کہ ایوب ہال میں جنرل حمید کی وہی گت بنائی جائے جو
اور جنرل یحییٰ کی ستمبر ۱۹۷۰ میں بنا چکا تھا۔

لیکن مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ بریگیڈیئر اختر علی۔ کرنل افتخار حتیٰ کہ بریگیڈیئر فضل رزاق جیسے لوگ
تیار کیا گیا کہ جنرل حمید پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیں۔ اختر علی۔ اور افتخار تو مسلمان قسم کے سچے آدمی تھے
ساتھ میجر منہاس بھی مل گیا۔ لیکن سوالوں کی بوچھاڑ کرنے والوں میں کئی لوگ از خود ایسے ویسے
اور ایوب ہال میں وہ ہنگامہ مچا کہ جنرل حمید کے "آنسو" اور "ندامت" بھی مددگار نہ ثابت ہو سکے۔
مگر مچھ کے آنسو تھے۔ لیکن اب راقم سے صبر نہ ہو سکا۔ اور جنرل حمید سے سوال کرنے کی بجائے میں نے
ہال کے افسروں پر سوال کر دیا۔

راقم کی مجبوری

" سنو میرے بھائی افسران! آج سے ڈیڑھ سال پہلے اِسی ہال میں راقم نے جنرل یحییٰ اور جنرل
کو کہا تھا کہ وقت آنے والا ہے کہ تمہارا چھاتہ پاش پاش ہو جائے گا۔ آپ میں سے ستّر فیصد لوگ اس
بھی اس ہال میں موجود تھے۔ افسوس کہ میرے حق میں ایک آواز بھی نہ اُٹھی۔ آج یہ چھاتہ پاش
ہو گیا ہے تو سب لوگ "شیر" بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ کچھ لوگوں نے ربط وضبط کو بھی ہاتھوں سے چھوڑ دیا ہے
جنرل حمید چونکہ شکست خوردہ ہے یا جانے والا ہے اس لئے اس پر برس رہے ہو۔ خدارا ربط و
اختیار کرو کہ کوئی سنجیدہ بات کریں۔ کہ کیا ہم اس ملک کو اسلام کے راستے پر لگا کر بچا سکتے ہیں "

یہ کہنے کے بعد۔ میں جنرل حمید کے ساتھ عزت کے الفاظ سے مخاطب ہوا۔" کہ جناب تاشقند کا
راز آج فاش ہو گیا ہے کہ ملک دو لخت ہو ہی گیا۔ سُنا ہے اس رہے سہے ملک کو سنبھالنے والا (
مطلب بھٹو سے تھا) چند لمحوں میں پشاور پہنچنے والا ہے۔ اب آپ اس کا انتظار کریں گے ا
اس کا حکم مانیں گے۔ یا کچھ اور سوچ بچار کر کے ملک کے لئے کوئی راہ نکالو گے۔

نوٹ: یہ کہ حمید نے اپنے کپتان بیٹے کو تو بلوچ پلٹن کے ساتھ محاذ پر جانے سے روک کر گھر بلا لیا تھا۔"

دسواں باب

بھٹو کے لئے تخت بھی اور تختہ بھی

تاشقند کا راز

قارئین بھٹو کے لئے تو تاشقند کے راز کی کہانی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن ہمارے لئے جاری ہے۔ اور ابھی کئی امتحان ہیں۔ بھٹو کا تاشقند کے راز سے مقصد تخت تھا جو اس کو مل گیا۔ اس نے اپنے دوست یحییٰ کو بھی چلتا کیا۔ کہ پشاور سے ائیر مارشل رحیم کی حفاظت میں وہ پنڈی پہنچا۔ یہاں پر جنرل گل حسن نے فوج کا کنٹرول سنبھالا ہوا تھا۔ اخبار نویس اور تمام سیاست دان اُس کے ساتھ تھے۔ فوج ذلیل ہو چکی تھی، اب قوم کو خیال تھا کہ بھٹو جیسا چالاک آدمی ہی ان کو بچا سکتا ہے۔ کہ وہ ڈھائیں مار مار کر مسجدوں میں رو رہے تھے۔ نوّے ہزار نوجوان قیدی تھے۔ ایسا کون سا گھر تھا جس میں غم نہ چھایا ہوا ہو۔ بھٹو اب طاقتور تھا۔ اس لئے وہ خود مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بھی بن گیا۔

نجومیوں کا کردار

اُوپر کی سطح پر نجومی بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی نجومی یا ہندو سادھو نے بھٹو کی ماں کو بتایا تھا کہ اس کے پیٹ سے ایک ملک کا بادشاہ پیدا ہوگا۔ لیکن بادشاہ بننے کے لئے اس کو محنت بہت کرنا پڑے گی اور بڑے پاپڑ بیلنے ہوں گے۔ چنانچہ تاشقند کے راز کا شوشہ بھی بھٹو کے لیے ایک "پاپڑ" تھا۔

گگھڑ بابا

لیکن ہمارے ہاں بھی ایک گگھڑ بابا تھا۔ اگست ۱۹۷۱ء میں جب راقم مشرقی پاکستان سے واپس آیا تو میرے دوست بریگیڈیئر اسلم نیازی نے مجھے کچھ تحفہ دیا کہ میجر عجائب سے پوچھ کر یہ گگھڑ بابا کی خدمت میں پیش کر دینا کہ وہ میجر رحمٰن کے ساتھ اُن کے پاس آتا رہتا ہے۔ چنانچہ میں واپسی سے دوسرے دن ہی تحفہ کے ساتھ میجر عجائب کے پاس پہنچا کہ اتنے میں گگھڑ بابا اور میجر رحمٰن بھی آ گئے۔ میں حیران ہو گیا بہرحال لوگوں نے مجھ سے مشرقی پاکستان کی باتیں پوچھنا شروع کر دیں اور بات بڑھی تو بابا صاحب کہنے لگے کہ دیکھ رہا ہوں کہ خداداد پر جو جھنڈا ہے وہ اُتر گیا ہے۔

بابا صاحب کا مطلب جنرل خداداد سے تھا جو اُن کا گھڑ بھائی تھا اور کسی زمانے میں بہت زیادہ
کی طرف مائل تھا۔ بہر حال ہم نے بابا صاحب کو عرض کی کہ ظاہر ہے یحییٰ جانے والا ہے اور یہی بھر
خداداد پہ ہے۔ لیکن بابا۔ دعا کریں کہ خدا ہمیں مجیب اور بھٹو جیسے غداروں سے بچائے۔
بابا نے کہا کہ "مجیب کے لئے گولی اور بھٹو کے لئے پھانسی"۔ اور پھر بابا نے بات تبدیل کر دی۔

جلد بازی

اس بات کے چار ماہ بعد بھٹو تخت پر بیٹھ گیا اور مجیب کو تخت پر بٹھانے کے لئے رہا کر دیا
جلد باز لوگ کہنے لگے کہ بابا نے ہمیں خوش کرنے کے لئے یہ سب کچھ کہا ہوگا۔ بہر حال بھٹو تخت
براجمان تھے اور مسٹر برکی، پاکستان ٹائمز میں فوج کی ایسی کی تیسی کر رہے تھے۔

فوج میں تبدیلیاں

فوج میں بے پناہ تبدیلیاں آچکی تھیں۔ اور کئی جنرل نکالے جا چکے تھے۔ سقوطِ مشرقی پاکستا
خوشی منانے والے جنرل شوکت رضا بھی جا چکے تھے۔ جنرل حمید، جنرل خداداد، جنرل مٹھا، جنرل کب
جنرل عمر، جنرل مصطفےٰ وغیرہ متعدد جرنیلوں کو چھٹی ہو چکی تھی۔ جنرل گل حسن کمانڈر انچیف تھے۔ بریگ
اقبال عارضی چیف آف دی جنرل سٹاف اور میرے دیرینہ دوست بریگیڈیئر غلام حسن، ڈائریکٹر ملٹر
اینٹیلیجنس۔ بریگیڈیئر حسن سے راقم نے کہا کہ خدارا گل حسن کو کہو کہ کیا فوج کی بے عزتی کرانے
لئے وہ لوگ بھٹو کو لائے تھے۔ اس ملک کا کیا ہوگا، جب فوج کی اِس قدر بے عزتی ہو گی جو بھ
اور اس کے حواری کر رہے ہیں۔

بھٹو ایوب ہال میں

جنرل گل حسن خود بھی یہ محسوس کر چکا تھا، اس لئے بھٹو کو بلایا گیا کہ فوج والوں کو تسلّی د
بھٹو نے آکر ایک تقریر کی کہ میں فوج کے خلاف نہیں وغیرہ۔ اور یہ کامیاب تقریر تھی۔ لیکن پھر
میجر منہاس کی قسم کے لوگوں نے، شراب اور نالائق لوگوں کو فوج سے نکالنے کے بارے بہت سوال
کئے، جن کا بھٹو کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ راقم نے بھی سوال پوچھا "کہ صدر صاحب۔ آپ کی
پالیسی تو ہم جانتے ہیں۔ آپ کا سیاسی فلسفہ کیا ہے؟"
بھٹو حیران ہو گیا کہ آج تک کسی سیاستدان نے اُس سے یہ سوال نہ کیا۔ اور اس کو معلوم ہو گ

سوال میں گہرائی ہے کہ یہ افسر دوسرے لفظوں میں مجھے کہہ رہا ہے کہ تمہارا کوئی سیاسی فلسفہ نہیں ہے۔
بھٹو کچھ تھتھیایا ضرور لیکن سنبھل گیا اور کہنے لگا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ میرا سیاسی فلسفہ
اسلام ہے۔
پورا ایوب ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ لیکن جب تالیوں کی صدا کم ہوئی تو میں نے کھڑے ہو کر کہہ دیا۔
صدر صاحب شکریہ! خدا کرے ایسا ہو، پر ایسا لگتا نہیں۔ آپ لوگوں کے جذبات سے کھیل رہے ہیں انشاءاللہ
اسی ہال میں چند ماہ بعد میری باری آجائے گی۔"

جلد موقع

اللہ تعالیٰ نے یہ موقع جلدی دے دیا کہ بھٹو اور گل حسن کی چل گئی۔ اور بھٹو کو معلوم ہو گیا کہ تخت پر بہت کانٹے ہیں۔ فوج مکمل طور پر اس کے اشاروں پر نہ ناچے گی۔ اس کے سیاسی دشمن بھی کافی ہیں۔ ان کو دبانے کے لئے اس کو فوج کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے فروری ۱۹۷۲ء میں اس نے ایوب ہال میں ایک اور اجتماع کیا۔ راقم کے دوست میجر عجائب کو معلوم تھا کہ میں اب کوئی لگی لپٹی نہ چھوڑوں گا اس لئے وہ میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ بھٹو نے رام کہانی سنائی اور کچھ ڈراوے بھی دیئے۔ اور سوالوں کی اجازت دیئے بغیر ہال سے جانا چاہا۔ کہ اس کے تمام وزیر اور مشیر بھی اُس کے ساتھ تھے۔ لیکن راقم کھڑا ہو گیا اور عرض کی کہ جناب آپ اس طرح نہیں جاسکتے ٹھہر جائیں۔ ہم نے سوال پوچھنے ہیں۔ وہ رُکا اور ایک سوال ڈاکٹر جنرل ایوب نے پوچھ لیا پھر راقم کی باری تھی۔ اور عرض کی:۔
"جناب صدر صاحب۔ کہاں ہے آپ کا اسلام، یہ شراب، یہ ناچ، یہ گانے، یہ قوم میں تفرقہ، یہ آپ کے جاری کیا نہیں ہو رہا ہے۔ اور ہاں آپ تو سیاسی لیڈر ہیں۔ اپنے سیاسی فلسفہ سے حکومت کریں یہ ایوب خان اور یحییٰ کی طرح بندوق ہمارے کندھے پر رکھ کر کیوں حکومت کر رہے ہو۔"
"اور ہاں آپ تو جمہوریت کی پیداوار ہیں گو علامہ اقبال کے بقول آپ نے اپنے ارد گرد دو صد خر (گدھے) اکٹھے کئے ہوئے ہیں تو جمہوریت کو جاری کریں اور پھر دیکھیں کس طرح حکومت ہوتی ہے۔ اور جناب صدر صاحب! آپ کا وزیر پیرزادہ کہتا ہے کہ شراب تو مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ قوم سقوطِ مشرقی پاکستان، ٹی وی پر ضرور دیکھے۔ کہ یہ حقیقت ہے۔ اور اس المیہ کے ذمہ دار تم سیاستدان ہو۔ اور فوج کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔
"جناب صدر صاحب۔ کچھ حقیقتیں بڑی تلخ ہوتی ہیں۔ اور انسان ان کو نہیں سننا چاہتا کہ مسٹر پیرزادہ

اپنے والد اور اللہ بخش سومرو کے تعلقات کی کہانی سننا پسند نہ کریں گے۔" وغیرہ اور پرانے واقعات اور مسودوں کی بات دہرائی۔

"صدر صاحب! آخری سوال جو پچھلی دفعہ آپ نے اسلام کو اپنا سیاسی فلسفہ کہہ کر اس ہال میں تالیاں بجوائیں۔ اب ذرا بتا دیں کہ آپ نے اُس پر کتنا عمل کیا ہے یا عمل کرنے کے لئے کیا پروگرام بنایا ہے"۔ خدارا میں تو اس فوج میں نہیں رہ سکتا جس کی اتنی بے عزتی ہو رہی ہے۔ اور میرے فوجی بھائیوں کو میرے سمیت ندامت ہونا چاہیئے کہ علامہ اقبالؒ ہمارے لئے ہی کہہ گئے تھے۔

" میں نے اے میر سپہ، تیری سپہ دیکھی ہے
قُل ھو َواللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام "

اور لوگوں کو غیرت دلانے کے لئے علامہ اقبالؒ کے کئی شعر پڑھ دیئے۔

بھٹو کھسیانا ہو گیا۔ تھتھیایا اور کہنے لگا بھارتی فوج بھی شراب پیتی ہے اور انہوں نے ہمیں شکست دی۔ میں تھک جاتا ہوں تو تھوڑی شراب پی لیتا ہوں اور پیرزادہ حفیظ کے والد پیرزادہ عبدالستار بعد میں ٹھیک ہو گئے تھے۔ اور میجر امیر افضل! میں بھی تاریخ کا طالبعلم ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تاریخ میں میرا کوئی مقام ہو۔ اس لئے ٹھیک کام کروں گا"

مجبوراً مجھے دوبارہ کھڑا ہونا پڑا اور عرض کی۔ کہ جناب مسلمان تاریخ کی پرواہ نہیں کرتا۔ اُس کا فلسفہ حیات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو کیا جواب دے گا"

اب جنرل گل حسن اور جنرل رحیم نے کچھ ہاتھ جوڑے کہ میں بس کر دوں تو ایوب ہال جس پر سناٹا چھایا تھا۔ وہاں سے بھٹو بڑی مشکل سے نکل کر وہاں پہنچا جہاں اس نے سینئر افسروں کے ساتھ چائے پینی تھی۔

بھٹو کے ساتھ چائے

برگیڈیئر اقبال اور برگیڈیئر حسن مجھے بھی وہاں لے گئے اور تلخی کو کم کرنے کے لئے جنرل شریف نے کہا "امیر افضل۔ شراب میں کیا خرابی ہے لسّی نہیں پیتے"۔

راقم "جناب حضور پاکؐ نے فرما دیا کہ حرام ہے۔ تو یہ بات بحث کے قابل نہیں۔

جنرل گل حسن "امیر افضل! مجھے کون سا کاغذ دیا تھا۔

راقم "آپ کے جی ٹو کو دیا تھا۔ لیکن ایک تو آپ کو دیا تھا۔ جس میں کہا تھا کہ اگلی جنگ آپ لوگ ایک

ہفتہ لڑیں گے۔

جنرل آفتاب۔" امیر افضل! مجھ سے تو ناراض نہیں میں تو لڑائی میں آپ کا بریگیڈ کمانڈر تھا۔"

راقم۔" میں تو کسی سے بھی ناراض نہیں۔ صرف حق بات کرتا ہوں۔"

ویسٹرزئی کا قادیانی بریگیڈیئر۔" امیر افضل! تم علامہ اقبالؒ کے مداح ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ بھی شراب پیتا تھا۔"

راقم۔" بریگیڈیئر صاحب۔ آپ صدر بھٹو کو خوش کر رہے ہیں۔"

صدر بھٹو نے، گل حسن سے کہا۔ میں میجر امیر افضل کی صاف گوئی اور علم پر اُس کو داد دیتا ہوں۔ اور پھر پیرزادہ حفیظ کو بُلایا۔ اور کہا کہ میجر امیر افضل سے معافی مانگو۔ مشرقی پاکستان کے سقوط کی فلم اب ٹی وی پر نہ دکھائی جائے گی۔

اتنے میں دفاعی سیکرٹری غیاث الدین آگیا اور کہنے لگا۔ "میجر امیر افضل آپ کی تعلیم کہاں تک ہے کہ ہم آپ جیسے افسر کو محکمہ تعلقاتِ عامہ کا ڈائریکٹر بناتے۔"

راقم نے عرض کی۔ "علم، حضور پاکؐ کے قدم ہیں۔"

اور یہ مجلس برخاست ہوگئی۔ آگے لمبی کہانی ہے۔

لیکن گگھڑ بابا والی بات بھی صحیح نکلی۔ مجیب کے لئے گولی تھی اور بھٹو کے لئے پھانسی لیکن افسوس! ہم نے کوئی سبق نہ سیکھا۔

گیارھواں باب

علاج کیا ہے؟

قارئین! اگر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ پر علاج وارد نہیں ہوتا تو اپنے قلب کا علاج کرائیں۔ البتہ اشارے کر دیتا ہوں۔

۱۔ علم حضور پاکؐ کے قدموں سے حاصل کریں۔ اور ہمارے معاملات کا حل یہ ہے کہ حضور پاکؐ کی غلامی اختیار کریں۔

۲۔ پوری قوم اللہ کی فوج ہے۔

۳۔ غیروں کے فلسفوں کو بحیرہ عرب میں ڈبو دیں۔

اگر زیادہ سمجھنا چاہتے ہو تو انتظار کریں کہ حضور پاکؐ کے جلال و جمال کی کتاب کا مسودہ تیار ہے۔ اس میں نشانِ راہ تلاش کریں۔

۴۔ خلفاءِ راشدین کی عملی زندگی پر چار کتابیں۔ اور حضور پاکؐ کے جلال پر ایک کتاب موجود ہے۔ ان میں عملی اسلام کی جھلک ہے۔

۵۔ اگر زیادہ ضرورت ہے تو وہ مسودہ بھی تیار ہے کہ اسلام کا نظام حکومت کیا ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات، اسلام کا سیاسی فلسفہ اور دفاعی فلسفہ کیا ہے۔ اس مسودہ میں وہ کچھ ہوگا جو ہماری اخباروں میں پچھلے چالیس سالوں میں بہت کم نظر آیا۔ اور یاد رکھیں کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنائے ہوئے ملک میں نہ جھوٹے نبی کا مرکز ہو سکتا ہے۔ اور نہ قادیانیوں کا کوئی اجتماع، یہ گنہگار تو اس قافلہ کی تلاش میں ہے، جس کو علامہ اقبالؒ بھی تلاش کرتا گیا۔

کونسی وادی میں ہے کونسی منزل میں ہے

عشق بلاخیز کا قافلۂ سخت جان

قارئین گلہ کریں گے کہ کہانی نامکمل ہے اور پچھلے بارہ یا تیرہ سال کیا ہوا۔ اس پر سے بھی پردہ ہٹایا جائے۔ بلکہ لوگ کہیں گے کہ میں نے سرکاری راز ظاہر کر دیئے اور مجھ پر مقدمہ چلنا چاہیئے۔ یہ وہ لوگ

گے جنہوں نے ساری عمر جھوٹ کے پردے کے پیچھے اس ملک کو لوٹا ۔ یا اپنی شخصیت کے گرد قلعے بنا
رکھے ۔ لیکن جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ قلعے ایسے تھے جن کی بنیادیں ریت پر تھیں اس لئے
پردے خود بخود ہٹ گئے اور یہ قلعے مسمار ہو رہے ہیں ۔

میں دعوے کرتا ہوں ، کہ میں نے کوئی سرکاری راز افشا نہیں کیا اور مجھے بڑی خوشی ہو گی ، کہ کوئی
اس سلسلہ میں میرے خلاف مقدمہ کریں ۔ میں اس سلسلہ میں ۱۹۷۹ میں ایک پمفلٹ بھی جاری کر
ہوں ۔ میں نے تو صرف وہ کچھ لکھا ہے ، جس کے بارے قوم کے سامنے غلط کہانیاں پیش کی گئیں اور
نے سچ اور تصویر کا دوسرا رُخ پیش کیا ہے ۔ اس لئے مجھ پر مقدمہ نہیں چل سکتا ۔ ہاں ۔ بعض جگہ
کچھ جائزے یا تبصرے بھی پیش کئے ہیں ۔ جو حرفِ آخر نہیں ۔ اور اگر کوئی صاحب میرے پیش کردہ وا
جائزوں اور تبصروں میں سے کسی حصہ کو غلط ثابت کرے تو میں اس کا شکر گزار ہوں گا اور اپنی کتاب
تصحیح کروں گا ۔

علاوہ میں نے صرف وہ کچھ لکھا ہے جس کے ثبوت میرے پاس موجود ہیں ۔ ویسے میں بہت کچھ
ہوں ۔ لیکن قانونی طور پر ایسی کئی باتوں کے میرے پاس ثبوت مکمل طور پر موجود نہیں یعنی ہمارے قانون
کا پرائمری ایویڈنس مکمل نہیں اور ثانوی شہادتوں کے تانے بانے ملانے مشکل ہو جاتے ہیں اس لئے
ضرور نامکمل ہے ۔ علاوہ میں نے بھٹو دور اور موجودہ مارشل لاء حکومت کے بارے کچھ نہیں لکھا ۔ اس
کئی وجوہات ہیں ۔ اول بھٹو کے دور میں فوج کو چھوڑنے کی وجہ سے اور بعد میں فوج میں چلے جانے
بعد بھی میں نے معاملات کو بہت دور سے دیکھا ۔ اور پچھلے دس بارہ سالوں میں عینی شاہد نہ تھا ۔ البتہ
اتنا ضرور معلوم ہے کہ بھٹو جب حکومت میں آگیا ، تو اس کو خیال ہوا کہ مغربی پاکستان میں ایک مضبوط حکو
بنائی جائے ۔ گو وہ وہاں تک نہ پہنچا کہ ایسی حکومت کی بنیاد اسلام پر ہو ۔ بہر حال اس سلسلہ میں مسٹر بھ
نے میرے دیرینہ دوست بریگیڈیئر صاحب داد سے جو باتیں کیں اور کچھ عملی کام کئے ، ان سے پردہ کسی من
وقت پر اُٹھایا جائے گا ۔

علاوہ دانستہ یا غیر دانستہ بھٹو کے ہاتھوں سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جاتے کا سہرا بھٹو
لئے ایک عظیم تحفہ ہے ۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میری اندرونی آواز مجھے کہہ رہی تھی ، کہ بھٹو کو صراطِ مستقیم
لانے کی کوشش کرو ۔ اگر وہ اسلام کو سمجھ جائے اور اس کے لئے ایسا کرنا آسان تھا ، تو پاکستان ۔

کا قلعہ بن سکتا تھا کہ بھٹو میں بے شمار صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔

چنانچہ راقم اور میرے ایک کرم فرما کرنل شیر محمد نے بھٹو کے ملٹری سیکرٹری جنرل امتیاز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش بھی کی۔ امتیاز۔ عہدہ کے لحاظ سے مجھ سے کچھ جونیئر اور میرا ہم عصر رہا تھا اور مجھے بڑا بھائی کہتا تھا۔ کرنل شیر محمد کے ماتحت اس نے نوکری کی تھی۔ لیکن ہمارا یہ رابطہ بھٹو کے ساتھ قائم نہ ہو سکا۔ بہر حال جب بھٹو کے خلاف تحریک چلی تو اتحاد کے ہمدرد اخبار نویسوں، کو میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ کہ وہ غلطی پر ہیں اور اس کا وہ خمیازہ بھگتیں گے۔ وہ کوشش کر کے بھٹو کو صراطِ مستقیم پر لائیں اور اتحاد کو بھی مکمل اسلامی ادارہ بنائیں۔ اتحاد منفی بنیادوں پر تھا۔ اور ایسا اتحاد بے مقصد ہوتا ہے کہ اتحاد بھٹو کو حکومت سے ہٹانے پر تھا۔ آگے کیا ہوگا؟ یہ طے نہ تھا۔ اور یہی ہمارا قومی المیہ ہے ان دنوں بھٹوازم کے وفادار لوگ اور میرے دیرینہ دوست کرنل مسعود کی طرح کے لوگ بھی میرے نزدیک آگئے۔ کہ ان کو خیال ہوا کہ میری ہمدردیاں بھٹو کے ساتھ ہیں۔

بہر حال بھٹو کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس سلسلہ میں راؤ رشید کی کتاب میں کافی سچی باتیں ہیں اور راقم کو اتنا معلوم ہے کہ بھٹو نے امریکنوں کو صاف صاف کہہ دیا کہ وہ فلاں حد تک اُن کے ہاتھوں میں رہ سکتا ہے۔ لیکن آگے نہ جا سکے گا۔ اور وہ کسی طرح امریکنوں کو یہ یقین دہانی کرانے کو تیار نہ تھا۔ کہ وہ ایٹم بم نہ بنائے گا۔ بھٹو نے جیل کی کوٹھڑی میں البتہ اپنی کئی غلطیوں پر افسوس کیا جس کا ذکر بعد میں کسی کتاب میں کیا جائے گا۔

اس کے بعد جنرل ضیاء الحق صاحب آگئے۔ وہ عہدہ میں مجھ سے چند سال سینئر ہیں۔ لیکن ایک وقت ہم کپتان۔ میجر رہے۔ عمر میں بھی میں ان سے بڑا ہوں اور نوکری میں ان سے کافی سینئر ہوں کہ میں دوسری جنگِ عظیم سے پہلے برطانوی ہندی فوج میں تھا۔ اور جنرل صاحب جنگ کے خاتمے پر فوج میں آئے۔ جنرل صاحب اور میرے بڑے بھائی رسالدار فیروز خان ایک یونٹ کے ہیں اور کپتانی۔ میجری میں جنرل صاحب نے میرے بڑے بھائی کی حد سے زیادہ عزت کی اور اُن کی بڑی مدد کرنے کی کوشش کی۔ یہ الگ بات ہے کہ میرے بھائی کو وہ فائدہ نہ پہنچا سکے۔ لیکن ہمارا سارا خاندان جنرل ضیاء الحق کا قدردان ہے۔ البتہ ان کے حکومت میں آجانے کے بعد ہم نے ان سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

بہر حال نہ میں، نہ میرے خاندان کا کوئی آدمی یہ چاہے گا کہ ہم جنرل صاحب کے ساتھ لوگوں میں اس طرح

پیش آئیں، جس طرح میں پہلے سربراہانِ ملک کے ساتھ پیش آیا۔ لیکن لکھ کر جتنا میں نے جنرل ضیاءالحق اوراس کی حکومت کو بھیجا۔ وہ ایک پوری کتاب کا مضمون ہے۔ جنرل صاحب کی طرف سے ایک آدھ دفعہ کو چھوڑکر جوابات نہ آئے۔ میری لکھائی سے انہوں نے کیا فائدہ اُٹھایا یا اس کو ردّی کی ٹوکری میں پھینکتے رہے، اس کے لئے میرے پاس کوئی واضح ثبوت موجود نہیں۔ بہرحال میرے خیالات سے کئی باتیں، انہوں نے اپنائیں لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے خیالات سے ہی تھیں کہ کئی اور لوگ بھی ایسا سوچ سکتے ہیں۔ بہرحال جو کچھ اپنایا گیا۔ وہ بالکل اُدھورا ہے یا برائے نام ہے اور جنرل صاحب از خود تسلیم کرچکے ہیں کہ وہ اسلام نہ نافذ کرسکے۔ تو راقم اور اُن کی قدریں مشترک نہیں رہ جاتیں۔

میرے لحاظ سے حاکمِ وقت ایک دن میں اسلام نافذ کرسکتا ہے اور روزِ قیامت اس سے صرف یہ نہ پوچھا جائے گا۔ کہ اس کا اپنا کردار کیا تھا۔ بلکہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے اللہ اور رسولؐ کے احکام کا نفاذ کیوں نہ کیا۔ اس لئے مجھے جنرل ضیاءالحق صاحب کے طریقِ کار کے ساتھ سخت اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں پاکستان آرمی کی تاریخ اور جنرل شوکت رضا کے بارے جو خط میں نے اُن کو لکھا اور اس کی کاپیاں محدود دائرہ میں بھیجی بھی، اس میں کئی اور تاشقند کے راز موجود ہیں۔ اس پہلو پر ساتویں باب میں اِس خط اور جنرل شوکت کی کتاب پر تبصرہ ہوچکا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ جنرل شوکت کوئی بامقصد کتاب نہ لکھ سکیں گے۔ اوّل یہ کہ وہ اسلام سے بہت دُور ہیں۔ دوم وہ اپنی الگ دُنیا میں رہتے ہیں اور بہت زیادہ غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔

جنرل شوکت کی کمانڈ

ساتویں باب میں ذکر ہوچکا ہے کہ راقم نے ۱۹۷۱ء کے جولائی یا اگست میں جنرل شوکت کے ڈویژن کو جیسور کے علاقہ میں دیکھا۔ وہاں کی بریفنگ کانفرنس کا ماحول دیکھ کر میں کانپ گیا۔ راقم نے دوسری جنگِ عظیم میں بڑے پژمردہ حالات میں اکثر ہیڈکوارٹرز کی بریفنگ سُنیں لیکن جو مایوسی، بے خبری اور حالات کی افراتفری میں نے جنرل شوکت کی کمانڈ میں دیکھی تو میں نے پختہ اندازہ لگا لیا کہ معاملات ہاتھ سے نکل چکے تھے یعنی عملی شکست سے پہلے ہم شکست کھاچکے تھے۔ ایسا شخص بھلا ہماری بامقصد تاریخ کیسے لکھے گا۔

با مقصد تاریخ

راقم یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ میرا جنرل ضیاء الحق صاحب کو ۳ جولائی ۱۹۸۰ء کا خط کوئی "بڑ" نہ تھی۔ جنرل شوکت کی کتاب بھی مارکیٹ میں آ گئی ہے۔ قارئین میری کتاب اور اُس کی کتاب کا موازنہ کر لیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مجھے حکومت نے کوئی ذرائع یا ریکارڈ مہیا نہیں کیئے۔ لیکن جنرل شوکت کو چار سال تک ایک دفتر، فون، کلرک، سٹاف کار اور پتہ نہیں کیا کیا دیئے رکھا۔ لاکھوں روپوں کے خرچ کے علاوہ جنرل شوکت ہسٹاریکل سیکشن سے ہر رپورٹ دیکھ سکتا تھا۔ اور سرکاری طور پر علاقے دیکھے اور لوگوں کو ملا۔

اصل مقصد

راقم کے سامنے البتہ اصلی مقصد رسولِ عربیؐ کے اسلام کا نفاذ ہے۔ آٹھویں باب میں بیان کر چکا ہوں کہ اس سلسلہ میں جنرل ضیاء الحق صاحب، حکومت میں آنے کے دو ماہ بعد جنرل غلام حسن کے ذریعے مجھ سے وہ مسودہ لے چکے ہیں جو میں نے جنرل یحیٰی کو دیا تھا۔ علاوہ ازیں دو سال ہوئے ہیں اُن کو اسلامی نظامِ حکومت کے طریقِ کار کا مکمل مسوّدہ بھیج چکا ہوں۔ لیکن میرے اندر طوفان نہ تھم سکا۔ بہرحال جلالِ مصطفےٰؐ اور حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ کے عملی اسلام پر پانچ کتابیں لکھ کر قوم کو پیش کر چکا ہوں۔ ایک اور مسوّدہ حضور پاکؐ کے جلال اور جمال پر تیار ہے۔ یہ ہے عملی اسلام، جس سے قوم بے خبر ہے۔ میری کتاب جلالِ مصطفےٰؐ کے سلسلہ میں قوم پیر کرم شاہ جج شریعت بنچ اور مولانا سمیع الحق سینیٹر سے استفادہ کرے۔ جن کو میں تو جانتا بھی نہیں تھا۔ لیکن کتاب پڑھ کر اُنھوں نے خود مجھ سے ملنا چاہا۔ اس سلسلہ میں جنرل ضیاء الحق صاحب کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں اُن کو اسلام کے بارے میں بار بار لکھ کر اپنے اسلام کا "رُعب" ڈال رہا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ صدر صاحب کے کان میں کچھ لوگوں نے ایسی بات ڈال دی ہے۔ میں سب کچھ اللہ اور رسولؐ کے لئے کر رہا ہوں۔

اسلامی نظریاتی کونسل

میرے خیال کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل نے آج تک دھیلے کا کام نہیں کیا کہ بنیادی اسلام اُن کی نظروں سے اوجھل ہے۔ جب افضل چیمہ سربراہ تھے جن کو صحافی مخول کے ساتھ

"امام الرحیمیہ" کہتے تھے تو راقم نے اُن کو ملنا مناسب نہ سمجھا کہ جب ایوب کے زمانے میں وہ اسمبلی
ڈپٹی سپیکر تھے تو راقم کو اُن سے سرکاری سلسلہ میں ایک آدھ بار ملنا پڑا۔ اُن کی سطح الیسی تھی
اسلام کو سمجھنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ تنزیل الرحمٰن صاحب کے آنے کے بعد راقم نے
کے ساتھ طویل ملاقات کی اور اُن کو سمجھایا کہ باطل فلسفوں کے ڈھانچوں پر اسلام کی عمارت
بن سکتی۔ سؤر پر تکبیر پڑھیں تو وہ حلال نہیں ہو جاتا۔ آپ نے خدا اور رسول کے
جواب دینا ہے اور جنرل ضیاء الحق صاحب کو "بنیادی اسلام" سمجھائیں۔ اُنہوں نے
تو بڑے کئے لیکن یہ نہ اُن کے بس کی بات تھی اور نہ وہ اس سلسلہ میں کچھ کر سکے۔ اس
میں جو کاغذات راقم نے اِدھر اُدھر بھیجے، جو وزارتِ مذہبی امور کو اُن کی ذمہ داریاں
کے سلسلے میں لکھا وہ بھی ایک الگ کتاب کا مضمون ہے لیکن وہاں کام کرنے والوں کو
تنخواہ چاہیئے۔

شریعت بنچ

دراصل موجودہ رومن قانون کے تحت شریعت بنچ بنانا اسلام کو ثانوی حیثیت دینا ہے
ہم لوگ اس سلسلہ میں ایسی غلطی کر چکے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں معاف نہ کرے گا۔ اس سلسلہ
بھی راقم بہت کچھ لکھ کر اُوپر بھیج چکا ہے۔ لیکن کون سنتا ہے۔ جب جسٹس شیخ آفتاب
لوگ اس بنچ کے سربراہ تھے اُس کے اور میرے درمیان جو کچھ ۱۹۸۲ء میں نیشنل سنٹر اسلام آ
میں ہوا وہ میں صدر صاحب کو بھی لکھ چکا ہوں۔ اور جسٹس آفتاب میری اس "بے اد
کی مجھے "سزا" بھی دے چکا ہے۔ جلالِ مصطفےٰ کے سلسلہ میں پیر کرم شاہ اور مولانا سمیع
جیسے علماء کی سفارشوں کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک چکا ہے۔ اُس کو اس کی سزا ایک
ضرور ملے گی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ راجہ ظفر الحق جیسے لوگوں کو بعد میں معلوم ہو گیا کہ میرا
ٹھیک تھا۔ شیخ آفتاب، جسٹس منیر سے بھی بڑھ کر قادیانیوں کا ہمدرد نکلا۔

ہجری صدی کا جشن

حکومت اور متعلقہ لوگوں کو بہت کچھ لکھا کہ اسلام ایسے جشنوں کی اجازت نہیں دیتا
عاجزی اور شکرانہ کی نماز کی اجازت ہے لیکن کیسے جشن؟ کشمیر میں ہماری ناکامی کے جشن

س میں افغانستان کے قبضے کے جشن، فلسطینیوں کے دیس نکالا کے جشن، لیکن افسوس کسی کے ں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

ظامِ جہاد

لیکن انشاءاللہ راقم کبھی مایوس نہ ہوگا اور پنجابی ماہیے کے بول کے مطابق "بھوں کر جانے ایا رفیق غریباں دی" میں اپنی ہمت کے مطابق صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتا رہوں گا۔ میرے عقیدہ ے مطابق مسلمانوں کے لئے جہاد، ایک طرزِ زندگی ہے۔ اور نظامِ جہاد ہمارا سیاسی فلسفہ ہے۔ ہاد بالسیف ہمارا دفاعی فلسفہ اور ہم ہر وقت حرب یعنی جنگ کے لئے تیار رہتے ہیں۔ پوری قوم کی اِس جہاد میں شرکت اور اُمتِ واحدہ میرے ایمان کا حصّہ ہیں کہ حضور پاک نے جنگ کو جہادِ اصغر کا نام دیا اور امن کے زمانے میں جہاد بالنفس اور تیاری کو جہادِ اکبر کا نام۔ راقم اس عمر میں بھی رائفل اُٹھاکر میدانِ جنگ کی موت کی آرزو کرتا رہے گا اور یہ ہے عملی اسلام۔

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ (اقبالؒ)

ممنونیت

اب اگر میں اُن تمام کرم فرماؤں کا ذکر کروں جنہوں نے میری دلجوئی کی، تربیت کی، ہمجنیالی دکھائی یا یہ تمام کتابیں لکھنے کا باعث بنے، تو مجھے کتاب میں ایک اور باب کا اضافہ کرنا ہوگا۔ البتہ اپنے عظیم والدین، خاندان اور اساتذہ یا سکول اور فوج کے تمام رفیقوں کے ذکر کے بعد اُس عظیم انسان کا ذکر کروں گا جس کے احسان ہماری فوج پر صدیوں تازہ بہ تازہ رہیں گے اور یہ جنرل احسان الحق ڈار مرحوم ہیں۔ جنہوں نے مجھے زبردستی قلم پکڑوایا۔ دوسرے کرنل بشیر محمد مرحوم ہیں جن کے ساتھ ان تمام کتابوں کے مضامین پچھلے تیس سال زیرِ بحث رہے۔ اُن کی کئی سالوں کی مجلس سے اِتنا فائدہ ہوا کہ ایک ہزار کتابیں پڑھنے سے بھی وہ حاصل نہ ہوتا۔

ادب اور ادیب میری کمزوری ہے۔ میں اپنے آپ کو اہلِ قلم نہیں کہتا کیونکہ جو جو فلسفہ خونِ جگر سے نہ لکھا جائے اور جو باتیں دل پر چوٹ نہ کریں یا جن بیانات میں مقصد صراطِ مستقیم نہ ہو۔ میرے لئے وہ بے معنی چیزیں ہیں اس لئے صحافیوں میں صرف

سید شبیر حسین بھی مجھے متاثر کر سکے۔ ان کی کتاب LENGTHENING SHADOWS
یعنی سائے لمبے ہو رہے ہیں، نے مجھے اور زیادہ چونکا دیا۔ ایوب کے زوال کے بعد
اُن کو نورالامین نے اُسی دن بتا دیا تھا کہ اب جو فوج آ رہی ہے تو مُلک کے دولخت ہو
کی ذمہ داری فوج پر آئے گی۔ گو ہم سب قصور وار ہیں۔ اور زیادہ قصور وار شعبدہ باز سیاستدان
سید شبیر حسین نے ایسی تمام باتوں کو اپنی کتاب کا موضوع بنایا اور یہی وجہ تھی کہ بھٹو نے اپ
زمانے میں اُن کو "دیس نکالا" دے کر بلوچستان بھیج دیا تھا۔ نورالامین مرحوم کو راقم ۱۹۴۴ء سے جانتا
۱۹۵۲ء میں جب وہ بنگال کے وزیر اعلیٰ تھے تو راقم ڈھاکہ شہر کا فوجی کمانڈر بنا تھا لیکن اُن کے سا
آخری ملاقات فروری ۱۹۷۲ء میں ہوئی جب میں نے بھٹو کو کھری کھری سُنائی تھیں۔ نورالامین بھی
وہاں موجود تھے اور چائے کے وقت مجھے بڑے تپاک سے ملے اور ارادہ ظاہر کیا کہ میں اپنے کلام
کو کتابی شکل دوں۔ اور اس قسم کے سینکڑوں رفیقوں کے مشورے مجھے ملتے رہے۔

البتہ اس کتاب کی اشاعت میں میرے عزیز اور نوجوان صحافی سعود ساحر کی ترغیب ا
متعدد حاضر نوکری اور دفاع سے وابستہ پنشنر صاحبان کی خواہش نے مجھے مجبور کر دیا
کہ میں یہ کتاب خود شائع کروں۔ سعود ساحر راولپنڈی جرنلسٹ کے صدر بھی رہے ہیں اور
ایک مخلص و صاحب دل مسلمان ہیں۔ وہ خود یہ کتاب شائع کرنا چاہتے تھے لیکن اُن کو وقت
نہیں مل رہا تھا۔

میری اس کتاب کو اکثر لوگ پسند نہیں کریں گے کیونکہ میں نے کافی لوگوں کے راز فاش
کر دئے ہیں لیکن ایسے سب لوگوں سے گزارش ہے کہ میں نے اپنے آپ کو بھی معاف نہیں کیا
اور خود کو "کرایہ کا سپاہی" تک کہہ دیا ہے۔ اس لئے قومی ضرورت کے تحت وہ مجھے معاف کر دیں
میرے سامنے مقصد ہے کہ ہماری قوم صراطِ مستقیم پر چل پڑے اور سب کچھ حب اللہ
اور بغض اللہ کے تحت لکھا گیا۔

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

وما علینا الا البلاغ

از مصنفِ کتاب اور حضور پاکؐ کا سپاہی